مؤالستقات

بغداد

از

خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے

امرتسری

حسب فرمائش

شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار

لاہور

سنہ ۱۹۰۶ء

نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپا

(الف)

سنین بغداد

ہمعصر مورخین	عمارات اور واقعات بغداد	خلفائے عباسیہ	سنہ ہجری و عیسوی
-	تعمیر ہاشمیہ	سیدنا ابو العباس السفاح ابن محمد ابن علی ابن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ	(١) سنہ ١٣٢ھ سنہ ٧٥٠ء
-	(دور اول) بغداد کی بنیاد مدینۃ المنصور	ابو جعفر المنصور بن محمد	(٢) سنہ ١٣٦ھ سنہ ٧٥٤ء
-	رصافہ کی تکمیل	محمد المہدی ابن منصور	(٣) سنہ ١٥٨ھ سنہ ٧٧٥ء
-	-	موسیٰ الہادی بن مہدی	(٤) سنہ ١٦٩ھ سنہ ٧٨٥ء
-	بنیاد قصر جعفری	ہارون الرشید بن مہدی	(٥) سنہ ١٧٠ھ سنہ ٧٨٦ء
-	بغداد کا اول محاصرہ سنہ ١٩٣ھ سنہ ٨٠٩ء	محمد الامین ابن الرشید	(٦) سنہ ١٩٣ھ سنہ ٨٠٩ء
-	قصر جعفری کی تکمیل اور اس کا قصر حسنی کے نام سے مشہور ہونا	عبد اللہ المامون ابن الرشید	(٧) سنہ ١٩٨ھ سنہ ٨١٣ء
-	قصر واقع کنار نہر موسیٰ (دور دوم) خلافت کا بغداد سے سامرا میں منتقل ہونا ٢٢١ھ	محمد المعتصم باللہ ابن الرشید	(٨) سنہ ٢١٨ھ سنہ ٨٣٣ء
-	سامرا	ہارون الواثق باللہ ابن المعتصم	(٩) سنہ ٢٢٧ھ سنہ ٨٤٢ء
-	سامرا	جعفر المتوکل علی اللہ (اول) ابن معتصم	(١٠) سنہ ٢٣٢ھ سنہ ٨٤٦ء

	سنہ ہجری و عیسوی	خلفائے عباسیہ	عمارات و واقعات بغداد	ہمعصر مورخین
(۱۱)	۲۴۷ھ ۸۶۱ء	محمد المنتصر باللہ (اول) ابن متوکل	سامرا	•
(۱۲)	۲۴۸ھ ۸۶۲ء	ابو العباس احمد المستعین باللہ (اول) ابن معتصم	بغداد میں واپسی۔ دوسرا محاصرہ ۲۵۱ھ ۸۶۵ء	•
(۱۳)	۲۵۲ھ ۸۶۶ء	محمد المعتز باللہ ابن متوکل	سامرا	•
(۱۴)	۲۵۵ھ ۸۶۹ء	مہتدی باللہ ابن واثق	سامرا	•
(۱۵)	۲۵۶ھ ۸۷۰ء	معتمد علی اللہ ابن متوکل	بوران کی وجہ سے قصر حسنی میں خلافت سامرا سے بغداد میں منتقل ہوئی۔	یعقوبی
(۱۶)	۲۷۹ھ ۸۹۲ء	احمد المعتضد باللہ (اول)	خلافت مستقل طور پر بغداد میں منتقل ہوئی قصر ثریا اور فردوس کی تعمیر۔ قصر تاج کی بنیاد، قصر حسنی کو وسعت دی گئی۔	•
(۱۷)	۲۸۹ھ ۹۰۲ء	ابو محمد المکتفی باللہ ابن معتضد	قصر تاج کی تکمیل۔ نہر جامع القصر کی تعمیر۔	ابن رستہ
(۱۸)	۲۹۵ھ ۹۰۸ء	جعفر المقتدر باللہ ابن معتضد	قصر الشجرہ بحیرہ کی تعمیر۔ سفیر روم کا داخلہ بغداد میں ۳۰۵ھ ۹۱۷ء	طبری
(۱۹)	۳۲۰ھ ۹۳۲ء	القاہر باللہ ابن معتضد	مدینۃ المنصور کی دیوار کا انہدام	•
(۲۰)	۳۲۲ھ ۹۳۴ء	ابو العباس احمد الراضی باللہ ابن مقتدر	•	•
(۲۱)	۳۲۹ھ ۹۴۰ء	ابو اسحٰق المتقی باللہ ابن مقتدر	قصر باب العامہ کی ویرانی ۳۲۹ھ ۹۴۱ء مدینۃ المنصور میں دجلہ کی طغیانی	مسعودی
(۲۲)	۳۳۳ھ ۹۴۴ء	ابو القاسم المستکفی باللہ (اول) ابن مکتفی	•	•

سنہ ہجری و عیسوی	خلفائے عباسیہ	عمارات اور واقعات بغداد	ہمعصر مورخین
(۲۳) ۳۳۴ھ ۹۴۶ء	ابو القاسم المطیع ابن مقتدر	(تیسرا دور) آل بویہ۔ بغداد قصر معز الدولہ۔ قصر طاؤس۔ قصر مثمن۔ قصر مربع۔	اصطخری
(۲۴) ۳۶۳ھ ۹۷۴ء	ابو بکر الطائع اللہ ابن مطیع	عضدی بیمارستان	ابن حوقل۔ مقدسی
(۲۵) ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء	ابو العباس القادر باللہ ابن مقتدر		
(۲۶) ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء	ابو جعفر القائم بامر اللہ (اول) ابن قادر	(چوتھا دور) سلجوق طغرل بیگ اور ملک شاہ۔ مدرسہ نظامیہ۔ دجلہ کی طغیانی ۴۶۶ھ ۱۰۷۴ء	خطیب بغدادی
(۲۷) ۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء	ابو القاسم المقتدی بامر اللہ ابن قائم	جامع السلطانی۔ منتظمیہ وغیرہ	۔
(۲۸) ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	ابو العباس المستظہر باللہ ابن مقتدی	۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء میں مشرقی بغداد کی دیوار۔ قصر ریحانین۔	۔
(۲۹) ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء	ابو المنصور المسترشد باللہ ابن مستظہر	قصر باب الحجرہ	۔
(۳۰) ۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	ابو جعفر منصور الراشد باللہ ابن مسترشد	بغداد کا تیسرا محاصرہ ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	۔
(۳۱) ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	ابو عبد اللہ المقتفی لامر اللہ ابن مستظہر	قصر تاج میں آتشزدگی ۵۴۹ھ ۱۱۵۴ء میں اور کچھ حصہ کی از سر نو تعمیر۔ بغداد کا چوتھا محاصرہ ۵۵۱ھ ۱۱۵۶ء میں دجلہ کی طغیانی ۵۵۴ھ ۱۱۵۹ء۔	ملک الشعرا حکیم خاقانی
(۳۲) ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء	ابو المظفر المستنجد باللہ (اول) ابن مقتفی	(پانچواں دور)	بنجمن باشندہ ٹیوڈیلا
(۳۳) ۵۶۶ھ ۱۱۷۰ء	الحسن المستضی بامر اللہ ابن مستنجد	شہر پناہ کی مرمت ۵۶۸ھ ۱۱۷۲ء میں دجلہ کی طغیانی ۵۶۹ھ ۱۱۷۴ء۔ قصر تاج کا انہدام۔ نیا قصر تاج اور بند کی تعمیر	۔

	سنہ ہجری و عیسوی	خلفائے عباسیہ	عمارات و واقعات بغداد	ہمعصر مورخین
(۳۴)	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء	ابو العباس احمد الناصر لدین اللہ ابن المستضی	دجلہ کی طغیانی ۶۱۴ھ / ۱۲۱۷ء - باب طلسم کی مرمت ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء -	محمد ابن جبیر اندلسی یاقوت
(۳۵)	۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء	ابو نصر الظاہر بامر اللہ ابن ناصر	کشتیوں کے پل کی مرمت	
(۳۶)	۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء	ابو جعفر المستنصر باللہ (اول) ابن ظاہر	مدرسہ مستنصریہ جامع مسجد کی مرمت	
(۳۷)	۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء	ابو احمد المستعصم باللہ ابن المستنصر	کتب خانے بیحا ابن آخری محاصرہ - ہلاکو خان کا داخلہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء	ابن خلکان

شجرہ خاندان خلفائے عباسیہ

(ج)

عبد مناف

عبد شمس — ہاشم

امیہ — عبد اللہ — عباس — ابو طالب

عبد اللہ — محمد رسول صلعم — عبد اللہ

فاطمہ — علی

صالح — عبد الملک — محمد — سلیمان — لہ

محمد

السفاح (۱) — موسیٰ — منصور (۲)

عیسیٰ (ہارون رشید نے معزول کرا دیا) — مہدی (۳)

ہادی (۴) — ہارون الرشید (۵)

امین (۶) — المامون (۷) — المعتصم (۸)

الواثق (۹) — المتوکل (۱۰) — المستعین (۱۲)

مہتدی (۱۴) — المنتصر (۱۱) — معتمد (۱۵) — موفق — معتز (۱۳)

المعتضد (۱۶)

المکتفی (۱۷) — المقتدر (۱۸) — القاہر (۱۹)

الراضی (۲۰) — ابو اسحاق المتقی (۲۱) — المطیع (۲۳) — القادر (۲۵)

المستکفی (۲۲) — الطائع (۲۴) — القائم (۲۶)

المقتدی (۲۷)

المستظہر (۲۸)

المسترشد (۲۹) — ابو عبد اللہ المقتفی (۳۱)

الراشد (۳۰) — المستنجد (۳۲)

المستضئی (۳۳)

ناصر (۳۴)

ظاہر (۳۵)

مستنصر (۳۶)

لہ ان کی وفات پر ہارون نے ان کی جائداد ضبط کرلی ۔

(۵) شجرۂ خاندان اُمیہ

عبد مناف

- ہاشم — عبد شمس
- عبد المطلب — اُمیہ
- حرب — ابو العاص
- ابو سفیان — حکم — عفان
- معاویہ (۱) ۴۱ھ سے ۶۰ھ — مروان اول (۴) ۶۵ھ — عثمان ذو النورین رضہ
- یزید اول (۲) ۶۰ھ سے ۶۴ھ — محمد — عبد العزیز — عبد الملک (۵) ۶۵ھ سے ۸۶ھ
- معاویہ ثانی (۳) ۶۴ھ — مروان ثانی (۱۴) ۱۲۷ھ سے ۱۳۲ھ — عمر ثانی (۸) ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ — ہشام (۱۰) ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ — یزید دوم (۹) ۱۰۱ھ سے ۱۰۵ھ — سلیمان (۷) ۹۶ھ سے ۹۹ھ — ولید اول (۶) ۸۶ھ سے ۹۶ھ
- معاویہ — ولید ثانی (۱۱) ۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ — ابراہیم (۱۳) ۱۲۶ھ — یزید سوم (۱۲) ۱۲۶ھ
- عبد الرحمن

سفاح کے ہاتھ سے بچکر بھاگا اور ہسپانیہ میں امیہ کی بنیاد ڈالی ۔

(۶) شجرۂ خاندان علوی اور فاطمی
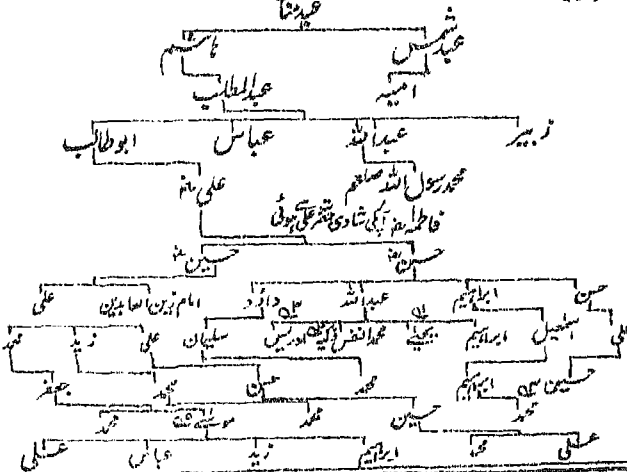
عبد مناف

- ہاشم — عبد شمس
- عبد المطلب — امیہ
- ابو طالب — عباس — عبد اللہ — زبیر
- علی رضہ — محمد رسول اللہ صلعم
- فاطمہ رضہ آپکی شادی حضرت علی سے ہوئی
- حسین رضہ — حسن رضہ
- علی — امام زین العابدین — داؤد ۵۵ — عبد اللہ — ابراہیم — حسن
- محمد — زید — علی — سلیمان — محمد النفس الزکیہ ۵۱ ۵۲ ادریس — یحییٰ ۵۳ — ابراہیم — اسمٰعیل — علی
- جعفر — محمد — حسن — محمد — ابراہیم — حسین ۵۴
- محمد — موسیٰ ۵۵ — محمد — حسین — محمد
- علی — عباس — زید — ابراہیم — محمد — علی

۵۱ بعہد ہارون شہر دیلم میں بغاوت کی ۔ ۵۲ ادریسیہ کے عہد میں دعوئے خلافت کیا جنگ میں کام آئے ۔ ۵۳ ہارون نے زہر دیکر مروا ڈالا ۔
۵۴ سفاح نے زندہ دیوار میں چنوا دیا ۔ ۵۵ ہارون کی قید میں فوت ہو گئے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

فصل اول

بغداد

تاریخ بغداد خلفائے عباسیہ کی تاریخ ہے۔ خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) سے ۶۴۰ھ (۱۲۴۲ء) تک رہی۔ پانچ سو برس کا عرصہ خلافت عباسیہ کے عروج اور نزول کا زمانہ ہے اور درحقیقت یہی پانچ سو برس بغداد کی ترقی اور تنزل کے ایام ہیں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اسی زمانہ کے واقعات ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم بغداد کے مفصل حالات لکھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن واقعات کا تذکرہ کریں جو بغداد کی تعمیر وغیرہ کے باعث ہیں۔

جس طرح مصر میں بنی اسرائیل پر فرعونیوں نے ظلم و ستم کیا، اُسی طرح مکہ معظمہ میں پیروان اسلام کو جو اس وقت گنتی کے آدمی ہی تھے، بُت پرست طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہے تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مصر سے خروج کیا۔ اور بنی اسرائیل کو وہاں سے نکال لائے۔ اسی طرح حضرت محمد صلّے اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے یثرب کی جھونپڑیوں

کی طرف ہجرت کی اور جس طرح حضرت موسیٰ کا تعاقب ہوا اسی طرح حضرت محمدؐ کا بھی ہوا لیکن جس طرح حضرت موسیٰ بچ گئے اور اُن کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح حضرت محمدؐ بھی ظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ رہے اور اُن کے دشمن ہلاک ہوئے۔ مثل موسیٰ کی ہجرت مکہ سے یثرب کی طرف سنہ ہجری کا پہلا سال ہے۔ تاریخ ۱۵۔ جولائی ۶۲۲ء جمعہ کا دن تھا۔ تاریخ اسلام کا آغاز مذکورہ بالا واقعات کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہجرت سے پیشتر یثرب کی حیثیت ایک آباد گاؤں سے بڑھ کر نہ تھی لیکن جس وقت آنحضرتؐ نے اس جگہ رہائش اختیار کی اور یثرب مدینۃ النبی بن گیا اس کے چند سال بعد جو تغیر یثرب میں رونما ہوا یا ہجرت کی وجہ سے جو پیدا ہوا وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ شاید تاریخ عالم میں ہجرت پہلا اور آخری واقعہ ہے جو حضرت کے اقتدارات کا اظہار بلحاظ معنی کے کرتی ہے بلکہ اس سے وہ نتائج پیدا ہوئے جو بلحاظ قدرت کے اپنا آپ ہی نظیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی تاریخی واقعات سے معرا ہے۔ مگر حضرت موسیٰ کے خروج سے بھی وہ مدعا حاصل نہ ہوا۔ بنی اسرائیل جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتے رہے۔ اور حضرت موسیٰ زندہ ہو کر وہاں داخل نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے وقت بنی اسرائیل محکوم قوم تھی لیکن ہجرت نے یثرب کو مدینۃ النبی اور مدینۃ النبی کو عرب اور بعد ازاں مہذب ممالک دنیا کا دارالخلافت بنا دیا۔

ہجرت کے وقت دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شام، ایران اور مصر پر شب دیجور تھی قانون قدرت کے مطابق یہ ضرور تھا۔ کہ ان اندھیری راتوں کے بعد دور قمر ہو اور دنیا پر اجالا ہو۔ چنانچہ جس وقت عرب نور ہدایت سے معمور ہو چکا۔ تو مطلع شام پر ہلال اسلام طلوع ہوا۔ ایران میں دولت کیانی کی قندیل چراغ سحری تھی ظلمت کفر کو آتشکدوں کی آگ کبھی روشن نہیں کر سکتی تھی۔ ہلال مطلع ایران پر ماہ نیم کی صورت میں طلوع ہوا۔ آتشکدوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ان کی راکھ کو صرصر کے تیز جھونکوں نے اڑا کر ملک کو شرک و آتش پرستی سے پاک کر دیا۔ شام پر صبح اسلام نمودار ہوئی تو بیت المقدس نے حضرت عمر خلیفہ ثانی کے سامنے بغیر جنگ و جدل کے دروازے کھول دئیے۔ نعرہ توحید نے اس جگہ تثلیث کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ شام ایسا ملک تھا جہاں دودھ اور شہد موجیں مارتے تھے لیکن بحر اسلام کی پیاس اس سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ آخر بحر روم اور قلزم کو عبور کرتا ہوا دریائے نیل کی طغیانیوں پر غالب آیا اور مصر سے نکلا۔

متذکرہ بالا واقعات ہجرت کے بعد ۲۳ برس کے عرصہ میں ہوئے۔ اس وقت مدینہ منورہ عرب۔ ایران۔ شام اور مصر کا دارالخلافت تھا۔ مدینہ منورہ اس وقت اسلام کی پولٹیکل طاقت کا مرکز تھا۔ ہجرت سے پیشتر مکہ معظمہ عرب کی قومی طاقت کا سرچشمہ تھا۔ لیکن ہجرت نے اس کی جگہ مدینہ کو تمام اسلامی مقبوضات کا دارالخلافت بنا دیا تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور عمر فاروق اعظمؓ اور عثمانؓ ذوالنورین کے وقت مدینہ منورہ ہی مذکورہ بالا ممالک کا دارالخلافت رہا۔ لیکن خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے وقت مدینہ سے کوفہ کو دارالخلافت منتقل ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے بجائے مدینہ کے کوفہ کو کس لئے دارالخلافت قرار دیا؟ اس سوال کا جواب بغداد کی تعمیر کی وجہ ہے۔ عرب میں حضرت اسمٰعیلؑ ابن حضرت ابراہیمؑ کی اولاد آباد تھی یہ لوگ بہت پھلے اور پھولے حضرت ابراہیمؑ کی دعا خداتعالے نے حضرت اسمٰعیلؑ کے حق میں سنی۔ اُسے برومند کیا، اور بہت بڑھایا، اُس سے سردار پیدا کئے، اور اُسے بڑی قوم بنایا۔ اس بڑی قوم میں بہت سے قبیلے تھے۔ ان میں سے قریش کا قبیلہ قدیم الایام سے مکہ میں تھا۔ اور سب سے بڑھ کر معزز شمار ہوتا تھا۔ درحقیقت عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن شجرہ قریش کی بہت سی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں سے دو بڑی شاخیں بنو امیہ اور بنو ہاشم تھیں۔ جمیعت و اقتدار میں بنو امیہ کا پلہ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد جب خلافت کے متعلق جھگڑا ہوا تو آخر یہی فیصلہ ہوا کہ قریش میں سے خلیفہ ہو۔ چنانچہ بالاتفاق حضرت ابوبکر خلیفہ اول ہوئے، خلیفہ اوّل قریش کے قبیلہ بنی تمیم میں سے، ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی ہوئے قبیلہ بنی عدی سے تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے۔ اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ بنو ہاشم سے تھے۔ امیہ اور بنو ہاشم دونوں حریف طاقتیں تھیں۔ خلیفہ سوم کے زمانہ خلافت

میں بنواُمیّہ بہت زور پکڑ گئے تھے۔ تمام بڑے بڑے ملکی عہدے انہی کے ہاتھ میں تھے امیر معاویہ[1] خلیفہ دوم کے عہد خلافت میں حاکم شام تھے۔ لیکن فاروقی زمانہ میں جس امر کی جرأت نہ ہو سکتی تھی، اب اُس کی تکمیل کا خاطرخواہ حوصلہ پیدا ہو گیا۔ شام پر اگرچہ وہ بہ حیثیت نائب السلطنت کے حکومت کرتے تھے لیکن درحقیقت خود مختار امیر تھے۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے یہ مناسب خیال نہ کیا کہ جس جگہ اُن کے حریف بنواُمیّہ کا زور ہو۔ اُسے دارالخلافت بنائیں۔ اس لئے مدینہ منورہ سے کوفہ چلے آئے۔ اس واقعہ نے اسلامی طرز حکومت کو ایک نئے اصول پر چلایا۔ یعنی ہر ایک نئے خاندان کی بنیاد کے ساتھ ایک نئے دارالحکومت کی بنیاد پڑی۔ اسی اصول پر جس کا آغاز درحقیقت آنحضرتؐ کی ہجرت سے ہؤا (جب کہ مکہ کی جگہ مدینہ عربی طاقت کا مرکز بن گیا) بعد میں ایشیائی طرز حکومت کا دارومدار تھا۔

لیکن مدینہ منورہ اور حجاز کو چھوڑ کر کوفہ میں پایہ تخت کا بدلنا حضرت علیؓ کے حق میں بہت مضر ثابت ہؤا۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو خرابیاں اس سے پیدا ہوئیں اُن سے حضرت امیرؑ نے ترک وطن کی غلطی کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ نئے دارالخلافت کی وجہ سے قبائل عرب کی متفقہ طاقت ٹوٹ گئی۔ اور خلیفہ چہارم کو معلوم ہو گیا کہ کوفیوں میں اہل مدینہ کی سی باتیں نہیں۔ کوفی پرلے درجہ کے غیر مستقل، شورہ پشت، اور مفسد ثابت ہوئے۔ لیکن مدینہ کو ترک کرنے میں جو غلطی سرزد ہوئی اُس کی تلافی اب نہ ہو سکتی تھی۔ خانہ جنگی شروع ہو گئی اور بنوہاشم اور بنواُمیّہ کے درمیان لڑائی کی ٹھن گئی۔

بنوہاشم اور بنواُمیّہ کے جھگڑوں کے ساتھ جو آتش خانہ جنگی برپا ہوئی، اُس نے عرب کے مختلف خاندانوں میں ایسی آگ لگا دی کہ پھر کبھی نہ بجھی۔ اگرچہ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ نے صلح کر لی۔ لیکن خاندانی کاوشیں جو وراثت میں ملی تھیں دُور نہ ہوئیں۔

[1] امیر معاویہ ۶۶۱؁ء میں بلاشرکت غیرے خلیفہ ہوئے۔ دارالخلافت شام سے دمشق میں منتقل کیا۔ درحقیقت اُنہیں خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ خودمختار کہنا بہت موزون ہے۔ بادشاہت کی بنیاد امیر معاویہ نے ہی رکھی اور اُس کے بعد یہی طرز حکومت قائم رہا۔ تاریخ اسلام میں نہایت نہایت منتظم۔ صاحب تدبیر۔ کریم النفس اور خوش قسمت فہمندہ امیر گذرا ہے۔ اسی کے عہد میں کابل فتح ہوا۔ اسلامی لشکر نے ایک طرف ہند اور دوسری طرف قسطنطنیہ تک ملک اغیار سے پاک کر دیا۔ ۶۸۰؁ء میں ۷۵ برس کی عمر میں ۱۹ برس سلطنت کر کے انتقال کیا۔

آخر ابن ملجم کے خنجر نے اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ آئندہ کون شخص امیر ہوگا اور کون خاندان حکومت کریگا۔ حضرت علیؓ کی شہادت پر دار الحکومت کوفہ سے دمشق کو بدل گیا۔ اور نئے دار الحکومت کے ساتھ نئے خاندان اُمیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ کچھ شک نہیں کہ دمشق مدینہ اور مکہ کے بہ نسبت موزوں جگہ پر واقع تھا۔ اس جگہ دودھ اور شہد موج مارتے تھے۔ گو حجاز میں مدینہ اور مکہ ابھی تک مذہبی طاقت کے مرکز تھے۔ لیکن ان سے دمشق کی پولیٹکل طاقت کو کچھ ضعف نہیں آسکتا تھا۔ اس کا پشت پناہ صحرائے عرب تھا۔ جہاں سے خلفا امداد طلب کر سکتے تھے۔ اور جہاں ابھی تک بدوی خانہ بدوش اپنی اُسی قدیمی آزادانہ روش پر چل رہے تھے علاوہ ازیں اسلامی اور قیصری حدود سلطنت نے ایسی ٹکر کھائی کہ بدقسمت یونانی بادشاہ ہمیشہ کے لیے ایشیائی مقبوضات سے مایوس ہوگیا۔

بنو اُمیہ اپنے حریف بنو ہاشم کی طرف سے بیفکر نہ تھے۔ سلاطین اُمیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہاشمی دعاوی کے دلائل موجود ہیں اس لئے جب تک یہ قطع نہ ہوں۔ سلطنت میں آئے دن کے جھگڑوں سے کبھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ بنو ہاشم کی فطرت میں اگرچہ صبر و شکر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ خلافت کو ایسے زمانہ میں جب کہ یزیدؔ[1] ابن امیر معاویہ کا سا فاسق و فاجر حکمران ہو اپنا حق سمجھتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ بنو ہاشم کی ملکی طاقت بہ نسبت اپنے حریف کے بہت کمزور تھی۔ اس لئے بنو اُمیہ کا غلبہ ہوا۔ اس غلبہ کے وقت تاریخ اسلام میں وہ واقعات پیش آئے، جنہیں یاد کر کے ایک دُنیا خون کے آنسو روتی ہے۔

---

[1] ابو خالد یزید اموی سنہ ۶۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ حسینؓ ابن علیؓ اور زبیرؓ سے بیعت طلب کی دونوں نے انکار کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد کو شام سے عراق میں بھیجا۔ صحرائے ماریہ میں فرات کے کنارہ پر جسے ارض نینوا کہتے تھے، اور بعد میں کربلا مشہور ہوا۔ حضرت حسینؓ مع ۷۲ جاں نثاروں کے شہید ہوئے۔ یزید اُن کے بعد اُن کے باقی اہل و عیال سے معترض نہ ہوا۔ ابن زبیر کے مقابلہ میں مقدس مقامات مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کی سخت بے حرمتی کی۔ کہتے ہیں کہ منجنیق اس قدر برسائے کہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چھت بھی جل گئی اور مشہور ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے مینڈھے کے سینگ جو اس میں رکھے ہوئے تھے وہ بھی جل گئے۔ یزید بہادر خوبصورت جوان تھا۔ شعر اکثر کہا کرتا تھا اور اچھا کہتا تھا۔ مقامات حریری کے دیباچہ میں جو قطعہ ہے فلو قیل الخ اور دیوان حافظ کی پہلی غزل کا پہلا مصرعہ الا یا ایہا الساقی الخ کہتے ہیں کہ یزید ہی کے اشعار ہیں۔ خاندان اُمیہ کا دوسرا بادشاہ تھا۔ سنہ ۶۴ھ میں مرگیا۔

اگرچہ بنو ہاشم کو اس قدر کمزور کر دیا گیا تھا کہ ان کے دوبارہ سرسبز ہونے کی امید نہ تھی۔ لیکن اس پر بھی وہ چپکے چپکے پھر زور پکڑ رہے تھے۔ اس وقت بنو ہاشم کی تین زبردست شاخیں تھیں۔ علوی اور فاطمی تو حضرت علیؑ کی اولاد تھے مگر تیسری شاخ عباسیہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار کی اولاد تھی۔

۵۱

شجرہ خاندان عباسیہ

عبدالمطلب

زبیر — عبداللہ — عاتکہ — عباس عم رسول اللہ صلعم — ابوطالب

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (بن عبداللہ) — عبداللہ (بن عباس)

علی

محمد
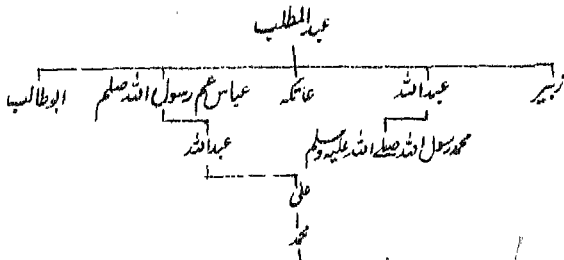
امام ابراہیم — سفاح (ابوالعباس عبداللہ) — منصور (ابوجعفر عبداللہ)

حضرت عباس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار تھے۔ سنہ ۲ھ ۶۲۴ء میں ابو سفیان شام سے اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ واپس آ رہے تھے اور رسول اللہ مدینہ سے اُن کی طلب میں بدر کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ مکہ معظمہ میں عاتکہ بنت عبدالمطلب اپنے بھائی عباس سے اپنا خواب بیان کرتی تھی کہ "ایک شخص اونٹ پر سوار ہے اس کا گریبان چاک ہے اور فریاد کر رہا ہے کہ اے اہل مکہ تین دن کے بعد تم پر ایک بڑی مصیبت آنے والی ہے تیار رہو جاؤ اور اپنے آپ کو بچاؤ" اس خواب کی شہرت آناً فاناً مکہ میں ہوگئی۔ حضرت عباس اُس وقت حالت کفر میں تھے۔ گھر سے نکلے تو ابوجہل دوچار ہوا۔ بولا "کیوں! اے عباس اب تو عبدالمطلب کی اولاد سے عورتیں بھی پیغمبری کا دعوے کرنے لگیں۔ قسم ہے لات و عزے کی یہیں یہ باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ اچھا تین دن تک انتظار کرتے ہیں۔ پھر اس خواب کی تعبیر بھی معلوم ہو جائیگی" حضرت عباس کو اس مسخرے کی گفتگو پر غصہ آیا لیکن چپکے ہو رہے۔ تیسرے دن گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ اگر آج اُس نے پھر وہی تمسخر کیا تو قتل کر دونگا۔ ابوجہل بھی ایک ہی کائیاں تھا۔ عباس کے چتوں سے تاڑ گیا کہ آج خیر نہیں۔ آنکھ بچا کر ایک طرف ہو گیا۔ حضرت عباس اس کی بزدلی پر ہنستے تھے کہ ضمضم کو دیکھا کہ ایک اونٹ پر سوار ہے گریبان چاک ہے اور فریاد کرتا ہے کہ اے اہل مکہ دوڑو محمد نے تمہارے قافلہ کو آلیا"۔

اہل مکہ فوراً جمع ہو گئے اور بدر کی طرف قافلہ کو بچانے کے واسطے کوچ کیا۔ وقت پر پہنچے اور قافلہ کو بچا لیا۔ لیکن ابوجہل کی شرارت اس امر کی مقتضی تھی کہ اب بغیر جنگ وجدل کے واپس جانا مردانگی سے بعید ہے۔ بدر پر جنگ ہوا تو اہل مکہ نے شکست فاش کھائی۔ اسیران جنگ میں حضرت عباس بھی تھے۔ آپ کے دل میں اسلام کی صداقت کا یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ مسلمان ہو گئے۔ فاضل مصنف "البرامکہ" تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت نے آپ کے

دیکھو صفحہ ۱۲

دمشق میں اُمیہ کی حکومت ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک رہی۔ ۱۱۰ برس کے عرصہ میں جو کچھ دمشق سے ظہور میں آیا اس کے تذکرے کے واسطے ایک علیحدہ کتاب چاہیئے۔ (انشاء اللہ تعالےٰ یہ واقعات ہم دمشق کے حالات میں لکھینگے) المختصر اس خاندان کے چوتھے بادشاہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں تمام دنیائے اسلام بلا استثنائے خلافت امویہ کے قبضہ اقتدار میں تھی خلافت اُمیہ کے دائرہ حکومت میں سندھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۔ حق میں ایک طولانی دعا مانگی تھی جس کا ایک ٹکڑہ یہ بھی تھا کہ "واجعل الخلافۃ باقیۃ فی عقبہ" یعنی عباسؓ کے خاندان میں خلافت باقی رہے"۔ اس دعا کی تاثیر میں تو کچھ کلام نہیں لیکن ہمیں اس کی صحت پر یقین نہیں۔ غالباً یہ دعا بھی اسی وقت بیان کی جاتی تھی۔ جب آل عباس کے نقیب جابجا پھیلے ہوئے تھے۔ حدیثیں وضع کرتے تھے۔ اور ظاہر کرتے تھے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بھی خلافت عباس کے خواہاں تھے ✤

حضرت عباس کے کئی صاحبزادے تھے۔ لیکن ان سب میں حضرت عبداللہ اپنی بے نظیر قابلیت کی وجہ سے اس درجہ ممتاز تھے کہ حضرت فاروق اعظمؓ باوجود کبرسنی کے تعظیم فرماتے تھے۔ اکثر احادیث نبوی کے ابن عباس راوی ہیں۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ قرآن شریف کے پہلے مفسر وہی ہیں ✤

حضرت عبداللہ ابن عباس کے بیٹے علیؓ تھے۔ علیؓ نے امیہ کے برخلاف علویین اور فاطمیہ کی رفاقت اختیار کی۔ محمد ابن علیؓ عباسی کو عبداللہ علوی نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس وقت سے پہلے عباسیہ کو کبھی خلافت کا خیال تک نہیں آیا۔ محمد ابن علی نے جو حضرت عباس کے پڑپوتے تھے۔ علم خلافت بلند کیا۔ اس وقت امیہ میں ہشام ابن عبدالملک بادشاہ تھا۔ محمد ابن علیؓ عباسی کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۲۶ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اپنے بیٹے ابراہیم کو جانشین کرگئے۔ ابراہیم کا حامی ابومسلم خراسانی تھا۔ اس وقت مروان الحمار آخیری فرمانروا اُمیہ تخت نشیں تھا۔ اگرچہ ابراہیم مقید ہوکر قتل ہوگئے۔ لیکن خاندان عباسیہ کو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں اور خاندان اُمیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ ابراہیم کا بھائی سفاح اول خلیفہ عباسی ہے ✤

سلطہ امیر معاویہ کے بعد یزید اور یزید کے بعد معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔ باپ کی حرکات سے سخت ناراض تھا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ خرابی ہے اسی بادشاہت میں ہے ۴۰ دن کے بعد خلافت سے دستبردار ہوگیا۔ اور کہا جسے مرضی ہو انتخاب کرلیں۔ اکثر دعویدار خلافت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں عبداللہ ابن زبیرؓ نے عراق۔ حجاز اور یمن و بصرہ پر قبضہ کرلیا۔ اور مکہ کو دارالخلافت قرار دیا۔ بنی امیہ سے مروان بن الحکم نے دمشق میں دعوے کیا۔ اور چند روز میں تمام شام اور مصر پر قابض ہوگیا۔ اس ابتری کے زمانہ میں آل عباسؓ کو بھی حوصلہ ہوا۔ لیکن مروان سب پر غالب آیا۔ اس کے بیٹے عبدالملک نے جس شان و شوکت سے حکومت کی اس کا نظیر نہیں۔ حجاج ثقفی اسی کا وزیر تھا۔ کہتے ہیں کہ پرلے درجہ کا بخیل تھا۔ اس لئے لوگ اسے رشح الحجارہ کہتے تھے۔ منہ سے ایسی بدبو آتی تھی کہ مکھی بھی نہ بیٹھتی۔ اس لئے ابوالزمان بھی کہتے تھے ✤

کابل، ایران، ترکستان و عرب، شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ داخل تھے
دولت اُمیہ کی بربادی کے باعث بنو ہاشم ہی تھے۔ جو شروع ہی سے اپنی کوششوں میں
سرگرم تھے اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اُٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام
کے پرزور ہاتھوں نے سلطنت کو خطرے سے بچا لیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر
تزلزل پیدا ہو گیا اور جب اس عظمت اور اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا
ڈھنچر ڈھیلا پڑ گیا۔

اس وقت تک خلافت کی کوششیں صرف سادات اور علویین کی طرف سے ہوتی رہیں۔
عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علویین میں سے عبداللہ جو
محمد بن حنیفہ کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے پوتے تھے۔ اپنے پیروؤں کی ایک تعداد کثیر رکھتے
تھے۔ اور خراسان اور ایران میں جا بجا اُن کے خفیہ نقیب مقرر تھے۔ ۱۰۰ھ میں اُن کو زہر دیا
گیا۔ اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اس وقت کوئی صاحب اثر شخص تھا۔
اس لئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس کے پڑپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے اس طرح علویین
کی مجتمع قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہو گئی۔ گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی بنیاد
کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے۔ ۱۰۲ھ تک اُن کی طرف سے
تمام کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی اُمیہ پر اُن کی سازش کھل گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔

بنی اُمیہ کے زوال کا باعث ایک یہ بھی تھا کہ نومسلم غیر عرب حاکم بنائے گئے۔ اس سے عربی
نظام قومی کا شیرازہ جس پر خلفا کی جنگی طاقت کا انحصار تھا بکھر گیا۔ اور دلوں میں کدورت بیٹھ گئی۔
نومسلم عربی طرز حکومت سے بالکل ناواقف تھے اور نہ اُن سے تالیف قلوب ہو سکتی تھی۔ یہ نومسلم اُنہی
آتش پرستوں کی اولاد تھے جن پر کسریٰ حکمراں تھا۔ اور جن کے آتشکدوں کی آگ فاروق اعظمؓ
بجھا چکا تھا۔ ایرانیوں نے اسلام بہ طیب خاطر قبول کیا لیکن آبائی رسوم ابھی تک پابند تھے اس کے
ساتھ ملکی آب و ہوا کی تاثیر نے بھی قدرتی رنگ آمیزی کی۔ خلافت کے جھگڑوں میں اُن کا بہت
کچھ دخل ہو چکا تھا۔ چونکہ اہلبیت سے محبت کا دعوےٰ تھا۔ اس لئے بنو ہاشم کے ساتھ دلی ہمدردی تھی

اور شاید اسی بھروسہ پر حضرت علیؓ نے مدینہ کی جگہ کوفہ کو دار الخلافت بنایا لیکن اس قوم میں وفا کا مادہ موجود نہ تھا حضرت علیؓ کے ساتھ جو سلوک ہوا وہی بنی اُمیہ کے پیش آیا۔

ابتدا میں ایرانیوں کا خلافت کے جھگڑوں میں دخل دینا اور کسی نہ کسی فریق کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنا صرف مصلحت وقت اور پولٹیکل معاملات کی وجہ سے تھا لیکن رفتہ رفتہ انہی خیالات نے مذہبی پیرایہ اختیار کر لیا۔ اور امامت اور خلافت کے حقوق وغیرہ پر اس مذہب کی بنیاد پڑی۔ خلافت کے جھگڑے بدستور چلے آتے تھے۔ اور آئے دن ایک نہ ایک دعویدار خلافت کھڑا ہو جاتا۔ بنی اُمیہ اس وقت بالاستقلال حکومت کر رہے تھے۔ مگر بنی فاطمہ اور علوی اور عباسی ایک دوسرے کے برخلاف اور بعض اوقات متفقہ طاقت کے ساتھ موجودہ حکومت کی بیخ کنی میں جان توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ اہلبیت کے جان نثار اُن کی امداد کے واسطے ہر وقت تیار رہتے۔ بنو ہاشم کی کامیابی کی وجہ اُن کے نقیب تھے جو جابجا ممالک اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور مطلب برآری کے واسطے احادیث وضع کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے[۱]۔ خوش اعتقاد آدمیوں کو اپنے دام میں لانے کے واسطے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے۔ مختلف خاندانوں کی تعریف و توصیف اور علو مرتبہ کے متعلق جس قدر احادیث موجود ہیں قریباً سب کی سب اس زمانہ کی موضوع ہیں۔ نقیب پرزور فصیح و بلیغ خطبوں میں اس قسم کی احادیث بیان کرتے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد فلاں حلیہ اور فلاں خاندان وغیرہ وغیرہ میں سے ایک شخص

[۱] امام بخاریؒ نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جمع کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جن میں سے کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ اس زمانہ میں سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں۔ عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اس کے موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے۔ جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کے ثقہ اور تورع وزہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پا گئیں۔

پیدا ہوگا وہی خلیفہ برحق ہے۔ نقیب اُس شخص کا حلیہ اور خاندان بتاتے جس کی طرف سے وہ اس کام پر متعین تھے۔ چنانچہ لوگ مہدی کے انتظار میں بیتاب ہورہے تھے۔ اور ہر ایک جگہ اُن کی تلاش تھی۔ ایسے مہدی اُنھیں بہت ملے۔ اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر بنی اُمیہ کے برخلاف بہت دفعہ لڑائیاں ہوئیں اور اکثر دفعہ ناکامیابی اور مایوسی کا منہ دیکھا۔ کیونکہ ہر ایک جنگ میں مہدی کام آتا۔ لیکن اُس کی جگہ دوسرا جانشین تلاش سے فوراً مل جاتا۔ اگرچہ اس قسم کی کارروائیاں علویین اور فاطمیہ نے بھی کیں اور ہمیشہ ناکامیاب رہے۔ لیکن اس کا نتیجہ اتنا ضرور ہوا کہ خاندان اُمیہ بزوال تھا۔ اور ان خانہ جنگیوں سے عباسیئے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا۔

سنہ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی عباسی کا انتقال ہوگیا۔ اور اُن کے بیٹے ابراہیم امام باپ کی جگہ جانشین ہوئے۔ امام ابراہیم کی کامیابی کا باعث ایک شخص ابو مسلم خراسانی تھا۔ اس شخص میں فہم و فراست کے علاوہ ایک بہادر سپاہی کے جوہر بھی موجود تھے۔

یہ اولوالعزم بزرجمہر کی اولاد سے تھا۔ امام صاحب نے اسے اپنا نائب مقرر کرکے خراسان کو بھیجا۔ ابو مسلم کو خاندان عباسیہ سے دلی ہمدردی تھی۔ اس نے عباسیہ کی طرف سے سینکڑوں نقیب جابجا پھیلا دیئے۔ طرفداران آل عباس کے واسطے خاص امتیازی نشان سیاہ لباس مقرر کیا گیا۔ اوّل اوّل تو خفیہ سازشوں سے کام لیا۔ آخر ۲۵۔ ماہ رمضان سنہ ۱۲۹ھ شب پنجشنبہ عام بغاوت کی تاریخ مقرر کی۔ کہ حامیان آل عباس جہاں جہاں ہوں اُٹھ کھڑے ہوں۔ ابو مسلم نے کافی جمعیت بہم پہنچا لی تھی۔ تاریخ مقررہ پر سیاہ پوش سوار و پیادہ رات کے پردے میں اُٹھے۔ اور قتل و غارت کا عام بازار گرم ہوگیا۔

لیکن اس سازش کا حال خلیفہ وقت مروان الحمار پر کھل گیا تھا۔ فوراً عامل بلقاء کے نام حکم لکھا کہ ابراہیم کو قید کرکے بھیجدو۔ امام ابراہیم کے ساتھ اس وقت جمعیت بہت کم تھی۔ ان کے طرفدار ابو مسلم کے ماتحت خراسان کی تسخیر میں مصروف تھے۔ اِس لئے

امام صاحب بغیر کسی وقت کے قید ہو گئے قتل یقینی امر تھا۔ اس لئے وصیت کی کہ میرے بعد میرا بھائی عبداللہ جانشین ہے۔ امام ابراہیم تو قتل کئے گئے۔ لیکن ابوالعباس عبداللہ کوفہ میں خلیفہ مشتہر کئے گئے۔ ادھر ابومسلم افواج امیہ کو پے در پے شکستیں دیکر ایران پر بڑھ رہا تھا۔ مروان نے ایک لشکر جرار مقابلہ کے واسطے بھیجا۔ ابوالعباس عبداللہ نے اپنے چچا محمد ابن علی کو مروان کی طرف بھیجا۔ مقام زاب پر ایک سخت خونریز جنگ ہوا۔ مروان بڑی بہادری سے لڑا لیکن شکست کھائی۔ اور مصر کی طرف بھاگ گیا۔ چند روز ادھر اُدھر پھرتا رہا آخر گرفتار ہو کر ۱۳۲ھ میں دریائے نیل کے کنارے مقام ذات السلاسل پر قتل ہوا۔ مروان الحمار کے ساتھ خاندان امیہ کا چراغ شام میں گل ہو گیا۔

ابوالعباس عبداللہ جو تاریخ کے صفحوں پر "سفاح" کے مہیب نام سے مشہور ہے خاندان عباسیہ کا پہلا بادشاہ ہوا۔ یہ شخص پانچویں پشت میں حضرت عباسؓ (آنحضرت کے عم بزرگوار) کا پوتا تھا۔ سفاک (سفاح) نے جو ظلم و ستم کئے وہ اُن واقعات کے بہت مشابہ ہیں جو میدان کربلا میں اہلبیت کے پیش آئے۔ خونخوار سفاح نے اُمیہ کے خون سے خوب ہاتھ رنگے۔ خاص دمشق میں ستر سر گروہ بنی اُمیہ کے دعوت کے بہانے طلب کئے گئے۔ اور محمد بن علی کے سامنے ایک حمام میں لاٹھیوں اور گرزوں سے مارے گئے۔ اور اُسی وقت اُن کی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر سب نے کھانا کھایا[1]۔ اس کے بعد خاندان امیہ میں سے جہاں جو ملا قتل ہوا۔ صرف ایک شخص عبدالرحمٰن نام خونریز سفاح کے ہاتھ سے بچا۔ یہ خوبصورت نوجوان افریقیہ کی طرف بھاگا۔ اس کا تعاقب نہایت سرگرمی سے کیا گیا۔ لیکن قضا و قدر نے فیصلہ کر دیا تھا۔ کہ یہ شخص ہسپانیہ میں پھر سلطنت اُمیہ قائم کریگا۔ جس کی عظمت و شان کو عباسی رشک کی نگاہ سے دیکھینگے مگر کچھ نہ کر سکینگے۔ سفاح نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ

---

[1] مقتولین میں سے اگر کسی سسکتے ہوئے آدمی کی ایک آدھ سانس کی آواز آجاتی تھی تو اُس پر خوب قہقہے لگاتے اور تمسخر کرتے۔

اُمیہ کا کوئی بچہ بھی زندہ نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل خاطر خواہ ہوئی۔ جتنے کہ خلفائے
بنی اُمیہ یعنی امیر معاویہ، یزید، عبدالملک، ہشام، کی قبریں اُکھڑوا ڈالیں اور
اگر ایک ہڈی بھی ثابت ملگئی تو آگ میں جلادی۔ سفاح نے چار برس صرف
خونریزی ہی میں بسر کئے۔ ۱۳۶ھ میں بعارضہ چیچک فوت ہوا۔ اس کے بعد اُس کا
بھائی ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا ۔

نیا خاندان اور نیا دارالحکومت، تو لابد امر تھا۔ مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے کوفہ
اور کوفہ سے دمشق، ایک سو بیس برس میں دارالحکومت ہوئے۔ اب عباسیہ کا
زمانہ آیا۔ تو نئے پایۂ تخت کی فکر ہوئی۔ دمشق تو کسی طرح موزوں نہ تھا۔ کیونکہ ابھی
تک اُمیہ کی حکومت کی تاثیر اس میں باقی تھی۔ دوسرے ایران و خراسان سے
جو طاقت عباسیہ کا سرچشمہ تھے بہت دور تھا۔ تیسرے قسطنطین کی حدود سے
بہت نزدیک تھا۔ (اگرچہ اُمیہ کے وقت یہی قرب مفید تھا لیکن خانہ جنگی کی وجہ
سے کچھ اور ہی صورت پیدا ہوگئی۔ بحر اسلام نے اپنا رُخ یورپ کی طرف سے
پھیر لیا۔ اور وسط ایشیا کی جانب بہ نکلا۔ اگر امیہ ہسپانیہ اور عباسیہ میں اتحاد قائم
رہتا۔ تو کچھ شک نہیں کہ تمام یورپ اسی رَو کی لپیٹ میں آچکا ہوتا) دمشق
سطح مرتفع پر واقع تھا اور اُس کا رُخ بحیرۂ روم کی طرف جانب مغرب تھا۔ لیکن
نئے دارالحکومت کے واسطے یہ ضروری تھا کہ مشرق کے رُخ فارس کے نزدیک ہو
اور بلحاظ تجارت کے بحری آمد و رفت کا بھی خیال تھا۔ اس لئے دریائے فرات
اور دجلہ کے کناروں سے کوئی بہتر موقع نہ تھا ۔

عربوں نے عراق کو فتح کر کے اس جگہ بصرہ اور کوفہ کی بنیاد ڈالی۔ بصرہ اور کوفہ
درحقیقت افواج عرب کی چھاؤنیاں تھیں۔ بصرہ دہانۂ دجلہ اور فرات پر اور کوفہ فرات
پر جہاں حجاز سے فارس کی طرف ایک تجارتی راستہ عراق کے زرخیز میدانوں سے
آتا تھا واقع تھا۔ جب کبھی سفاح کو قتل و غارت سے فرصت ملتی تو قصر ہاشمیہ میں
رہائش اختیار کرتا تھا جو پرانے ایرانی شہر انبار کے پہلو میں دریائے فرات

کے مشرقی کنارہ پر اور اس شہر کے متصل جو بعد میں شہر عیسےٰ کہلائی اور دریائے دجلہ کی طرف ایک شاخ میں بہتی تھی) واقع تھا۔ اسی قصر ہاشمیہ میں سفاح کا انتقال ہوا۔ اُس کے بھائی اور جانشین خلیفہ منصور نے اس کے بالمقابل ایک قصر اسی نام کا تعمیر کیا۔ بعض اقوال کے بموجب یہ قصر ہاشمیہ ثانی ایک قصبہ تھا جو پرانے ایرانی شہر "حیرہ" اور کوفہ کے درمیان واقع تھا۔ یعنی اس کا رُخ دریائے فرات کے غربی جانب تھا۔ دیگر اقوال کے مطابق ہاشمیہ منصور مدینہ ابن ہبیرہ کے قریب جو کوفہ کے متصل تھا واقع تھا ؞

ہاشمیہ خواہ کہیں واقع تھا اس کی نسبت اس سے زیادہ تحقیق بیفائدہ ہے۔ کیونکہ خلیفہ منصور نے اُسے بہت جلد چھوڑ دیا۔ وجہ یہ کہ دارالخلافت کے واسطے کسی طرح موزوں نہ تھا۔ کوفہ جہاں ایرانی نژاد شیعہ اور عربی سنیوں کے درمیان اکثر تلوار چلا کرتی تھی اس کے بہت ہی نزدیک تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خلیفہ منصور کو ہاشمیہ سے دلی نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اگرچہ شجرہ امیہ کا بیخ و بن سے اُکھڑ گیا تھا۔ لیکن ابھی تک علوی اور فاطمی دعویدار خلافت موجود تھے۔ اس لئے اُن کی بغاوتوں سے بھی ہنگامے برپا رہتے تھے۔ منصور نے ایک بغاوت کو انہی ایرانی طرفداران آل عباس کی امداد سے فرو کیا۔ مگر حضرات شیعہ کو خلیفہ سے اس قدر محبت قلبی پیدا ہو گئی تھی کہ اسے بمنزلہ خدا کے سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن خلیفہ کی پرستش کے لئے قصر ہاشمیہ کے گرد جمع ہوئے۔ خلیفہ کو سخت غصہ آیا۔ اور اُنہیں اس ناشائستہ حرکت سے باز رکھنا چاہا۔ مگر بندگان خدا کب مانتے تھے۔ محافظین قصر پر حملہ کیا۔ اور خود اُن کے خدا کو اپنے بندوں کے ہاتھوں سے جان بچانی مشکل ہو گئی۔ درحقیقت منصور ایسے خوفناک اشخاص کی ہمسائیگی میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور باتیں بھی تھیں۔ جو ہر وقت منصور کے دل میں کھٹکتی تھیں۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کوفیوں نے حضرت علی اور اُن کی اولاد کے ساتھ کیا کچھ سلوک کیا تھا اس لئے وہ کبھی ان پر اعتبار نہ کر سکتا تھا ؞

معلوم ہوتا ہے کہ منصور میں وہ سب صفتیں موجود تھیں۔ جو ایک لائق مدبر حکمراں میں ضروری ہیں۔ اپنے بھائی سفاح کے ساتھ ہر ایک معرکہ میں موجود تھا۔ اس لئے فنون جنگ کے علاوہ اس امر کا بھی تجربہ ہو گیا تھا کہ زمانہ کس روش پر چل رہا ہے اور یہ کہ عوام الناس کے خیالات علویین اور دیگر خاندانوں کی نسبت کیا کچھ ہیں منصور درحقیقت ایک اولوالعزم بادشاہ تھا۔ جو مشکلات ایک عظیم الشان سلطنت کے قائم کرنے میں پیش آتی ہیں اُسے اچھی طرح معلوم تھیں۔ اُن کے رفع کرنے کی تجویزیں بھی اُس نے خوب سوچ لی تھیں۔ بنو ہاشم کی ناکامیابیوں اور اُمیہ کی ترقی اور پھر تنزل کی تاریخ اُسے معلوم تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اقوام غیر عرب کی مداخلت کی وجہ سے اس قدر فتنے اور فساد برپا ہوئے ہیں۔ اور درحقیقت خلفا کی طاقت کا انحصار عرب پر ہونا چاہئے۔ بنی اُمیہ کی کامیابی اور بنو ہاشم کی شکست کا باعث صرف یہی تھا۔ کہ اول الذکر کے حامی عرب تھے اور موخر الذکر کے معاون اقوام غیر عرب۔ بھائی کی نیابت اور اپنی خلافت میں اُس نے دیکھ لیا تھا کہ عربی ایرانیوں کا اقتدار کبھی پسند نہیں کرینگے اس لئے سب سے پہلا کام اُس نے یہی کیا کہ ایرانی طاقت کو کم کر دیا۔ اگرچہ ابومسلم خراسانی کی خدمات اس قابل تھیں کہ منصور اُس کی ہمیشہ قدر کرتا۔ لیکن ابومسلم کی موجودگی میں غیر عرب روز بروز زور پکڑ رہے تھے۔ اور عربی عباسیہ سے متنفر ہوتے جاتے تھے منصور کو سلطنت عباسیہ کے قیام و استحکام کا خیال تھا۔ اس لئے بتقاضا سے مصلحت ملکی اُس کے قتل کے درپے ہوا۔ لیکن ابومسلم اس قدر زور پکڑ گیا تھا کہ یہ کام بھی آسان نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ابومسلم کو خلیفہ کی سازشوں کا حال کھل گیا۔ تین ہزار کی جمعیت سے منصور کا مقابلہ کیا۔ منصور نے اپنی عربی فوج کو سامنے کیا جس نے اس موقع پر ثابت کر دیا۔ کہ اعتماد کے قابل اُس کے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ ابومسلم مع اپنے ہواخواہوں کے میدان جنگ میں کام آیا۔ دوسرا کام خلیفہ نے یہ کیا کہ کہ علویین کے زور کو توڑا جو عرب سے شیر و شکر ہو رہے تھے اور اب تک عباسیہ کے ساتھ بھی اُن کا اتحاد تھا۔ علویین کو عباسیوں سے علیحدہ کرنا ابومسلم کے قتل سے کہیں زیادہ

مشکل کام تھا۔ اس لئے اپنے مدعا کے حاصل کرنے کے واسطے اس نے "سفاح" کا نام پھر زندہ کر دیا۔ خونریزی کے ساتھ اس نے نہایت سختی سے کام لیا۔ اگرچہ علم و ہنر کا شائق تھا۔ مگر اس وقت ان تمام علما کو جن کی نسبت یہ شبہ ہوا۔ کہ علویین سے سازش رکھتے ہیں۔ کسی نہ کسی بہانہ سے قتل کیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کو بھی اسی شبہ پر زہر دلوایا۔ منصور کو اپنے ارادوں میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن اگر اس کے دامن پر سادات اور علما کے خون کے داغ نہ ہوتے۔ تو ہم اس کو اولوالعزم بانیانِ سلطنت کی فہرست میں جگہ دیکر ایک "ہیرو" کی حیثیت میں پیش کرتے۔

متذکرہ بالا واقعات سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ کس لئے منصور نے کوفہ اور اس کے نواح کو دار الخلافت کے لئے ناپسند کیا۔ اس لئے قدرتاً اس بات کی فکر تھی کہ پایہ حکومت کس جگہ ہو۔ منصور سرزمین حجاز میں بھی دار الخلافت قائم نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ مقبوضات سلطنت سے بہت دور تھا۔ صرف عراق ہی ایسی جگہ تھی جہاں پایہ خلافت ہر طرح موزوں تھا۔ اور عراق میں بھی دجلہ اور فرات کے کناروں سے کوئی بہتر جگہ نہ تھی۔ دونوں دریاؤں کے فوائد ظاہر تھے۔ بنا دار الخلافہ ایک زرخیز ملک کے مرکز میں ہوتا۔ اور کوفہ کی طرح ریگستان عرب کے کناروں پر نہ ہوتا۔ جس جگہ سے طوفان ریگ دریائے فرات کے مغربی کنارے تک گھٹتے۔ دریائے دجلہ اور فرات کی درمیانی مردہ زمینوں کو فرات سے نہریں کاٹ کر سیر حاصل بنا سکتے تھے۔ اور دجلہ کا پانی ان زمینوں کے کام آسکتا تھا جو اس کے بائیں طرف جانب ایران تھیں۔ اور اس طرح صحرائے عرب سے لے کر کردستان کی پہاڑیوں تک تمام زمین زرخیز ہو سکتی تھی۔ دجلہ اتصال فرات کے قریب تجارتی کشتیوں اور جہازوں کے واسطے کھلا تھا لیکن یہ سمجھنے کے لئے کہ منصور بنا دار الخلافت کس موزوں جگہ پر بنانا چاہتا تھا۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت دریائے دجلہ اور فرات موجودہ رخ پر نہیں بہتے تھے۔ فرات بابل کے کھنڈرات سے کچھ اوپر داہنی طرف بہتا تھا۔ اور کوفہ سے گذر کر ایک وسیع دلدل میں آتا۔ دریائے دجلہ "قوۃ الامارہ" کے پاس پہنچکر جنوب کی جانب رخ کرتا اور "واسط"

سے بیاہ شط الحی گذر کر اسی دلدل میں آ رہتا۔ اور آخر کار دونوں دریا ملکر بصرہ سے گذرتے ہوئے خلیج فارس میں آ گرتے ۔

منصور عراق کو پسند کر چکا تھا۔ اور اس میں دجلہ کے کناروں سے کوئی بہتر جگہ نہ تھی۔ اس لئے منصور نے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ دجلہ کے کناروں پر موصل تک ہر ایک جگہ کو اچھی طرح دیکھا۔ اول اول موصل کے نیچے ایک جگہ تجویز ہوئی۔ اس جگہ دجلہ "جبل حمرین" کو کاٹتا ہوا بہتا تھا۔ لیکن غلہ کی گرانی کے سبب یہ تجویز بھی متروک ہوئی۔ آخر کار ایک پرانا ایرانی دیہہ دجلہ کے مغربی کنارہ پر اور نہر صراۃ کے اوپر دار الخلافت کے واسطے انتخاب ہوا۔ اور ۱۴۵ھ میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے اس جگہ بغداد کے ساتھ خلافت عباسیہ کا بنیادی پتھر رکھا اسی لئے اسے "فاتحۃ الخلفاء" کہتے ہیں ۔

موجودہ زمانہ میں جو کچھ تحقیقات بابل کے کھنڈرات کے کھودنے سے ہوئی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دیہہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا۔ اس جگہ سے جو پرانی اینٹیں برآمد ہوئی ہیں اُن پر بخت نصر کا نام اور لقب کندہ ہے۔ اور یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ ممالک شام کے پرانے جغرافیوں میں بغداد کے بہت مشابہ ایک نام ملتا ہے جو غالباً اسی جگہ کا نام ہوگا جہاں خلفائے عباسیہ کا دار الخلافت تھا ۔

یہ تحقیق صحیح ہو یا غلط لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ لفظ بغداد فارسی ہے۔ عربی مورخ اور جغرافیہ داں اس کی مختلف وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں :-

"باغ" ایک عام فارسی لفظ ہے اور "داد" یا "دادویہ" ایک اسم معرفہ ہے۔ اس طرح بغداد کے معنی "داد کا باغ" ہونگے۔ یا "باغ" ایک بت کا نام ہے اور "داد" بمعنی عطیہ و بخشش۔ اس طرح بغداد کے معنی "باغ کا عطیہ" ہونگے۔ عربی مورخ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ شہر کے معنی بت پرستی پر محمول تھے اس لئے خلیفہ نے اس کا نام "مدینۃ السلام" رکھا۔ سرکاری دفاتر میں اسی نام کا استعمال تھا۔ لیکن زبان خلائق پرانا بغداد ہی رہا۔ اور مدینۃ السلام صرف خلفائے عباسیہ کی ٹکسال تک ہی محدود رہا

جیساکہ اُن کے سِکّوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ عربی لغاتِ جغرافیہ میں بغداد کے مختلف ہجے لکھے گئے ہیں۔ غالباً یا تو یہ معرب ہیں یا مفرس یعنی بغدادہ، بغدان، مغداد، مغدادہ، مغدان۔ خلیفہ امین کے عہد میں بغداد کے محاصرہ اور تباہی پر جو مرثئے لکھے ہیں۔ اُن میں سے ایک طبری نقل کرتا ہے اُس کے آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام میں اسے "بغدادہ" کہتے تھے اور مسلمانوں کے زمانہ میں "بغداد" مشہور ہوا۔ طبری لکھتا ہے کہ "موجودہ زمانہ میں یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اگر بغداد پھر بغدادہ بن جاوے" ؂

فاضل مصنفین لماسون اور الیراکہ کی رائے سے ہم متفق نہیں کہ "بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت غالباً زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اُس کے قریب نوشیرواں کا ایک باغ تھا جہاں بیٹھ کر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ "باغ داد" یعنی "انصاف کا باغ مشہور ہو گیا" اول تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس جگہ نوشیرواں کا کوئی باغ تھا۔ دوسرے "قریب" کے معنی ہم سمجھ نہیں سکتے کہ ایک خاص جگہ کا نام جو ایک باغ کے قریب کے کس طرح اُس کی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے۔ خلیفہ منصور نے جس وقت بغداد کو دار الخلافت کے واسطے انتخاب کیا اُس وقت یہ معمولی دیہ تھا۔ ممکن نہیں کہ نوشیرواں کی اس جگہ عدالت ہو۔ اور بغداد ایک گمنامی کی حالت میں رہتا۔ نوشیرواں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہمعصر تھا۔ ظاہر ہے کہ منصور اور نوشیرواں کے عہد میں اس قدر عرصہ دراز بھی نہیں کہ بغداد کی بے رونقی کی وجہ ہو ؂

لیکن جہاں تک ہم نے غور کیا ہے بغداد کی وجہ تسمیہ بالتحقیق معلوم نہیں۔ البتہ قرین قیاس یہی ہے کہ "باغ" یا "داد" کسی بت کا نام تھا۔ لیکن یہ معنی اُس صورت میں ہو سکتے ہیں جب کہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ "بغداد" یا "بغدادہ" ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ "مغداد" یا "مغدادہ" ہو۔ اس صورت میں قیاس غالب ہے کہ اس جگہ کسی زمانہ میں کوئی آتشکدہ ہوگا۔ کیونکہ "مغ" آتش پرست کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اسے کسی آتش پرست نے جس کا نام "مغ" تھا آباد کیا ہو۔ کیونکہ "داد"

یا "وادہ" معنی بنیاد ڈالنے یا آباد کرنے کے بھی ہیں۔

بغداد کا نصف مغربی حصہ ایام اسلام میں "الزورا" یعنی "کج یا خمیدہ" بوجہ قطع مربع نہ ہونے کے کہلاتا تھا بعض اقوال کے بموجب بغداد کو "الزورا" اس وجہ سے کہتے تھے کہ دریائے دجلہ اس کے قریب ٹیڑھا ہو کر گذرتا تھا۔ اور مشرقی حصہ کو "الروحا" کہتے تھے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ یہ دونوں نام اس کے زمانہ میں عام لوگوں کی زبان پر تھے۔ بظاہر دونوں ناموں کی شکلیں عربی ہیں۔ لیکن اگر حمداللہ مستوفی کا بیان صحیح ہے تو یہ بھی کوئی پرانے فارسی نام ہیں۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ عربی بغداد کو مدینۃ السلام اور ایرانی "زورا" کہتے تھے۔

خاندان ساسانیاں کے آخری زمانہ میں اس جگہ ایک منڈی مہینے میں ایک دفعہ قائم ہوا کرتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ اول کے عہد میں خالدؓ سپہ سالار افواج اسلام نے "انبار" پر دریائے فرات کے کنارے خیمہ ایستادہ کئے ہوئے تھے۔ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ "سوق بغداد" پر منڈی کے موقع پر حملہ کیا اور غنیمت کا مال و اسباب لے کر لوٹ گئے۔ یہ واقعہ ۱۳ھ ۶۳۴ء کا ہے اس کے بعد بغداد کا تذکرہ پھر تاریخ کے صفحات پر خلیفہ منصور کے عہد تک نہیں ملتا۔

خلیفہ منصور دارالخلافت کے لئے موزوں جگہ تلاش کرتا ہوا اس جگہ پہنچا مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اس جگہ بہت سے دیر نسطوری فرقے کے تھے۔ راہبوں کی زبانی معلوم ہوا، کہ یہ زمین اُن تمام زمینوں سے جن کو دجلہ سیراب کرتا ہے بہتر ہے۔ نہ تو اس جگہ کبھی ٹڈی دل اور نہ مچھر وغیرہ دیکھے گئے ہیں۔ گرما میں راتیں سرد اور موسم سرما میں خوشگوار ہوتی ہیں۔ لیکن خلیفہ کو زیادہ تر ان فوائد کا خیال نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ اُسے مدنظر تھا وہ تاریخ بغداد سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ اس کی بالغ نظری پر دلیل ہے۔ بغداد کی حیثیت اُس وقت ایک غیر آباد گاؤں سے بڑھ کر نہ تھی۔ تارک الدنیا راہبوں نے شاید اسی وجہ سے اسے پسند کیا ہو۔ لیکن تھوڑے سے ہی عرصہ میں دجلہ کے کنارہ پر ایک عظیم الشان شہر جس کا نظیر دنیا میں

موجود نہ تھا۔ نمودار ہو گیا۔ گویا یہ ایک طلسمی کارخانہ تھا۔ لیکن اس کے استحکام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس جگہ خونریز جنگ ہوئے، محاصرے رہے، بعض خلفا اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن بغداد اُسی جگہ قائم تھا۔ اور موجودہ زمانہ میں بھی ترکی گورنر عراق بغداد ہی میں رہتا ہے۔ اور ہم بغداد ریلوے کے منتظر ہیں کہ پھر وہ زمانہ آئے کہ بغداد ایک دفعہ پھر ترقی کرے ؂

"طبری" بیان کرتا ہے کہ خلیفہ جس وقت راہبوں سے بغداد کے حالات دریافت کر رہا تھا۔ تو راہبوں نے کہا کہ "ہماری پرانی کتابوں میں ایک پیشگوئی لکھی ہوئی ہے کہ کسی زمانہ میں نہر فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان ایک شخص "مقلاص" نامی ایک شہر آباد کریگا"۔ خلیفہ نے کہا "واللہ! مقلاص، میں ہی ہوں" اور یہ ظاہر کیا کہ دایہ اس نام سے پکارا کرتی تھی۔ اصلی مقلاص تو ایک مشہور قزاق تھا، مگر منصور کا نام اس وجہ سے پڑ گیا کہ ایک دن دایہ کا کاتا ہوا دھاگا چرایا اور ریج کر دوستوں کی دعوت کی۔ دایہ کو جس وقت خبر ہوئی تو منصور کو مقلاص کہا کرتی ؂

عربی مورخ خصوصاً طبری اور مقدسی بغداد کی نسبت بلحاظ موزوں دارالخلافت کے بہت کچھ لکھتے ہیں۔ چنانچہ مجالس شورے میں جو کچھ تقریریں ہوئیں اور مشیروں نے اس جگہ کے فوائد بیان کئے وہ سب مفصل لکھے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

دارالخلافت کے ؛ اسلئے یہ جگہ بہت موزوں تھی۔ چار اضلاع بوق۔ کلواذہ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر، اور قطربل اور بادوریا مغربی کنارہ پر واقع تھے کھجوروں کے جھنڈ اور پانی کی افراط تھی۔ اگر کسی ایک ضلع میں گرانی غلہ ہو تو دوسرے سے امداد مل سکتی تھی۔ براہ نہر فرات و دریائے فرات غلہ کشتیوں میں بافراط آسکتا تھا۔ شہر شام سے کارواں اس جگہ بآسانی پہنچ سکتے تھے۔ اور دجلہ کے ذریعہ براہ موصل قسطنطنیہ کی اشیا بہم پہنچ سکتی تھیں۔ سمندر کے راستہ چینی برتن اور دیگر تجارتی مال و اسباب مختلف ممالک سے آسکتا تھا۔ دشمن کا گذر اس جگہ مشکل تھا کیونکہ سمندر اور دریا حائل تھے ؂

بابیلہ و اشور

العراق ایشیا کے نقشہ پر ایک ہی نظر سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس حصہ دنیا میں عراق بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں قدرتاً عظیم الشان شہنشاہت کا دارالحکومت ہونا چاہیئے۔ اور دنیا بھر میں یہی ایک ایسا مقام ہے جہاں تجارت جیسا کہ اس نے گزشتہ سے پیشتر بھی روز افزوں ترقی کر سکتی ہے۔ ایشیا کے مختلف سرسبز اور زرخیز ممالک سے یورپ اور ایشیا کے ملکوں میں تجارت کا قدرتی راستہ بھی عراق تھا۔ یہ ملک خود بھی انتہا درجہ کا زرخیز تھا۔ دریائے فرات اور دجلہ قدیم الایام سے ان کی زمینوں کو سیراب کر رہے تھے۔ حضرت نوح کے طوفان کے بعد دنیا میں سب سے بڑی سلطنت پہلے اسی جگہ قائم ہوئی۔ عرب، شام، مصر اسی سلطنت کے حدود میں واقع تھے۔ اس سلطنت کا بانی نمرود (بن کنعان بن حام بن حضرت نوح) تھا۔ قدرت نے جو یہاں عراق کو عطا کی ہوئی تھیں۔ ان کا ثبوت ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جن کا تذکرہ حضرت موسیٰ کی کتاب توریت میں کیا گیا۔ زمانہ نے ہزاروں رنگ بدلے۔ کئی ایک سلطنتیں برباد اور کئی ایک آباد ہوئیں۔ عراق پر طرح طرح کی بلائیں نازل ہوئیں۔ عرصہ دراز سے غارتگری اور خونریزی کا منظر رہا۔ لیکن اس پر بھی جب کبھی کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد پڑی تو سرزمین عراق میں ہی فرات یا دجلہ کے کنارے دارالحکومت کے واسطے منتخب ہوتے رہے۔ گویا حکومت اور دولت سرزمین عراق کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اسی امر کی خواہاں تھی کہ اسی جگہ مستقل رہائش کے سامان مہیا ہو جائیں۔ چنانچہ

جس کی سر بفلک کشیدہ دیواروں کی نسبت لکھا ہے کہ اٹھاون میل تک پھیلی گئی تھیں
اور دنیا میں نہایت ہی آباد اور مشہور شہر تھا۔ عراق ہی میں فرات کے کنارے سلطنت
سلطنت "اسیریا" (عصاریہ) کا دارالحکومت تھا۔ اس کے بعد بابل جو ایک نہایت
ہی عظیم الشان سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ عراق ہی میں دریائے فرات کے کناروں پر
واقع تھا۔ نینوا اور بابل کی بربادی کے بعد سلوسیا اس وسیع سلطنت کا پایہ تخت
تھا۔ جسے سکندر اعظم نے عمر بھر میں فتح کیا تھا۔ سکندر اعظم جس وقت دریائے ستلج کے
کناروں سے واپس آیا۔ اور ان وسیع مفتوح ممالک پر نظر کی جو دنیا کے مختلف
حصوں میں پھیلے ہوئے تھے تو قدرتاً اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ "یونان"
ان ممالک پر حکومت نہیں کر سکتا۔ ایسی جگہ جہاں تمام عالم پر حکومت ہو سکتی ہو۔
وہ دریں سکندر اعظم کو سوائے عراق کے اور کوئی نظر نہ آئی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ آئی
اسی جگہ فرات کے کناروں اور بابل کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر آباد کروں۔ مگر بابل وہ
شہر تھا جس پر خدا کا غضب نازل ہوا تھا۔ اور جس کی نسبت نبیوں نے پیشین گوئیاں کی
تھیں کہ برباد ہو کر پھر کبھی آباد نہ ہوگا۔ اگرچہ سکندر اعظم نے ایک نئے شہر کے بسانے کا
سب سامان جیسا کہ ایسے اولوالعزم شہنشاہ سے امید ہو سکتی ہے بہم پہنچایا۔ مگر ابھی کام
شروع بھی نہ ہوا تھا کہ اجل نے آ لیا۔ اور یونانیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آخر
جو شخص سکندر اعظم کا جانشین ہوا۔ وہ اسی کا ایک فوجی افسر تھا۔ یہی شخص سلوکس کے نام سے
مشہور ہے۔ بابل تو از سر نو آباد ہونے سے رہ گیا۔ اتنا ضرور ہوا کہ دریائے دجلہ کے
کنارہ پر ایک نیا شہر شاہ سلوکس نے اپنے نام پر "سلوسیا" آباد کیا۔ سلوسیا کی ویرانی
کے بعد اس کے قریب "مدائن" تعمیر ہوا۔ جہاں کسریٰ شہنشاہ موسم سرما بسر کیا کرتے تھے
تاریخ عراق کے مطالعہ سے حیرت پیدا ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے عراق کو زمین کیسا
بنایا تھا۔ کہ دنیا بھر کی دولت اس جگہ جمع تھی۔ عیش و عشرت کا ہر ایک سامان اسی
جگہ مہیا تھا۔ نیکی اور بدکاری کے بڑے سے بڑے نمونے اسی جگہ موجود تھے۔ اس
آبادی کو دنیا کا کوئی ملک کبھی نہیں پہنچا اور اس کی درد انگیز تباہی کی داستانیں بھی

مشہور و معروف تواریخی قصے ہیں جو ہم قدیم الایام سے سُنتے چلے آتے ہیں۔ عراق میں اب بھی اُن تواریخی واقعات کی یادگاریں موجود ہیں جو اولوالابصار کے واسطے عبرت کا سبق ہیں ؛

عراق میں نمرود، بخت نصر اور شداد سے بادشاہ ہوئے۔ جن کوتاہ بینوں نے اپنی چند روزہ شہنشاہتوں کو خداتعالے کے ملک سے اور اپنی فانی ہستی کو اللہ جلشانہٗ کی ذات پاک سے مقابلہ کیا۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ زمین کا مالک خدا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اُس کا وارث بنا دیتا ہے۔ نینوا اور بابل جن کی نسبت لکھا ہے کہ دنیا میں ایسے مضبوط شہر کبھی نہیں بنائے گئے، تباہ ہوئے۔ یہی دریاے فرات جو عراق کے حق میں رحمت ہے اُن کی تباہی کے وقت اس کی موجیں دشمنی پہ کمربستہ ہوگئیں ؛

نینوا کا دشمن نے محاصرہ ڈالا ہوا تھا۔ شہر کے ایک طرف سے تو آگ کے شعلے اُٹھتے تھے اور دوسری جانب دریاے فرات کا پانی بباعث طغیانی کے دیواروں کو گرا رہا تھا۔ ایک ہی وقت میں آگ اور پانی نے ملکر اس عظیم الشان شہر کو خاک میں ملا دیا ؛

بابل کی تباہی کی داستان نہایت دردناک ہے۔ یہ ایسا خوشنما شہر تھا جس کی تعریف مورخین نے بہت کچھ کی ہے۔ غالباً اس کا بانی تو نمرود ہی تھا مگر اس کی عظمت و شان کا زمانہ بہت دیر بعد شروع ہوا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں طوفان نوح کے بعد لوگ جمع ہوئے اور کہا آؤ ایک ایسا مینار بنائیں جو بادلوں کا جگر پھاڑتا ہوا آسمان سے باتیں کرے۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا ایسا مینار اس وقت تو نہ بن سکا لیکن زمانہ مابعد میں ایک عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافت بن گیا۔ "بعل" نے اسے وسعت دی اور ملکہ "سمیرمیس" نے اسے خوبصورت بنایا۔ بخت نصر کے زمانہ میں انتہاے عروج کو پہنچ گیا۔ دریاے فرات اس کے وسط میں بہتا تھا۔ شرقی اور غربی حصے میں آمد و رفت کا ذریعہ ایک مضبوط پُل تھا۔ اور یہ پُل عین شہر کے مرکز

ہیں تھا اس کے دونوں سروں پر دو قصر تھے۔ ما سوائے پُل کے دونوں محلات کے درمیان دریا کے نیچے ایک اور راستہ بھی تھا۔ پُرانا شہر فرات کے مشرقی کنارہ پر اور بخت نصر کا مغربی کنارہ پر تھا۔ تمام شہر مربع شکل کا تھا۔ جس کا ہر ایک ضلع پندرہ پندرہ میل کا تھا۔ مؤرخ ”ہیروڈوٹس“ نے بابل کو دیکھا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ شہر پناہ کا دَور ۴۸۰ فرلانگ اور ہر ایک ضلع ۱۲۰ فرلانگ تھا یعنی ہر ایک ضلع پندرہ میل اور دَور ساٹھ میل تھا۔ لیکن مختلف مورخین جنہوں نے مختلف اوقات میں بابل کو دیکھا کسی قدر کم و بیش عرض و طول وغیرہ بتاتے ہیں۔ بہرحال کم از کم موجودہ زمانہ کے شہر لنڈن سے آٹھ گنا بڑا تھا۔ موجودہ زمانہ میں یقین نہیں ہو سکتا کہ اس قدر وسیع شہر آباد تھا۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس شہر میں شاہی محلات تھے اور اُن کے متعلق باغات تھے، قلعے تھے، آٹھ میل کے طول میں ایک نہایت دلفریب خوشنما باغ تھا۔ جسے ”گلشن آویزاں“ کہتے تھے۔ اور جس کی صنعت اور ساخت پر موجودہ زمانہ کی سائنس کا سر چکراتا ہے۔ سطح زمین سے تین سو پچاس فٹ کی بلندی پر آٹھ میل کی وسعت میں ایک حیرت انگیز نظارہ تھا۔ شاید یہی شداد کا بہشت تھا۔ اور اسی خیال سے معلق بنایا گیا تھا کہ بہشت زمین پر نہیں بلکہ زمین سے اوپر ہے۔ سوائے اس کے سو دروازے ٹھوس پیتل کے تھے۔ جن سے اُتنی ہی سڑکیں ہر ایک ۱۵۱ فٹ چوڑی، شہر میں ۶۷۶ چوک بناتی ہوئی جاتی تھیں۔ شہر میں بت خانے تھے جن میں سے بُت خانہ بعل بہت مشہور تھا۔

بابل اور بغداد میں بہت کچھ مشابہت ہے۔ ابتدا میں بابل فرات کے مشرقی کنارہ پر اور بغداد دجلہ کے مغربی کنارہ پر تعمیر ہوا۔ عروج کے زمانہ میں دونوں شہروں کی آبادی دریاؤں کے دونوں کناروں پر پھیل گئی تھی۔ فرات اور دجلہ دونوں شہروں کو بہت فائدہ اور نقصان پہنچاتا رہا۔

بابل کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خانہ خراب طغیانی سے بچنے کے واسطے فرات سے دو نہریں کاٹ کر دجلہ سے ملا دی گئی تھیں تاکہ زائد پانی دجلہ میں

چلا جایا کرے ۔

غرض عراق کئی ایک ذی عظیم الشان شہنشاہوں اور اولوالعزم شہنشاہوں کا پایۂ تخت تھا ملکہ "بلقیس" بھی عراق ہی میں تھی ۔

دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس کے تاریخی واقعات ایسے نتیجہ خیز ہوں جتنے کہ عراق کے ہیں ۔ اور جو عظمت اور شان اس ملک کو حاصل تھی وہ کبھی کسی کو ہوئی ہو ۔ قدرت اور انسانی صنعت نے جو کچھ اس جگہ نظارے دکھائے تھے ۔ وہ کسی اور جگہ ہوں ۔

واقعی عراق قدیم الایام سے دولت و حشمت اور عزت کا منظر رہا ہے قادر مطلق خدا نے اپنے بندوں کو جن کے وہ تو اہل تھے دیا ۔ لیکن جب بندوں نے اپنے مالک کے حضور سرکشی کی ۔ اُن کی بدکاری حد سے بڑھ گئی ۔ تو رب الافواج کا قہر عراق پر پرواز ہوا ۔ فرات اور دجلہ کے پانیوں میں اسے غرق کر دیا ۔ اور آگ کو حکم دیا کہ اُس کے سونے چاندی کے قصروں کو خاک سیاہ کر دے ۔ اور ہمیشہ کے واسطے اُن کی حشمت و شوکت کو قبروں میں دفن کر دیا ۔ اور اُن کے چنگ و رباب کے ترانوں کو جھینگروں اور وحشی جانوروں کی ہولناک آوازوں میں بدل دیا ۔ آباد اور معمور شہروں کو حشرات الارض کا مسکن بنا دیا ۔ کہ آئندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہو ۔ نینوا ، بابل ، سلوقیا ، مدائن ، کے عروج کی داستانیں مشہور ہیں ۔ آج ہم بغداد کا قصہ سناتے ہیں ۔

واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہو گا کہ عراق کس پایہ کا ملک تھا اور خلیفہ منصور نے بغداد کے واسطے اسے کیوں منتخب کیا ۔

خلیفہ منصور نے ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) میں بغداد کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا اور اُس وقت قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی "ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ" (زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے) بابل موصل ۔ شام ۔ فارس سے کاریگر اور معمار بلوائے ۔ چنانچہ [illegible] عامل مقرر کیے

کہ عمارتیں اصول ہندسہ کے لحاظ سے تیار ہوں۔ ان پر ایک ایسے شخص کو افسر مقرر کیا
جو ذہانت مجسم تھا۔ یہ شخص امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ امام صاحب بحیثیت
چیف انجینئر کام کرتے تھے۔ جو کچھ انہوں نے اس موقع پر اختراع کی آج دنیا اس
سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک ایک کر کے
خشت شماری کا طریقہ متروک کیا اور اس کی جگہ گزوں سے پیمائش کر کے خشت شماری
کا طریقہ رائج کیا[1]۔

---

[1] افسوس ہے کہ ہم فاضل مصنفین سیرۃ النعمان اور البرامکہ سے متفق الرائے نہیں کہ "امام ابو حنیفہ کو خشت شماری کا ذلیل کام سپرد کیا گیا تھا"۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ خلیفہ منصور امام صاحب سے ناراض تھا۔ اور وہ اس لئے کہ کئی بار امام صاحب کو عہدہ قضا قبول کرنے کے واسطے نامزد کیا۔ لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں۔ منصور نے غصہ میں آکر کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا دعویٰ سچا ہے۔ کیونکہ جھوٹا شخص عہدہ قضا کے قابل نہیں ہوتا"۔

فاضل مصنف سیرۃ النعمان تحریر فرماتے ہیں "۱۴۶ھ ہجری میں خلیفہ نے بغداد میں پہنچکر امام صاحب کو کوفہ سے بلوایا تاکہ عہدہ قضا بغداد پر انہیں مقرر کریں۔ امام صاحب پیش ہوئے تو ربیع حاجب نے آپ کی بہت تعریف کی، یہاں تک کہا کہ آج اس شخص کا نظیر نہیں۔ لیکن امام صاحب نے عہدہ قضا سے صاف انکار کیا خلیفہ نے غصہ میں آکر قید کر دیا۔ اور آخر قید خانہ ہی میں ۱۵۰ھ ہجری میں زہر دلوا دیا۔

تاریخ سے ثابت ہے اور خود فاضل مصنف بھی یہی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۴۵ھ ہجری میں بغداد کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور امام صاحب کو خشت شماری کا ذلیل کام سپرد کیا گیا۔ مگر ناراضگی کی وجہ ۱۴۶ھ یعنی ایک سال بعد میں پیدا ہوئی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا کہیں۔ بغداد تو ابھی ظہور میں بھی نہ آیا تھا۔ امام صاحب کے واسطے قضا کا عہدہ کس جگہ کا تجویز ہوا۔

فاضل مصنف امام صاحب کے جواب کو "ایک منطقی لطیفہ" تحریر فرماتے ہیں۔ مگر ہماری رائے میں نرا لطیفہ ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ امام صاحب نے خشت شماری کا ایک نیا طریقہ رائج کیا۔ اور شاید مغالطہ بھی اسی وجہ سے ہوا ہو کہ "وہ خشت شماری کا ذلیل کام انہی کے سپرد تھا"۔

امام صاحب کے حالات زندگی فاضل مصنف نے نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور چونکہ آج ایک دنیا امام صاحب کے مذہب پر ہے۔ اس لئے اگر ناظرین امام صاحب کے مفصل حالات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں تو سیرۃ النعمان کا مطالعہ فرمادیں۔

ابھی تعمیر شروع ہی کی تھی کہ کام یک لخت بند ہوگیا۔ بیان ہو چکا ہے کہ عباسیہ کے خروج کے وقت عام حالت کیا تھی۔ اگرچہ اُمیہ کی طرف سے بےفکر ہوگئے تھے لیکن علویین اور فاطمی اُسی طرح اپنے دعاوی پر قائم تھے۔ اور وقتاً فوقتاً جب کچھ جمعیت بہم پہنچ جاتی مقابلہ کے واسطے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ سفاح اور منصور نے جس بیرحمی سے ان بغاوتوں کو فرو کیا اُسے سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن بن علیؓ (خلیفہ چہارم) کو جو حسن وجمال میں یوسف ثانی تھا قید کر کے زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ ۱۴۶ھ میں جبکہ منصور بغداد کی تعمیر شروع کر رہا تھا۔ محمد ابن عبداللہ بن حسن بن علیؓ (خلیفہ چہارم) نے جو نفس الذکیہ کہلاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں خروج کیا۔ اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی۔ بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتّٰی کہ امام مالک نے فتوے دیدیا کہ "منصور نے جبراً بیعت لی۔ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے"۔

منصور نے حمید ابن قحطبہ اور اپنے بھتیجے عیسےٰ ابن موسےٰ کو مقابلہ میں بھیجا۔ ماہ رمضان ۱۴۵ھ میں فریقین کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوا۔ نفس ذکیہ نے بہت کوشش کی اور مردانگی کی داد دی لیکن مع اپنے جاں نثاروں کے میدانِ کارزار میں کام آئے۔

لیکن منصور کو فتح و ظفر کی خبروں کے ساتھ یہ بھی اطلاع ہوئی کہ نفس ذکیہ کے بھائی ابراہیم[1] نے علم خلافت بلند کیا ہے۔ جس وقت منصور کو ابراہیم اور اُن کی جمعیت وغیرہ

---

[1] ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی اُن کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے (دیکھو سیرۃ النعمان) امام اعظم کی تائید کا حال یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے چار ہزار درہم ابراہیم کو بھیجے اور شریک جنگ نہ ہونے کی مجبوری ظاہر کی۔ غالباً اس وقت آپ بنی اسرائیل کی طرح فرعون کے قصر کی تعمیر میں مصروف تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم پر منصور نے مشتبہ ضرور کیا کہ اس بغاوت میں خفیہ امداد دیتے رہے لیکن کوئی ثبوت نہ تھا۔ مگر خوئے بد را بہانہ بسیار۔ اور تو کچھ نہ کیا امام صاحب کو مدینۃ المنصور سے باہر جانے کا حکم نہ تھا۔ یا تو دور اندیش منصور اُن سے شہر کے متعلق "بعض خدمات" کی توقع رکھتا تھا یا دینے ہی مصلحتاً کچھ نہ کہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ماہ رجب ۱۵۰ھ میں آپ کو زہر دیا گیا۔ آپ کے جنازہ پر پچاس ہزار آدمی تو اُسی وقت وفات کی خبر سنکر جمع ہو گئے اور ۲۰ روز تک لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ بغداد کی تعمیر سے دو تین برس میں کس قدر آبادی بڑھ گئی تھی۔

کا حال تحقیق ہوا تو سخت گھبرایا۔ بیٹے کو جو حجاز سے مظفر و منصور واپس آرہا تھا کہلا بھیجا کہ فوراً بصرہ کی خبر لو۔ ابراہیم نے بصرہ ہی سے خروج کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت منصور اس قدر مضطرب تھا کہ دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا۔ کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا ؛

منصور اس قدر بے چین ہو رہا تھا کہ بذات خود کوچ کرتا ہوا کوفہ میں آیا۔ درحقیقت اس وقت اس نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا۔ کیونکہ کوفہ ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے سادات کو برابر امداد ملتی رہی۔ اس جگہ پہنچ کر خلیفہ نے قرار واقعی بندوبست کیا ارادہ تھا کہ بصرہ کی طرف کوچ کرے کہ خبر ملی ابراہیم مارا گیا۔ منصور بغداد کی طرف واپس آیا۔ اس جگہ بیٹے اور ابن قحطبہ نے حاضر ہو کر فتح کی مبارک باد دی۔ اور انعام میں جاگیریں حاصل کیں۔ جن کا مفصل ذکر ہم آیندہ فصلوں میں کرینگے ؛

اس طرف سے فارغ ہو کر منصور نے پھر تعمیر شروع کر دی۔ ۱۴۶ھ / ۷۶۳ء میں بغداد کا اس قدر حصہ تعمیر ہو گیا کہ دفاتر سرکاری کوفہ سے اس جگہ منتقل ہوئے۔ چونکہ اس عرصہ میں کوئی حادثہ واقع نہ ہوا۔ اس لئے خلیفہ ہمہ تن اسی کام میں مصروف تھا تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ ایک لاکھ کاریگر کام پر لگا ہوا تھا۔ تین سال کے عرصہ یعنی ۱۴۹ھ / ۷۶۶ء کے اختتام پر خلیفہ منصور نے شہر کی تعمیر سے فراغت حاصل کی۔ بغداد کی صورت اس وقت ایک شیرخوار بچہ کی تھی۔ اس کے خط و خال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ عالم شباب میں اس کی کیا شکل ہو گی۔ اگرچہ منصور جس کے ہاتھوں سے اس کی پرورش ہو رہی تھی اس کی درازی عمر کے واسطے دعائیں مانگتا تھا مگر آیندہ قسمت کا حال کسے معلوم ہے۔ خلیفہ نے بغداد کا ڈھانچہ جو کچھ اس وقت کھڑا کیا وہ مدینۃ المنصور کہلاتا ہے ؛

مدینۃ المنصور بالکل دائرہ کی صورت میں تھا۔ یہ طرز تعمیر بالکل نئی تھی۔ اور دنیا

میں ایک ہی شہر تھا۔ جو اس وضع پر تعمیر کیا گیا۔ چونکہ خلیفہ کا قول تھا کہ "بادشاہ کو چاہیے کہ وہ شہر کے بیچ میں رہے تاکہ وہ ہر ایک سے برابر فاصلہ پر رہنا چاہیئے" اس لئے ماہران فن تعمیرات و علم ہندسہ نے (جن میں سے امام اعظم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے) پہلے ایک نقشہ تیار کیا (دیکھو نقشہ نمبر ۲) جو بالکل خلیفہ کی خواہش کے مطابق تھا۔ شہر دائرہ کی صورت میں دکھایا گیا تھا جس کا مرکز ایوان شاہی تھا۔ ماسوائے اس کے اور خوبیاں بھی تھیں جن کا ذکر ہم مفصل کرینگے ؁

مدینۃ المنصور تین دائروں میں منقسم تھا جن کا مرکز ایک ہی تھا اور یہ مرکز ایوان شاہی تھا۔ یہ تین دائرے تین دیواریں تھیں۔ ان دیواروں میں مساوی فاصلہ پر چار دروازے نصب کئے گئے تھے۔ بیرونی دیوار کے گرد ایک خندق کھودی گئی تھی ان دروازوں میں سے باب کوفہ (جنوب مغرب) اور باب بصرہ (جنوب مشرق) نہر فرات کے رخ تھے۔ اور باب خراسان (شمال مشرق) دریائے دجلہ کی جانب اور باب شام (شمال مغرب) سے ایک سڑک قصبہ انبار کو جاتی تھی۔ دروازوں کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا رخ کس کس طرف تھا۔ بیرونی شہر پناہ میں ہر ایک دروازہ ۲۵۰۰ گز کے فاصلہ پر تھا یعنی بیرونی دیوار تک قطر قریباً ۳۲۰۰ گز تھا[۵۱]۔ تیسری یعنی

۵۱؎ یہ پیمائش بلاذری۔ طبری اور یعقوبی کی تحریر کے مطابق ہے۔ دیگر مورخین کا اس پر بہت کچھ اختلاف ہے یاقوت لکھتا ہے کہ ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کا فاصلہ ایک عربی میل تھا۔ ایک عربی میل ۲۰۰۰ گز کے برابر ہے۔ اس سے یعقوبی کی تائید ہوتی ہے خطیب بیان کرتا ہے کہ خلیفہ منصور (۷۹-۸۹ / ۸۹۲-۹۰۲) مدینۃ المنصور کی حدود بتایا کرتا تھا کہ ہر ایک طرف دو دو عربی میل تک تھی۔ خطیب یہ بھی لکھتا ہے کہ باب خراسان سے باب کوفہ تک ۴۰۰ گز کا فاصلہ تھا۔ اور باب شام سے باب بصرہ تک ۳۰۰ گز۔ یہ روایت صریحاً غلط ہے اول تو اس کی تائید کوئی مورخ نہیں کرتا۔ دوسرے جو کچھ خوبی مدینۃ المنصور کی تھی سب زائل ہو جاتی ہے کیونکہ شہر کی تعمیر کے وقت زیادہ تر اسی امر کا لحاظ تھا کہ مساوات قائم رہے۔ اگرچہ دروازوں کے کم و بیش فاصلے سے ایوان شاہی سے مسافات میں فرق نہ آتا تھا مگر یہ خوبی کہ تینوں دیواروں کے دروازے ایک دوسرے پر کھلتے تھے۔ اور ایوان شاہی سے چاروں طرف انتہائے شہر تک نظر جاتی تھی زائل ہو جاتی ہے تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ شہر بالکل دائرہ کی صورت میں تھا۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح ہو تو شہر کی صورت بیضوی بنتی ہے۔ مگر خطیب دوسری جگہ لکھتا ہے کہ شہر کا قطر ۱۱۰۰ گز تھا اگرچہ یہ بھی غلط ہے ؁

اندرونی دیوار قریباً ۲۰۰۰ گز زمین کا محیط تھی۔ اس زمین پر ابتدا میں صرف ایوان شاہی اور جامع مسجد منصور تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ دیگر عمارتیں بھی تعمیر ہو گئیں اس دیوار[1] میں بھی اُسی طرح چار دروازے تھے جن سے چار سڑکیں ایوان شاہی سے جس کو قصر باب الذہب کہتے تھے۔ وسطی اور بیرونی دیواروں کے چاروں دروازوں سے نکل کر خندق کو عبور کرتی ہوئی جاتی تھیں ❖

اِن دیواروں کی تعمیر میں زیادہ تر خشت خام ہی استعمال میں آئی تھی۔ ان کا عرض طول معمولی اینٹوں سے بہت بڑا تھا۔ ان کی شکل صورت بھی مختلف تھی۔ بعض مکعب تھیں جو ہر ایک طرف ۱۸ انچ اور ۲۰۰ رطل وزن میں ہوتی۔ بعض مربع شکل کی تھیں ۹ انچ موٹی اور سطح پر ۱۸ انچ ۱۰۰ رطل وزن میں۔ اس امر کی تصدیق بخوبی ہو چکی ہے کہ یہ عجیب و غریب اینٹیں اس پیمانہ کی تھیں۔ ایک دفعہ جب مدینۃ المنصور کی دیوار کا کچھ حصہ گرایا گیا تو ایک اینٹ جس پر وزن ۱۱۷ رطل کندہ تھا۔ تولی گئی تو پوری اُتری ❖

وسطی دیوار بہ نسبت بیرونی دیوار کے اونچی تھی۔ درحقیقت یہی شہر پناہ تھی۔ بعض اقوال کے موجب یہ دیوار ۹۰ فٹ بلند تھی اور بنیاد پر اس کا عرض ۱۵۰ فٹ تھا۔ بلندی کی طرف بتدریج کم ہوتی ہوئی ۳۷½ فٹ عرض میں رہ جاتی تھی طبری کے بیان کے مطابق بیرونی دیوار بنیاد پر ۷۵ فٹ اور اُسی طرح ۹۰ فٹ کی بلندی پر ۳۰ فٹ عرض میں تھی[2] ❖

---

[1] مدینۃ المنصور کے تذکرہ میں کہتے ہیں کہ شہر کے گرد صرف دو دیواریں تھیں۔ اس دیوار کو شمار نہیں کرتے۔ اگرچہ تینوں دیواروں کا ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دیواریں درحقیقت شہر پناہ تھیں۔ اور یہ دیو[ر] صرف ایوان شاہی کی حفاظت کے واسطے کھینچی گئی تھی ❖

[2] خطیب وسطی دیواروں کے عرض و طول و بلندی میں اختلاف کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک بلندی ۵۲½ فٹ اور عرض ۳۰ فٹ تھا۔ لیکن یعقوبی کا بیان معتبر ہے مذکورہ بالا پیمائش اُسی کی تحریر کے مطابق ہے۔ ہم نے عربی ذرع کی بجائے فٹوں میں عرض طول وغیرہ لکھا ہے تاکہ بآسانی سمجھ میں آسکے۔ عربی ۲ ذرع = ۳ فٹ ❖

وسطی دیوار کے چاروں دروازے لوہے کے تھے۔ ان کی نسبت طبری عجیب غریب روایتیں لکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عراق میں ایک شہر زندورد نامی بسایا تھا۔ اسی شہر کے نزدیک خاندان امیہ کے عہد میں حجاج[1] ثقفی نے سنہ ۸۳ھ ۷۰۲ء میں شہر واسط آباد کیا۔ حضرت سلیمان کے حکم سے جنوں نے پانچ آہنی دروازے زندورد کے واسطے بنائے ان کی ساخت سے ہی ظاہر ہوتا تھا کہ انسانی ہاتھ کے بنے ہوئے نہیں۔ حجاج نے جب واسط کو آباد کیا تو زندورد سے یہ دروازے لا کر اس جگہ نصب کئے۔ یہ واقعہ سنہ ۸۳ھ ۷۰۲ء کا ہے۔ اس کے پچاس سال بعد منصور نے یہی آہنی دروازے بغداد کی دیواروں میں لگائے۔

طبری سنہ ۳۰۰ھ یعنی مدینۃ المنصور کی تعمیر سے ڈیڑھ سو سال بعد لکھتا ہے کہ یہ دروازے اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے چار تو وسطی دیوار میں اور پانچواں باب الذہب یعنی ایوان شاہی میں نصب کیا گیا۔ بیرونی دیوار میں چاروں دروازے مختلف وضع کے تھے۔ باب خراسان میں وہ دروازہ تھا جو شام سے لایا گیا تھا۔ باب کوفہ میں ایک دروازہ کوفہ کا تیار کردہ تھا۔ اسے خالد ابن عبداللہ نے بنایا تھا۔ اور باب شام میں بغداد کا تیار شدہ دروازہ نصب تھا مگر سب سے کمزور تھا۔ باب بصرہ کی نسبت معلوم نہیں کہ کیا اور کیسا دروازہ تھا۔

وسطی دیوار کے آہنی دروازے اجنوں نے تو نہ بنائے ہونگے۔ مگر ان کی ساخت سے اس بات کا شبہ ضرور ہوتا تھا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ

---

[1] حجاج ثقفی کا ظلم حاتم کی سخاوت سے کم مشہور نہیں۔ عبدالملک کا وزیر صاحب امارت تھا۔ اکثر عراق اور فارس پر حاکم رہا۔ کعبہ کی تعمیر اسی کے اہتمام سے ہوئی سنہ ۸۳ھ ۷۰۲ء میں شہر واسط اور سنہ ۹۴ھ میں شہر اردبیل آباد کیا۔ عرب میں کشتیوں پر رال کا روغن اسی نے لگایا۔ اور جو اب نہیں لوگوں کے ہاتھوں پر ان کے ذوران کی ولادت گاہ کے نام گدوائے۔ وہ پہلا شخص تھا جس کے دربار عالیشان میں ہزاروں کا دسترخوان اہل مجلس کے آگے چنا گیا۔ بے سقف قیدخانہ اسی کی ایجاد ہے اور مرد عورت سب کو ایک زنجیر میں اسی نے قید کیا۔ عبدالملک کے عہد میں اس کے اقبال کا دور تھا۔ آخر سنہ ۹۵ھ ۷۱۴ء میں ۵۴ برس کی عمر میں مر گیا۔ کہتے ہیں کہ آگ کی انگیٹھی سلگی ہوئی تھی اور آواز مہین تھی مگر تیغ ظلم ایسی دراز تھی کہ ایک لاکھ بیس ہزار صحابی اور عام مسلمان قتل کئے اسی شخص نے عبداللہ ابن زبیر کو مکہ میں سخت محاصرہ اور شدت کے بعد سنہ ۷۳ھ ۶۹۲ء میں پکڑ کر سولی دی۔

یہ دروازے خلیفہ منصور نے نہیں بنوائے تھے۔ کیونکہ اس کے اپنے تیار کردہ دروازے
جو بیرونی دیوار میں نصب کئے بہت بودے تھے۔ اور یہ تھے بھی پرانے۔ غالباً
خلیفہ انہیں واسط ہی سے لایا ہوگا۔ اور واسط کے واسطے انہیں حجاج نے
خود تیار نہیں کروایا تھا۔ اس لئے مجھے تعجب نہیں اگر ان کا تاریخی سلسلہ حضرت
سلیمان ع تک پہنچ جائے۔ یہ آہنی دروازے اس قدر بھاری تھے کہ بیسیوں
آدمی انہیں کھولنے اور بند کرنے کے وقت لگائے جاتے۔ ان کی بلندی وغیرہ
کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک اسوار نیزہ اٹھائے آسانی سے گذر سکتا
تھا۔ اور نیزہ کو نیچا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ وسطی
دیوار درحقیقت فصیل تھی۔ بیرونی دیوار کے دروازے بھی بودے تھے اور
عرض و بلندی میں بھی اس سے نصف تھے۔ خلیفہ نے دور اندیشی سے زیادہ تر
اس کی ہی مضبوطی کا خیال کر لیا تھا۔ کہ حملہ کے وقت اگر دشمن خندق کو عبور کر آیا
اور بیرونی دیوار پر قابض ہو گیا تو اس دیوار سے جو کہ بیرونی دیوار سے ۳۰ فٹ
بلند تھی تیروں اور آتش یونانی کی زد میں آ سکتا ہے۔

وسطی اور بیرونی دیوار کے ہر ایک دروازہ پر ایک ایک بالاخانہ بنا ہوا تھا
جسے مجلس کہا کرتے تھے۔ ان میں سے باب خراسان کے جھروکے میں خلیفہ اکثر
بیٹھا نظر آتا۔ باب خراسان کو ان دنوں میں "باب الدولہ" بھی کہتے تھے کیونکہ
دولت عباسیہ کا ستارۂ اقبال خراسان ہی سے طلوع ہوا تھا۔

مسعودی بیان کرتا ہے کہ خلیفہ منصور ایک دفعہ باب الدولہ کے جھروکہ میں
بیٹھا ہوا تھا کسی شخص نے ایک تیر مارا۔ تیر خلیفہ کے پاؤں کے قریب آ کر گرا۔ ایک
خط بندھا ہوا تھا جس میں چند سازشوں کا ذکر تھا۔ خلیفہ کو آگاہ کیا گیا تھا۔ کہ
ہوشیار رہے۔

بیرونی دیوار کے جھروکے دیوار سے دونوں طرف آگے بڑھے ہوئے تھے
باہر کی طرف خندق پر اپنا سایہ ڈالتے تھے۔ ان میں زیادہ تر خشت پختہ ہی سے

کام لیا گیا تھا۔

وسطی دیوار کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ عرض و طول و بلندی میں سب سے بڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس دیوار پر دمدمے اور برج بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں اور دمدموں پر سوار بھی جا سکتے تھے۔ ہر ایک جھروکے کے اوپر ایک ایک سبز رنگ کا گنبد تھا۔ سقف جس پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا اور نقش و نگار سے مرصع تھی۔ لکڑی کے ستون کے بل کھڑی تھی۔ یہ لکڑی ساگوان کی تھی۔ ہر ایک گنبد پر ایک ایک پرندے کی شکل بنی ہوئی تھی جس کے پروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت اس زمانہ میں اپنی وضع کی پہلی ہی تھی کیونکہ مورخین بیان کرتے ہیں کہ بلحاظ خوبصورتی اور طرز جدید کے اس کا نظیر دنیا میں نہ تھا۔ گنبد کے نیچے ایک ایک کمرہ ۸۰ فٹ چوڑا اور ۳۰ فٹ لمبا تھا۔

تینوں دیواروں کے درمیان میں دو سڑکیں تھیں۔ اس طرح ہر ایک دروازے کے سامنے ایک ایک چوک تھا۔ اندرونی اور وسطی دیواروں کا درمیانی فاصلہ ۱۵۰ گز کے قریب تھا۔ اور ہر ایک چوک ایک دروازے سے دوسرے دروازہ تک ایک میل طول میں تھا۔ ان دونوں دیواروں کے درمیانی فاصلہ پر مکانات بازار گلی کوچے بنے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان دونوں دیواروں کا فاصلہ بہ نسبت وسطی اور بیرونی دیوار کے فاصلہ کے کسی قدر کم تھا۔ لیکن آبادی اسی جگہ تھی اور باہر کی زمین خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ وسطی دیوار ہی درحقیقت شہر پناہ تھی۔ بیرونی دیوار اور اس کا درمیانی فاصلہ ارادتاً کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ وسطی اور اندرونی دروازوں میں سے سڑکیں چوک بناتی ہوئی جاتی تھیں۔ اور ہر ایک چوک میں مختلف گلیوں اور بازاروں کا راستہ کھلتا تھا۔ اس جگہ ابتدا میں مکانات صرف خلیفہ کے متعلقین اور ہوا خواہوں ہی کے تھے۔ جنہیں اس جگہ گھر بنانے کے واسطے زمین عطا ہوئی تھی۔ لیکن کسی شخص کو وسطی اور اندرونی دیوار کے ساتھ مکان بنانے کی اجازت نہ تھی۔ ان دیواروں

کے ساتھ ساتھ ½ ۱۲ گز عرض کی سڑکیں شہر کے گرد چلی گئی تھیں۔ ہر ایک گلی اور بازار کے سر پر دروازے نصب تھے۔ ہر ایک بازار اور گلی کوچہ کا نام کسی مشہور معروف شخص کے نام پر تھا۔ جو اس جگہ کسی عالیشان مکان میں رہتا یا کسی باغ کا مالک ہوتا ان ناموں کی ایک مفصل فہرست یعقوبی نے لکھی ہے مگر چونکہ صرف اسمائے معرفہ ہی ہیں۔ اس لئے اس جگہ اُن کا نقل کرنا بیفائدہ ہے۔ ان سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ مدینۃ المنصور کی مختلف جگہوں کے کیا کیا نام تھے۔ جنوب کی طرف اُن سڑکوں کے درمیان جو باب بصرہ اور کوفہ سے نکلتی تھیں منصور نے ایک محبس بنایا جسے "مطبق" کہتے تھے۔ خلیفہ متوکل کے عہد تک یہ عمارت مغربی، بغداد کا قیدخانہ تھی۔ اس کے قریب ہی ایک سڑک جاتی تھی۔ جو امام ابو حنیفہ کے نام پر مشہور تھی شہر کے بعض حصّے مختلف اور پیشوں کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ مثلاً باب بصرہ اور خراسان کے درمیان ایک بازار سقّوں کا مشہور تھا۔ اور اسی طرح ایک جگہ موذّنین کی کہلاتی تھی ؎

اندرونی دیوار کا محیط کوئی ۲۰۰۰ گز تھا۔ اس میں بھی بیرونی اور وسطی دیواروں کی طرح اور اُن کے مقابل چار دروازے تھے۔ شروع میں تو اس دیوار میں بہت دروازے تھے جو اتنی ہی جگہوں اور بازاروں کے راستوں پر کھلے ہوئے تھے لیکن خلیفہ منصور نے ان سب کو سوائے اول الذکر چار بڑے دروازوں کے بند کروا دیا۔ کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ اندرونی دیوار کے کسی دروازے میں سے سوار ہو کر داخل ہو۔ کیونکہ صرف خلیفہ ہی اس جگہ سوار ہو کر باب الذہب کی طرف جاتا تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ کا چچا عیسٰے ابن علی بوجہ بیماری کے بہت کمزور ہو گیا۔ عرض کی کہ دروازہ محل تک نصف میل کا سفر پا پیادہ نہیں کر سکتا۔ اجازت ہو تو گھوڑے یا خچر پر سوار ہو جایا کروں۔ خلیفہ نے کہا کہ پالکی پر آیا کرو۔ اُس نے جواب دیا کہ شرم آتی ہے کیونکہ یہ عورتوں کی سواری ہے۔ مگر خلیفہ نے اس سے زیادہ کچھ رعایت نہ کی داؤد ابن علی ایک اور چچا مرض نقرس (گنٹھیا) میں مبتلا تھا۔ اُسے بھی پالکی کے

ل؎ طبری، یعقوبی، خطیب اور یاقوت نے منقرسہ لکھا ہے مگر بعض مورخ مقطوعہ کہتے ہیں اس جگہ یہ لفظ بے معنی ہے ۱۲

سوائے کسی اور سواری کی اجازت نہ دی۔ اور اسی طرح ولی عہد سلطنت مہدی کا حال تھا۔ کہ جس وقت اندرونی دروازہ میں داخل ہوتا پالکی پر سوار ہو کر محل کی طرف آتا خلیفہ کا ایک اور چچا عبدالصمد نامی تھا۔ اُس نے بھی اس امر کی خواہش ظاہر کی۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر باب الدولہ سے ایک نہر باب الذہب کے تالاب تک لاؤ تو خچر پر سوار ہونے کی اجازت ہے۔ اور خچر بھی وہ جس پر سقے پانی کی مشکیں لے جایا کرتے ہیں۔ عبدالصمد ساج کی نالیوں کے ذریعہ خراسانی دروازہ سے پانی لایا۔ اور اُسے خچر کی سواری کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد خلیفہ اور نہریں محلات تک کھینچ کر اور دوسری نہروں سے لایا۔ چنانچہ پانی کی کثرت تھی کہ کسی موسم میں اس کے متعلق کسی فرد بشر کو شکایت نہ تھی ۔

ایک سیاح جو دجلہ کے مغربی کنارہ کی طرف سے مدینۃ المنصور کی سیر کو آنا چاہتا تھا۔ جو صورت دُور سے اُسے اس شہر کی نظر آتی وہ یہی گمان کرتا ہے کہ ایک عالیشان مضبوط قلعہ کی طرف جا رہا ہوں۔ جس کے سبز گنبد دیواروں سے اوپر اُٹھے ہوئے ہیں۔ اور جس کی دیواروں کے نیچے دریا کا پانی لہریں لیتا ہے۔ جوں جوں وہ نزدیک آتا اُسے قلعہ کی مضبوطی کا یقین ہوتا جاتا۔ وہ اُس کی وسعت پر جو چار میل تک تھی حیرت ہوتی۔ شہر میں داخل ہونے سے پیشتر وہ خندق پر آتا۔ خندق کو صاف پانی سے بھرا ہوا پاتا۔ پل پر کھڑا ہو کر وہ پانی میں اپنے عکس کو لہریں لیتا ہوا دیکھتا۔ اُسے ضرور حیرت ہوتی۔ کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے۔ کیونکہ بظاہر کوئی ذریعہ پانی کی آمد کا نظر نہ آتا۔ تحقیق کرنے پر اُسے معلوم ہو جاتا کہ یہ پانی زمین کے اندر ہی اندر نہر کو چھپ کے آتا ہے۔ پل پر کھڑے ہو کر وہ اُن مضبوط بندوں کو دیکھتا جو پانی کو دروازوں کی طرف جانے کو روکتے ہیں۔ پل سے گذر کر وہ چاروں دروازوں میں سے کسی ایک میں داخل ہوتا۔ اُس کی نگہ اگر کام کر سکتی تو دروازہ میں کھڑا ہو کر وہ دور افق میں قصر باب الذہب کو دیکھتا جو شہر کے عین مرکز میں ایوان شاہی تھا۔ بیرونی دیوار کے کسی دروازہ میں داخل ہو کر وہ سیدھا چلا جاتا حتےٰ کہ سطح

دیوار کے کسی دروازہ میں داخل ہوتا۔ جو کچھ وہ اپنے چاروں طرف دیکھتا اُس سے
اپنی غلطی کا یقین ہو جاتا کہ جسے اب تک وہ ایک قلعہ سمجھ رہا تھا در حقیقت ایک آباد
شہر ہے۔ کشادہ بازاروں میں دکانیں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں خرید و فروخت کا بازار
گرم ہے۔ آگے بڑھ کر اُسے عالیشان عمارتیں نظر آتی ہیں جس طرف وہ نظر اُٹھا کر
دیکھتا دیر تک اُسی طرف دیکھنا پڑتا۔ لیکن ابھی تک باب الذہب جو اُسے شروع
ہی میں نظر پڑا تھا اُس کے سامنے ہے سُورج کی کرنیں اُس کے سنہری دروازہ
پر پڑتی ہیں اور ایسا نظارہ پیش نظر ہے کہ اُس کا قدم اُسی طرف اُٹھتا ہے مسافر اپنے
سامنے ایک اور دیوار کو دیکھتا ہے دروازے سے گذر کر وہ اُس وقت دیوار کو اپنے
گرد ۲۰۰ گز کے محیط میں دیکھتا ہے۔ اس جگہ وہ کبھی جامع مسجد کو دیکھتا ہے۔ جو
ایوان شاہی کے پہلو میں ہے اور کبھی دارالسلام کی طرف نظر اُٹھاتا ہے اور کبھی اُن
محلات کو حیرت زدہ ہو کر دیکھتا ہے جس میں خلیفہ اور اُس کے متعلقین رہتے ہیں سرسری نظر
کے بعد جو کچھ اُسے ان عالیشان عمارتوں کی نسبت معلوم ہوتا ہے وہ ہم دوسری فصل
میں لکھتے ہیں ٭

فصل سوم

مدینۃ المنصور

مدینۃ المنصور کے عین وسط میں ایوان شاہی جسے "قصر باب الذہب" کہتے تھے۔ اور اس کے پہلو میں جامع مسجد منصور تھی۔ ان کے گرد سوا سے جانب "باب شام" خالی جگہ پڑی تھی۔ خلیفہ کا ارادہ تھا کہ اس جگہ صرف اس کے متعلقین اور شاہی افسروں کے مکانات ہوں۔ باب شام کی طرف دو اور عمارتیں تھیں۔ ان میں سے ایک میں تو شاہی گارد اور دوسری میں پولیس افسر رہتا تھا۔ لیکن جس وقت یعقوبی نے بغداد کے حالات لکھے ہیں اس وقت ان دونوں عمارتوں میں لوگ وقتاً فوقتاً نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور قصر اور مسجد کے گرد خلیفہ کے متعلقین اور دیگر فوجی افسروں اور امراء وزرا کے مکان تھے۔

قصر باب الذہب ۲۰۰ مربع گز رقبہ زمین پر واقع تھا۔ قصر باب الذہب کے عین وسط میں ایک سبز رنگ کا گنبد تھا۔ اسی وجہ سے باب الذہب کو "قبۃ الخضرا" بھی کہتے تھے۔ یہ گنبد زمین سے ۱۲۰ فٹ کی بلندی پر تھا۔ اس کی چوٹی پر ایک سوار کا بت تھا۔ سوار گھوڑے پر نیزہ تانے ہوا تھا۔ خطیب لکھتا ہے کہ یہ ایک طلسم تھا۔ جس کا رخ بدلتا رہتا تھا۔ سوار نیزے کے اشارے سے اس سمت کو بتلا رہا تھا جس طرف سے خلیفہ کے دشمنوں نے آنا تھا۔ یاقوت اس روایت پر تعجب بھی اظہار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ خطیب کو ایسی بے سروپا روایتیں اور حکایتیں جو "طلسمات" ہی کے لائق ہیں لکھنی زیبا نہیں۔ ایسی لغو باتوں سے اسلام کی شان بڑھ نہیں جاتی یہ تو سفید جھوٹ ہے اور ایسے فریب باتیں ہیں۔ گنبد کے نیچے فرش قصر پر

ایک ۳۰ مربع فٹ کمرہ تھا۔ اس کی چھت بھی ۳۰ فٹ بلند تھی۔ اس کے پیچھے اتنا ہی لمبا چوڑا ایک اور کمرہ تھا۔ اس کی چھت بھی سبز گنبد تھی۔ پہلے کمرے کے سامنے ایرانی وضع کا ایک ایوان تھا۔ جس پر فرش سے ۵۰ فٹ بلند محراب تھی۔ ایوان ۳۰ فٹ چوڑا تھا۔

یہ پہلا قصر تھا جو خلیفہ منصور نے مدینۃ المنصور میں تعمیر کرایا۔ کچھ سال بعد باب خراسان کے باہر ایک اور محل جو خلد کے نام سے مشہور ہوا تعمیر کیا اس کا ذکر ہم آیندہ فصل میں کرینگے۔ باب الذہب میں خلیفہ منصور اور اُس کے جانشین ملکی معاملات بھگتایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید اکثر قصر خلد میں رہا کرتا تھا۔ مگر امین نے پھر باب الذہب میں رہائش اختیار کی۔ اور اس پر کچھ اور بھی ایزاد کی جسے ابو جعفر جریر طبری "جناح" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ جب ہارون رشید کے بیٹوں امین اور مامون میں خلافت کا جھگڑا اٹھا۔ اور جنگ کی نوبت پہنچی تو بدقسمت امین اسی باب الذہب میں محصور تھا۔ اور مامون کی فوجوں نے اسی مدینۃ المنصور کا محاصرہ ڈالا ہوا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس محاصرہ کی وجہ سے (جس کے مفصل حالات ہم آیندہ فصلوں میں لکھینگے) مدینۃ المنصور کو سخت نقصان پہنچا۔ لیکن اس کے ایک سو سال بعد بھی "القبۃ الخضرا" قائم تھا۔ لیکن امین کے قتل کے بعد باب الذہب ہمیشہ کے واسطے ویران اور غیر آباد رہا۔

۳۳ سال کے بعد جامع منصور کو جو اس کے پہلو میں تھی اور وسعت دینی لازم تھی قصر کا اکثر حصہ گرا دیا گیا۔ مگر گنبد سبز کو اسی طرح چھوڑا گیا۔ حتے کہ ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں وہ بھی سر نگوں ہو گیا۔ یعقوبی اور طبری خطیب اور یاقوت بیان کرتے ہیں کہ ۳۲۹ھ میں بغداد میں بڑے زور و شور کی بارشیں ہوئیں۔ دجلہ میں طغیانیاں آئیں۔ ۸۔ جمادی الثانی کی رات کو جب کہ اس پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اور تمام بغداد پر گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ رعد اس زور سے گرجا اور بجلی کی چمک کہ دل دہل گئے۔ قبۃ الخضرا کو آگ لگی ہوئی تھی اور تمام گنبد بھی بجلی کے صدمہ سے

پھٹ گیا تھا ؎

مسجد کو جو باب الذہب کے پہلو میں تھی خلیفہ منصور ہی نے تعمیر کروایا تھا۔ لیکن محراب ٹھیک قبلہ رخ نہ تھی۔ وجہ یہ کہ قصر کی تعمیر کے بعد اس کی تعمیر کا خیال آیا۔ اگر قبلہ رُو کھڑے ہوں تو مسجد باب الذہب کے جنوب مشرق کی طرف نظر آتی تھی۔ اور بغداد سے مکہ قریب جنوب مغرب کی طرف تھا۔ یا بقول مورخین کے زیادہ تر بہ نسبت عین جنوب مغرب کے باب بصرہ کی طرف تھا ؎

ابتدا میں مسجد کا رقبہ صرف ۲۰۰ مربع گز تھا اور تعمیر بھی خشت خام سے ہوئی تھی لکڑی کے ستون چھت کو سہارا دیتے تھے۔ اکثر ستونوں میں دو یا دو سے زیادہ لکڑی کے شہتیر جوڑے ہوئے تھے۔ اور ان پر لوہے کے پتر سے چڑھے ہوئے تھے لیکن پانچ چھ ستون ایسے بھی تھے کہ صرف ایک ایک درخت کے تنے سے بنے ہوئے تھے قریباً ۵۰ سال تک یہ مسجد اسی حال میں رہی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے گرا کر از سر نو خشت پختہ سے تعمیر کروایا۔ خطیب لکھتا ہے کہ مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ تھا جس پر خلیفہ ہارون الرشید اور معماروں کے نام بقید تواریخ (سنہ ۱۹۲ھ میں کام شروع ہوا اور سنہ ۱۹۳ھ میں ختم ہوا) لکھا تھا۔ خطیب نے اس مسجد کو سنہ ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ع میں دیکھا ؎

زمانہ مابعد میں اس مسجد کو "الصحن العتیق" کہتے تھے۔ یہ جامع مسجد تھی۔ جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ہوتی۔ جب نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ کی تنگی محسوس ہوئی۔ تو ایک اور سرکاری مکان کو جسے "دار القطن" کہتے تھے گرا کر مسجد بنایا گیا۔ یہ جگہ کافی وسیع تھی سنہ ۲۶۰ھ / ۸۷۵ع میں اسی جگہ نماز جمعہ ادا کرتے۔ پرانی مسجد غیر آباد ہو گئی خلیفہ معتضد کو یہ امر کہ ایک مسجد غیر آباد ہو۔ ناگوار گذرا۔ اس لئے سنہ ۲۸۰ھ / ۸۹۳ع میں باب الذہب کا ایک حصہ گرا کر مسجد منصور کو وسعت دی۔ مسجد ابتدا ہی سے قصر کے ساتھ دیوار بہ دیوار بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار کو جو مسجد اور قصر میں حائل تھی گرایا گیا اور قصر کا ایک حصہ صحن مسجد میں شامل کیا گیا۔ اس نئی زمین پر ۱۷ محرابیں بنائی گئیں۔

اس کے بعد مسجد کی محراب اور ممبر کو آراستہ کیا۔ اور مسجد کے اُس حصہ کو جو ہارون الرشید نے تعمیر کیا تھا، اَوْر خوبصورت بنا دیا۔ خطیب بیان کرتا ہے کہ خلیفہ نے اس کام پر اپنے وزیر بدر کو مامور کیا ہوُا تھا اُس کی حسن سعی سے یہ جامع مسجد تکمیل کو پہنچی اور اُس کی یادگار میں سنہ ۲۸۰ھ کو بدریہ کہتے تھے۔ یہ مسجد ایسی عالیشان تھی کہ ابن رستہ نے جب اسے سنہ ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں دیکھا تو وہ ایک سکتہ کے عالم میں رہا۔ سقف مسجد اور ستون ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ ان پر نقش و نگار اور طرح طرح کے بیل بوٹوں سے اعلٰے درجہ کی صنعت ظاہر کی گئی تھی ؛

خلفائے عباسیہ کا بغداد میں پانچسو برس سے زیادہ عرصہ تک دور دورہ رہا اور یہ مسجد ہمیشہ نماز جمعہ کے وقت ایسا نظارہ تھی کہ دیکھنے والوں کے دلوں پر عظمتِ اسلام کا رُعب چھا جاتا تھا ؛

سنہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں جب "القائم بامر اللہ" ابو جعفر عبد اللہ حکمراں تھا۔ اور دولت دیالمہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور طغرل بیگ سلجوقی کا چتر فارس اور ترکستان پر چھایا ہوُا تھا ارسلان ترکی بساسیری ایک سردار دار الخلافہ میں ایسا اُٹھا کہ تمام امرا و حکام اُس سے ڈرتے تھے اسی مسجد کے ممبر پر خطبہ میں اُس کے واسطے دعائیں ہوتی تھیں۔ یہ شخص فاطمیہ کا حامی تھا۔ اس کے حکم سے جامع مسجد میں فاطمیہ کے نام خطبہ پڑھا گیا۔ اور اہلسنت و الجماعت کی توہین کی گئی۔ خلیفہ نے طغرل بیگ کو لکھا۔ آخر جنگ عظیم کے بعد بساسیری مارا گیا۔ اور طغرل بیگ نے تمام فسادوں کا انتظام کر کے "رکن الدین" کا خطاب حاصل کیا۔ اس واقعہ کے ایک سو سال بعد سنہ ۱۱۶۰ء میں ایک یہودی بنجمن نامی بغداد میں آیا۔ عباسیہ خاندان پر زوال تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ خلیفہ اپنے محل واقع مشرقی بغداد سے شاذ ہی برآمد ہوتا ہے۔ ہاں آخر ماہ رمضان عید کے دن بصرہ والی مسجد میں آتا ہے۔ اور وہ بھی سال میں ایک دفعہ۔ یہی مسجد بغداد میں سب سے بڑی ہے ؛

سنہ ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ایک اور بلا بغداد پر نازل ہوئی۔ یہ مغلوں کی ترکتازی تھی۔

پر ایک طوفان تھا کہ جس طرف اُٹھا نشان تک نہ چھوڑا۔ بغداد کی مسجدوں اور خانقاہوں میں شعلے اُٹھتے تھے۔ شہر کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔ بغداد اس وقت عجیب بربادی کا منظر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عالیشان مسجد کی ہیبت سنگدل حملہ آوروں پر بھی چھائی تھی کہ اُن کی دست برد سے بچ گئی۔ چنانچہ فتح بغداد کے بعد ہلاکو خاں نے جن مسمار شدہ مساجد کو از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اُن کی فہرست میں اس کا نام نہیں +
۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) میں مشہور معروف سیاح ابن بطوطہ کا گذر بغداد میں ہوا۔ یہ مسجد ابھی تک قائم تھی۔ موجودہ زمانہ میں اس کے آثار معدوم ہو گئے ہیں۔ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور نے بغداد پر قبضہ کیا۔ اور ایک سال بعد شہر کو از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اس وقت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ اس کا کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ اس سے کچھ عرصہ پہلے اس کا نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا +

مدینۃ المنصور کی نسبت بعض مورخین نے غلطی سے یہ بھی لکھا ہے کہ بابل کے کھنڈرات سے اس کا مصالح بہم پہنچایا گیا۔ ہماری رائے میں مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ البتہ اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ منصور کا ایک دفعہ ارادہ ہوا کہ ایوان کسریٰ کے واقع مدائن کو گرا کر اس کی اینٹ چونہ وغیرہ سے مدینۃ المنصور کے بعض حصے تعمیر کئے جائیں۔ چنانچہ اس بارہ میں اپنے وزیر خالد برمکی سے مشورہ کیا۔ خالد نے سخت مخالفت کی

لہ خلفائے عباسیہ کے عہد میں مختلف خاندانوں کا زور مختلف اوقات میں حکومت و دربار پر پیش خلفاء رہا۔ چنانچہ ان میں سے سب سے پہلے خاندان "برامکہ" ہے:-

شجرۂ نسب آل برمک

بشتاسف
|
جاماسب
|
جعفر
|
خالد
|
یحییٰ

فضل ۔ محمد ۔ جعفر ۔ موسیٰ ۔ عباس ۔ احمد ۔ خالد ۔ عبداللہ

(دیکھو صفحہ ۴۷)

کہ "امیر المومنین آپ کا خیال درست نہیں۔ ایوان کسریٰ اور اس قسم کی دیگر عمارتیں
عظمت اسلام کی یادگاریں ہیں۔ انہیں دیکھ کر فوراً یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی زبردست
ہاتھوں نے ان کی تعمیر کی اور ان سے بڑھ کر طاقت والوں نے ان پر قبضہ کیا علاوہ ازیں
ایوان کسریٰ میں سے قصر ابیض جس کے مسمار کرنے کا آپ نے ارادہ کیا ہے حضرت
علی بن ابی طالب کا مصلیٰ ہے۔ آپ نے اس جگہ نماز پڑھی تھی۔" خالد نے اگرچہ بہت
کچھ کہا سنا۔ مگر منصور نے ایک نہ سنی اور مسکرا کر کہا کہ "تو چاہتا ہے کہ کہیں تیرے آتش پرست
بزرگوں کی یادگاریں نہ مٹ جائیں۔" اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ قصر ابیض کو گرایا
جاوے۔ لیکن ابھی یہ کام شروع ہی ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ یہ تو کوہ کندن و کاہ برآوردن
کا معاملہ ہے۔ قصر کے مسمار کرنے اور وہاں سے اینٹ پتھر لانے کا خرچ مصالحہ سے
کہیں بڑھا ہوا ہے۔ اپنے ارادہ سے باز آیا خالد برمکی سے نہ رہا گیا۔ پھر عرض کی
کہ "اب جس طرح ہو قصر کو مسمار کرا دو۔ لوگ یہی کہیں گے کہ خلیفہ، کسریٰ کے ایک محل کو
بھی نہ گرا سکا۔" حضرت منصور نے جواب دیا کہ "تو چاہتا ہے کہ خزانہ اسی کام میں
خالی ہو جائے۔" غرض خلیفہ نے اس ارادہ کو بالکل ترک کر دیا۔ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ
ایوان کسریٰ بابل کے کھنڈرات سے تعمیر ہوئے ہیں تو یہ بالکل غلط ہے کہ مدینۃ المنصور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ ۔ "برامکہ" بلخ میں آتشکدہ نوبہار کے متولی تھے۔ لیکن جب مسلمانوں نے
بلخ کو فتح کیا اور آتشکدوں کی آگ سرد پڑ گئی تو جعفر ابن خالد اس نے وطن مالوف کو خیرباد کہا اور دمشق کا
راستہ لیا۔ اس خاندان کا سلسلہ نسب [illegible] اردشیر بابکان سے ملتا ہے۔ جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں وزارت ارث میں چلی آتی تھی۔ جعفر بن حکیم جاماس بنی امیہ کے دور دورہ
میں دمشق میں آیا اس وقت ولید بن عبدالملک خاندان اسلام پر حکمران تھا۔ جعفر نے اسلام قبول کیا۔ اور
عہدہ [illegible] وزارت کو پہنچ گیا۔ ایرانیوں کو اہلبیت سے بہت محبت تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ سے
بنو ہاشم کے ہوا خواہ رہے۔ امیہ کا اس وقت ستارۂ اقبال غروب ہو رہا تھا۔ جعفر اور اس کے بیٹے خالد نے بہت کوشش
کی کہ بنو ہاشم تخت و تاج کے مالک ہو جاویں اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ امیہ کے زوال پر عباسیہ
کا عروج ہوا۔ اور خالد ابن جعفر برمکی سفاح کا وزیر ہوا۔ ہارون الرشید کے زمانہ تک اس خاندان میں وزارت کا
عہدہ مستقل طور پر رہا۔ یہی خالد برمکی منصور کا وزیر تھا۔ اور درحقیقت یہی خالد خاندان برامکہ کا بانی ہے اس کے بیٹے کا نام
یحییٰ تھا جس کے بیٹے جعفر و فضل ہارون الرشید کے زمانہ میں بڑے جلیل القدر وزیر تھے ان کی سخاوت ضرب المثل تھی آل برامکہ
کی تباہی کی حکایت بادشاہوں کی تلوّن مزاجی اور انقلاب زمانہ کا ایک پر درد عبرت خیز قصہ ہے۔ (دیکھو البرامکہ) *

بابل کے مصالحہ سے بنا۔ علاوہ ازیں مدینۃ المنصور میں زیادہ تر خشت خام ہی کام آئی تھی جس کی مٹی کچھ عرصہ بعد اسی خاک میں مل گئی جس سے بنائی گئی تھی +

یعقوبی اور طبری نے مدینۃ المنصور کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس کے کچھ آثار باقی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قریباً تمام شہر خشت خام کا بنا ہوا تھا۔ دجلہ کی طغیانیوں اور حوادث زمانہ نے اُسے پیش از وقت ہی خاک میں ملا دیا تھا۔ خشت پختہ کا بھی کہیں کہیں استعمال کیا گیا تھا۔ اور اب بھی اگر مناسب کھدائی ہو تو پُرانی مسجدوں اور محلات کے آثار معلوم ہو سکتے ہیں +

آخر میں مدینۃ المنصور کی نسبت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قدر عرصہ تک یہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہا۔ اس کا مفصّل حال کہیں نہیں ملتا لیکن اتنا معلوم ہے کہ اندرونی دیوار جو قصر باب الذہب اور دیگر شاہی محلات کو گھیرے ہوئے تھی سب سے پہلے معدوم ہو گئی۔ درحقیقت یہ کوئی شہر پناہ نہ تھی۔ رفتہ رفتہ مکانات کی کثرت کی وجہ سے مٹتی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبری کے زمانہ میں یہ دیوار موجود نہ تھی۔ کیونکہ وہ کہیں اس کا ذکر تک نہیں کرتا۔ اور خندق بھی خلیفہ منصور کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مٹی سے بھر گئی تھی۔ کیونکہ جب مامون کی فوجوں نے "امین" کا محاصرہ کیا اُس وقت یہ خندق موجود نہ تھی۔ اور نہ اُس وقت کے واقعات میں اس کا کہیں ذکر ہے۔ لیکن مدینۃ المنصور ۱۹۳ھ ۸۰۹ء یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ تک اُسی طرح قائم تھا۔ ہارون الرشید کی وفات پر اُس کے دونوں بیٹوں مامون اور امین میں خلافت کا جھگڑا ہوا۔ اگرچہ ہارون الرشید اپنی زندگی ہی میں دونوں کے درمیان خلافت تقسیم کر چکا تھا لیکن ان تلواروں سے ایک نیام میں نہ رہا گیا۔ آخر ایک دوسرے کے مقابلہ کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون خراسان میں اور امین بغداد میں تھا۔ اگرچہ ابتدا میں امین نے پیش قدمی کی لیکن مامون کی فوج نے متواتر شکستیں دیں حتٰی کہ امین بغداد میں محصور ہوا۔ مامون کے دو جرنیل طاہر اور ہرثمہ نے دجلہ کے دونوں کناروں پر اپنی فوجوں کو پھیلا دیا۔ محاصرہ ایک سال تک قائم رہا۔ طاہر نے

مدینۃ المنصور کی دیواروں پر اس قدر منجنیق سے پتھر برسائے کہ اُن کا ایک حصہ بالکل گر گیا۔ ایک سال کے محاصرہ کے بعد سنہ ۱۹۸ھ (۸۱۴ء) میں مدینۃ المنصور کی صورت بہت کچھ بدل گئی تھی۔ مگر اس پر بھی مدینۃ المنصور اور ایک سو برس قائم رہا سنہ ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں باب الذہب بھی خاک کا ڈھیر تھا۔ لیکن جامع مسجد منصور آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک نمازیوں کی سجدہ گاہ تھی۔ وسطی دیوار ایک مورخ کے قول کے مطابق جو سنہ ۳۰۰ھ میں بغداد کے واقعات لکھتا ہے ایک نہر کی وجہ سے جو باب کوفہ کو آتی ہوئی اور مدینۃ المنصور کے کھنڈرات میں بہتی تھی۔ معدوم ہو چکی تھی ٭

خطیب سنہ ۳۰۷ھ (۹۱۹ء) کا ایک واقع لکھتا ہے کہ بغداد میں لوگوں نے بغاوت کی اور مدینۃ المنصور کے جیل کے دروازے کھول کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ مگر پولیس نے پھر اُنہیں گرفتار کر کے مدینۃ المنصور کے آہنی دروازوں میں بند کر دیا۔ آہنی دروازوں کی کہانی اسی بیان پر ختم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کہیں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ دجلہ اور فرات کے سیلاب اور نہر صراۃ کی طغیانیاں مدینۃ المنصور کو ہمیشہ نقصان پہنچاتی رہیں۔ اگرچہ اکثر دفعہ پانی کو روکنے کا انتظام کیا گیا۔ مگر تاہم سنہ ۳۳۰ھ (۹۴۲ء) کے میں بقول خطیب سیاہ رنگ کا پانی باب کوفہ تک چڑھ آیا۔ نہر صراۃ کے کنارے کو توڑ کر مدینۃ المنصور کی بنیادوں میں بھر گیا۔ اکثر مکانات گر گئے۔ مسعودی مروج الذہب میں باب الذہب کے گرنے کی نسبت بھی اسی قسم کا ایک واقعہ لکھتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ غالباً سنہ ۳۲۹ھ کے طوفان کی طرف اشارہ ہے ٭

یہ حالات ہیں مدینۃ المنصور کے جس کی بنیاد سنہ ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) رکھی گئی۔ اور سنہ ۱۴۶ھ (۷۶۳ء) میں اختتام کو پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد باب بصرہ، کوفہ اور شام کے باہر جس کا مفصل حال آئندہ فصلوں میں آئیگا۔ بغداد کی آبادی پھیلتی جاتی تھی۔ باب خراسان کے باہر جس کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا اور دریائے دجلہ پر زاویہ قائمہ بناتا تھا خلیفہ نے ایک "قصر خلد" بنوایا۔ خلد کا مفصل حال ہم آئندہ فصلوں میں لکھینگے۔ دریائے دجلہ کا مشرقی کنارہ خالی پڑا تھا۔ شہر کی تعمیر کے بعد منصور نے سنہ ۱۵۱ھ (۷۶۸ء) میں اس جگہ جانب ایوان

مذکورہ بالا واقعات ہم آئندہ مفصل طور پر بیان کرینگے۔ آخر میں ہم کو خلیفہ منصور
کی نسبت یہ لکھنا باقی ہے کہ اس پر بخل کا الزام مورخین نے غلط طور پر کس وجہ سے لگایا
ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ باوجود ان تمام اوصاف کے جو ایک اولو العزم فرمانروا میں
ہوتے ہیں۔ فاتح الخلفا ابو جعفر منصور میں یہ ایک سخت عیب تھا کہ پرلے درجہ کا
بخیل تھا۔ چنانچہ دانہ دانہ کا حساب لیتا۔ اس واسطے دوانیقی کہتے تھے۔ اس کے
بخل کے متعلق حکایتیں مشہور ہیں۔ ایک افسر پر چند درہم باقی نکلے۔ تو قید کی
سزا دی۔ لیکن ہماری رائے میں خلیفہ منصور بہت ہی عالی حوصلہ اور فیاض شخص تھا
جو کام اس نے شروع کیا۔ انجام کو پہنچایا۔ وہ نہ تو کسی بخیل کا کام ہے۔ اور
نہ بخیلوں کو ایسے کاموں کی جرأت ہوتی ہے۔ علاوہ دیگر اخراجات کے صرف
بغداد کی تعمیر کا خیال کریں۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ اگر وہ کفایت شعاری سے کام
نہ لیتا۔ تو یہ عظیم الشان کام کبھی انجام کو نہ پہنچتا۔ بغداد کی صرف دونوں بیرونی دیوار
اور خندق اور ایک قصر پر بقول طبری ۴۸۳۳۰۰۰ درہم نقد (۱۹۰۰۰۰ پونڈ) - ۱۰۰۰۲۳۰۰۰ فلس (۲۰۰۰۰۰ پونڈ)
تانبے کے خرچ آئے۔ مگر خطیب اور یاقوت ۱۸۰۰۰۰۰۰ دینار طلا (۹۰۰۰۰۰۰ پونڈ) کا تخمینہ لگاتے
ہیں۔ اس کے ساتھ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں۔ کہ خلیفہ کو کن کن مشکلات کا
سامنا تھا۔ اور ان کے رفع کرنے کے لئے کیا کچھ صرف ہوتا تھا۔ تو اس کی بردباری
ہماری نظروں میں اور بھی قابل تعریف ہو جاتی ہے۔ خلافت عباسیہ کی ابتدا
تھی۔ وعدہ خلافت پر ایک جگہ موجود تھے۔ خزانہ میں اتنا روپیہ تھا کہ منصور اس کا
اندوختہ خیال کریں۔ اگر منصور ہارون الرشید ہوتا تو اس سے بڑھ کر کام کرتا۔ سلاطین
بادشاہوں کی فیاضی ایک قدرتی جوہر تھا۔ منصور کی کفایت شعاری کو مورخین
اسی واسطے بخل قرار دیتے ہیں کہ گزشتہ لوگوں نے یہ اصول قائم
رکھا تھا کہ بادشاہ کو قدرتاً فیاض ہونا چاہئے۔ لیکن اگر منصور کا غیر اقوام کے
شہنشاہوں سے مقابلہ کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں ؎
خلیفہ منصور کا انتقال ۱۵۸ھ میں ہوا۔ ابن طولون جیانہ مبارک کا ذکر

ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جگہ جم غفیر صحابہ اور تابعین اور علما و محدثین اور اولیائے کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کا مدفن ہے۔ اسی جگہ قریب قبر حضرت ام المومنین خدیجہ رضؓ قبر خلیفہ ابی جعفر منصور ہے ؏

اطلاع

شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے ہر ایک علم و فن کی کتب بکفایت مل سکتی ہیں۔
مفصل فہرست درخواست آنے
پر بلا قیمت روانہ
ہوگی ؟

فصل چہارم

بغداد

مدینۃ المنصور بغداد کی ابتدائی عمارت تھی یا زیادہ موزوں الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بغداد کا بنیادی پتھر تھا۔ جسے بغداد کہتے ہیں مدینۃ المنصور کو اس سے کچھ نسبت نہیں تھی۔ پانچ سو برس کے عرصہ میں بغداد کی کچھ اور ہی صورت ہو گئی تھی خشت خام کی ابتدائی عمارتیں تو کچھ عرصہ بعد خاک میں مل گئیں۔ لیکن اُن کی جگہ ایسے عظیم الشان قصر اور باغات اور تفرج گاہیں بن گئیں کہ ہر ایک عمارت پہ مدینۃ المنصور کے کل مصارف تعمیر سے بڑھ کر روپیہ خرچ ہوا تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد خلافت میں بغداد ہر ایک پہلو سے اپنا آپ ہی نظیر تھا *

یہ وہ دار الخلافہ تھا جس کے فرمانروا ایسی عظیم الشان وسیع سلطنت پر حکومت کرتے تھے۔ جو ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ممالک اسلام میں سے صرف "ہسپانیہ" ہی آزاد مقابل کا حریف تھا شہنشاہ روم خود سر فرماں روا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور رہتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت[1] میں اس پر اور بھی اضافہ ہو گیا *

---

[1] خلافت عباسیہ کے چند مشہور اضلاع اور ہر ایک کے خراج کا جداگانہ ذیل کا نقشہ مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جو انہوں نے خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے تیار کیا ہے *

دیکھو صفحہ ۵۴

ظاہر ہے کہ ان سلاطین العرب اور خود مختار شہنشاہوں کو کیسے بے انتہا ذرائع آمدنی کے تھے۔ اور ان کے عہد خلافت میں ہزاروں کا کیا کچھ نہ ہوا ہوگا معمول شہید

نمبر شمار	ضلع	خراج
۱	سواد	دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم - دو سو نجرانی حلے - ایک خاص قسم کی مٹی جو کہ مہر کے لئے استعمال ہوتی ہے - دو سو چالیس رطل ۞
۲	کسکر	ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم ۞
۳	دجلہ کے اضلاع	دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم ۞
۴	حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم ۞
۵	اہواز	پچیس ہزار درہم - تیس ہزار رطل شکر ۞
۶	فارس	دو کروڑ ستر لاکھ درہم - گلاب تیس ہزار بوتل - زیتون سیاہ بیس ہزار رطل ۞
۷	کرمان	بیالیس لاکھ درہم - یمن کے تھان پانسو - کھجور بیس ہزار رطل ۞
۸	مکران	چار لاکھ درہم ۞
۹	سندھ	ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم - عود ہندی ڈیڑھ سو رطل ۞
۱۰	سجستان	چار لاکھ درہم - خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان - فانیذ - بیس رطل ۞
۱۱	خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم - چار ہزار گھوڑے ایک ہزار غلام - بیس ہزار تھان تیس ہزار رطل ہلیلہ - دو ہزار نقرہ چاندی ۞
۱۲	جرجان	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم - ابریشم ہزار شقہ ۞
۱۳	قومس	دس لاکھ درہم - پانچ لاکھ نقرہ چاندی ۞
۱۴	[illegible]	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم - شہد بیس ہزار رطل ۞
۱۵	طبرستان و رویان	ترسٹھ لاکھ درہم - طبرستانی فرش چھ سو - چادریں دو سو - کپڑے پانسو تھان
۱۶	نہاوند	مندیل تین سو - جامات تین سو ۞
۱۷	ہمدان	ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم - رب انار تین ہزار رطل - شہد بارہ ہزار رطل ۞
۱۸	بصرہ اور کوفہ کے درمیانی اضلاع	ایک کروڑ سات لاکھ درہم ۞
۱۹	ماسبذان و دینور	چالیس لاکھ درہم ۞
۲۰	شہرزور	[illegible] لاکھ درہم ۞
۲۱	موصل	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم - شہد سفید دو کروڑ رطل ۞
۲۲	آذربائیجان	چالیس لاکھ درہم ۞
۲۳	جزیرہ مع اضلاع فرات	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم - غلام ایک ہزار - شہد بارہ ہزار مشک باز دس - چادریں بیس ۞

کے زمانہ میں خاص شہر بغداد کی مردم شماری دس لاکھ سے زاید تھی۔ رفتہ رفتہ بغداد ایسا بارونق شہر بن گیا کہ اگر مختلف پہلوؤں سے اس کا تذکرہ کیا جاسکے تو کئی ایک دفتر بن جائینگے ؛

یہ وہ بغداد تھا جس کی خوشگوار آب و ہوا، دجلہ کی روانی، کشتیوں کی سیر، باغوں کی رنگینی، اور صبح و شام آفتاب کے طلوع و غروب کا دلربا سماں، الف لیلہ میں دکھلایا گیا ہے۔ اور جس کا نقشہ انوری ذیل کے اشعار میں کھینچتا ہے ؛

اشعار

خوشا نواحی بغداد جای فضل و ہنر — کہ کس نشان ندہد در جہان چنین کشور
سواد او بمثل چوں سپہر مینا رنگ — ہوای او بہ صفت چوں نسیم جاں پرور
بجای سبزہ ہمہ سنگش عقیق لولو تر — بجای خشت ہمہ خاکش عبیر غالیہ بر
صبای شطش چاکش ز راوت الوندی — ہوا نہفتہ در آتش جلادت کوثر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴

نمبر شمار	مقام	خراج
۲۴	آرمینیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ رقم (ایک قسم کا کپڑا) پانچ سو اسی تھان۔ ماہی شور دس ہزار رطل۔ ہرنج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو۔ شکرے تیس ؛
۲۵	قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زبیب ہزار رطل ؛
۲۶	دمشق	چار لاکھ ۲۰ ہزار دینار ؛
۲۷	اردن	ستانوے ہزار دینار ؛
۲۸	فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار۔ زیت تین لاکھ رطل ؛
۲۹	مصر	انیس لاکھ ۲۰ ہزار دینار ؛
۳۰	برقہ	دس لاکھ درہم
۳۱	افریقہ	ایک کروڑ ۳۰ لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس ؛
۳۲	یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ ؛
۳۳	حجاز	تین لاکھ دینار ؛

ہارون الرشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا۔ ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے ؛

یہ ایک طوفان تھا کہ جس طرف اُٹھا تباہی کا نشان چھوڑا۔ بغداد کی مسجدوں اور عمارتوں میں شعلے اُٹھتے تھے۔ شہر کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔ بغداد اس وقت عجیب بربادی کا منظر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عالیشان مسجد کی ہیبت سنگدل حملہ آوروں پر بھی چھائی تھی کہ اُن کی دست برد سے بچ گئی۔ چنانچہ فتح بغداد کے بعد ہلاکو خاں نے جن مسمار شدہ مساجد کو از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اُن کی فہرست میں اس کا نام نہیں۔ ۷۲۶ھ / ۱۳۲۶ء میں مشہور معروف سیاح ابن بطوطہ کا گذر بغداد میں ہوا۔ یہ مسجد ابھی تک قائم تھی۔ موجودہ زمانہ میں اس کے آثار معدوم ہو گئے ہیں۔ ۷۹۵ھ / ۱۳۹۳ء میں تیمور نے بغداد پر قبضہ کیا۔ اور ایک سال بعد شہر کو از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اس وقت نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ اس سے کچھ عرصہ پہلے اس کا نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا۔

مدینۃ المنصور کی نسبت بعض مورخین نے غلطی سے یہ بھی لکھا ہے کہ بابل کے کھنڈرات سے اس کا مصالح بہم پہنچایا گیا۔ ہماری رائے میں مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ البتہ اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ منصور کا ایک دفعہ ارادہ ہوا کہ ایوان کسریٰ واقع مدائن کو گرا کر اس کی اینٹیں وغیرہ سے مدینۃ المنصور کے بعض حصے تعمیر کئے جائیں۔ چنانچہ اس بارہ میں اپنے وزیر خالد برمکی[1] سے مشورہ کیا۔ خالد نے [illegible] کی

[1] خلفائے عباسیہ کے عہد میں مختلف خاندانوں کا زور و اقتدار مختلف اوقات میں بحیثیت وزرا یا سرپرست خلفا رہا۔ چنانچہ ان میں سب سے پہلے خاندان "برامکہ" ہے:-

شجرۂ نسب آل برمک

بشتاسف
|
جاماسپ
|
جعفر
|
خالد
|
یحییٰ
|
فضل — محمد — جعفر — موسیٰ — عباس — احمد — خالد — عبداللہ

(دیکھو صفحہ ۴۷)

کہ "امیر المومنین آپ کا خیال درست نہیں۔ ایوان کسریٰ اور اس قسم کی دیگر عمارتیں
عظمت اسلام کی یادگاریں ہیں۔ انہیں دیکھ کر تو یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی زبردست
ہاتھوں نے ان کی تعمیر کی اور ان سے بڑھ کر طاقت والوں نے ان پر قبضہ کیا۔ علاوہ ازیں
ایوان کسریٰ میں قصر ابیض جس کے مسمار کرنے کا آپ نے ارادہ کیا ہے حضرت
علی بن ابی طالب کا مصلیٰ ہے۔ آپ نے اس جگہ نماز پڑھی تھی۔" خالد نے اگرچہ بہت
کچھ کہا سنا۔ مگر منصور نے ایک نہ سنی اور مسکرا کر کہا کہ "تو چاہتا ہے کہ کہیں تیرے آتش پرست
بزرگوں کی یادگاریں نہ مٹ جائیں۔" اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ قصر ابیض کو گرا دیا
جاوے۔ لیکن ابھی یہ کام شروع ہی ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ یہ تو کوہ کندن و کاہ برآوردن
کا معاملہ ہے۔ قصر کے مسمار کرنے اور وہاں سے اینٹ پتھر لانے کا خرچ مصالحہ سے
کہیں بڑھا ہوا ہے۔ اپنے ارادہ سے باز آیا۔ خالد برمکی سے نہ رہا گیا۔ پھر عرض کی
کہ "اب جس طرح ہو قصر کو مسمار کرا دو۔ لوگ یہی کہیں گے کہ خلیفہ کسریٰ کے ایک محل کو
بھی نہ گرا سکا۔" حضرت منصور نے جواب دیا کہ "تو چاہتا ہے کہ خزانہ اسی کام میں
خالی ہو جائے۔" غرض خلیفہ نے اس ارادہ کو بالکل ترک کر دیا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ
ایوان کسریٰ بابل کے کھنڈرات سے تعمیر ہوئے ہیں تو یہ بالکل غلط ہے کہ مدینۃ المنصور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ "برامکہ" بلخ میں آتشکدہ نوبہار کے متولی تھے۔ لیکن جب مسلمانوں نے
بلخ کو فتح کیا اور آتشکدوں کی آگ سرد پڑ گئی تو جعفر ابن خالد نے وطن مالوف کو خیرباد کہا اور دمشق کا
راستہ لیا۔ اس خاندان کا سلسلہ بقول حمد اللہ مستوفی گودرز وزیر اردشیر بابکان سے ملتا ہے۔ جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں وزارت ارث میں چلی آتی تھی۔ جعفر بن حکیم جاماس بنی امیہ کے دور دورہ
میں دمشق میں آیا اس وقت ولید بن عبدالملک سلطنت اسلام پر حکمران تھا۔ جعفر نے اسلام قبول کیا۔ اور
عہدہ [illegible] سے وزارت کو پہنچ گیا۔ ابراہیم کو اہلبیت سے بہت محبت تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ سے
بنو ہاشم کے مددگار رہے۔ بنی امیہ کا اس وقت ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا۔ جعفر اور اس کے بیٹے خالد نے بہت کوشش
کی کہ بنو ہاشم تخت و تاج کے مالک ہو جاویں اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ امیہ کے زوال پر عباسیوں
کا عروج ہوا۔ اور خالد ابن جعفر برمک سفاح کا وزیر ہوا۔ ہارون الرشید کے زمانہ تک اس خاندان میں وزارت کا
عہدہ مستقل طور پر رہا۔ یہی خالد برمکی منصور کا وزیر تھا۔ اور درحقیقت یہی خالد خاندان برامکہ کا بانی ہے۔ اس کے بیٹے کا نام
یحییٰ تھا جس کے بیٹے جعفر و فضل ہارون الرشید کے زمانہ میں بڑے کریم النفس وزیر تھے۔ ان کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ آل برامکہ
کی تباہی کی حکایت بادشاہوں کی تلون مزاجی اور انقلاب زمانہ کا ایک پُر درد و عبرت خیز قصہ ہے۔ (دیکھو البرامکہ) ◈

بابل کے مصالحہ سے بنا۔ علاوہ ازیں مدینۃ المنصور میں زیادہ تر خشت خام ہی کام آئی تھی جس کی مٹی کچھ عرصہ بعد اُسی خاک میں مل گئی جس سے بنائی گئی تھی ؁

یعقوبی اور طبری نے مدینۃ المنصور کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس کے کچھ آثار باقی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قریباً تمام شہر خشت خام کا بنا ہُوا تھا۔ دجلہ کی طغیانیوں اور حوادث زمانہ نے اُسے پیش از وقت ہی خاک میں ملا دیا تھا۔ خشت پختہ کا بھی کہیں کہیں استعمال کیا گیا تھا۔ اور اب بھی اگر مناسب کھدائی ہو تو پُرانی مسجدوں اور محلات کے آثار معلوم ہو سکتے ہیں ؁

آخر میں مدینۃ المنصور کی نسبت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قدر عرصہ تک یہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہا۔ اس کا مفصل حال کہیں نہیں ملتا۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ اندرونی دیوار جو قصر باب الذہب اور دیگر شاہی محلات کو گھیرے ہوئے تھی سب سے پہلے معدوم ہوگئی۔ درحقیقت یہ کوئی شہر پناہ نہ تھی۔ رفتہ رفتہ مکانات کی کثرت کی وجہ سے مٹتی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبری کے زمانہ میں یہ دیوار موجود نہ تھی۔ کیونکہ وہ کہیں اس کا ذکر تک نہیں کرتا۔ اور خندق بھی خلیفہ منصور کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مٹی سے بھر گئی تھی۔ کیونکہ جب مامون کی فوجوں نے "امین" کا محاصرہ کیا اُس وقت یہ خندق موجود نہ تھی۔ اور نہ اُس وقت کے واقعات میں اس کا کہیں مذکور ہے۔ لیکن مدینۃ المنصور سے ۱۹۳ھ ۸۰۹ء یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ تک اُسی طرح قائم تھا۔ ہارون الرشید کی وفات پر اُس کے دونوں بیٹوں مامون اور امین میں خلافت کا جھگڑا ہُوا۔ اگرچہ ہارون الرشید اپنی زندگی ہی میں دونوں کے درمیان خلافت تقسیم کر چکا تھا۔ لیکن ان تلواروں سے ایک نیام میں نہ رہا گیا۔ آخر ایک دوسرے کے مقابلہ کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون خراسان میں اور امین بغداد میں تھا۔ اگرچہ ابتدا میں امین نے پیش قدمی کی لیکن مامون کی فوج نے متواتر شکستیں دیں حتٰے کہ امین بغداد میں محصور ہوا۔ مامون کے دو جرنیل طاہر اور ہرثمہ نے دجلہ کے دونوں کناروں پر اپنی فوجوں کو پھیلا دیا۔ محاصرہ ایک سال تک قائم رہا۔ طاہر نے

مدینۃ المنصور کی دیواروں پر اس قدر منجنیق سے پتھر برسائے کہ اُن کا ایک حصہ بالکل
گر گیا۔ ایک سال کے محاصرہ کے بعد ۱۹۸ھ (۸۱۴ء) میں مدینۃ المنصور کی صورت بہت
کچھ بدل گئی تھی۔ مگر اس پر بھی مدینۃ المنصور ایک سو برس قائم رہا۔ ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں
باب الذہب بھی خاک کا ڈھیر تھا۔ لیکن جامع مسجد منصور آٹھویں صدی ہجری (چودھویں
صدی عیسوی) تک نمازیوں کی سجدہ گاہ تھی۔ وسطی دیوار ایک مورخ کے قول کے
مطابق جو ۳۰۰ھ میں بغداد کے واقعات لکھتا ہے ایک نہر کی وجہ سے جو باب کوفہ
کو آتی ہوئی اور مدینۃ المنصور کے کھنڈرات میں بہتی تھی۔ معدوم ہو چکی تھی ؎

خطیب ۳۰۷ھ (۹۱۹ء) کا ایک واقعہ لکھتا ہے کہ بغداد میں لوگوں نے بغاوت کی اور
مدینۃ المنصور کے جیل کے دروازے کھول کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ مگر پولیس نے پھر
اُنہیں گرفتار کر کے مدینۃ المنصور کے آہنی دروازوں میں بند کر دیا۔ آہنی دروازوں
کی کہانی اسی بیان پر ختم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کہیں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔
دجلہ اور فرات کے سیلاب اور نہر صرات کی طغیانیاں مدینۃ المنصور کو ہمیشہ نقصان
پہنچاتی رہیں۔ اگرچہ اکثر دفعہ پانی کو روکنے کا انتظام کیا گیا۔ مگر تاہم ۳۳۰ھ (۹۴۲ء)
میں بقول خطیب سیاہ رنگ کا پانی باب کوفہ تک چڑھ آیا۔ نہر صرات کے کنارے
کو توڑ کر مدینۃ المنصور کی بنیادوں میں بھر گیا۔ اکثر مکانات گر گئے۔ مسعودی مروج الذہب
میں باب الذہب کے گرنے کی نسبت بھی اسی قسم کا ایک واقعہ لکھتا ہے۔ اور بیان کرتا
ہے کہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ غالباً ۳۲۹ھ کے طوفان کی طرف اشارہ ہے ؎

یہ حالات ہیں مدینۃ المنصور کے جس کی بنیاد ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) رکھی گئی۔ اور ۱۴۹ھ (۷۶۶ء) میں اختتام
کو پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد باب بصرہ، کوفہ اور شام کے باہر جس کا مفصل حال
آئندہ فصلوں میں آئیگا۔ بغداد کی آبادی پھیلتی جاتی تھی۔ باب خراسان کے باہر
جس کا رُخ شمال مشرق کی طرف تھا اور دریائے دجلہ پر زاویہ قائمہ بناتا تھا خلیفہ نے
ایک "قصر خلد" بنوایا۔ خلد کا مفصل حال ہم آئندہ فصلوں میں لکھینگے۔ دریائے دجلہ کا
مشرقی کنارہ خالی پڑا تھا۔ شہر کی تعمیر کے بعد منصور نے ۱۵۱ھ (۷۶۸ء) میں اس جگہ جانب ایران

ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جگہ جم غفیر صحابہ اور تابعین اور علما و صالحین اور اولیاے کرام رضوان اللہ تعالے اجمعین کا مدفن ہے۔ اسی جگہ قریب قبر حضرت ام المومنین خدیجہ عنہ قبر خلیفہ ابی جعفر منصور ہے ؛

اطلاع

شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے ہر ایک علم و فن کے کتب بکفایت مل سکتی ہیں۔
مفصل فہرست درخواست آنے پر بلا قیمت روانہ ہوگی ؛

بغداد

مدینۃ المنصور بغداد کی ابتدائی عمارت تھی یا زیادہ موزوں الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بغداد کا بنیادی پتھر تھا۔ جسے بغداد کہتے ہیں مدینۃ المنصور کو اُس سے کچھ نسبت نہیں تھی۔ پانچ سو برس کے عرصہ میں بغداد کی کچھ اور ہی صورت ہو گئی تھی۔ خشت خام کی ابتدائی عمارتیں تو کچھ عرصہ بعد خاک میں مل گئیں۔ لیکن اُن کی جگہ ایسے عظیم الشان قصر اور باغات اور تفرج گاہیں بن گئیں کہ ہر ایک عمارت پر مدینۃ المنصور کے کل مصارف تعمیر سے بڑھ کر روپیہ خرچ ہوا تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد خلافت میں بغداد ہر ایک پہلو سے اپنا آپ ہی نظیر تھا*

یہ وہ دار الخلافہ تھا جس کے فرمانروا ایسی عظیم الشان وسیع سلطنت پر حکومت کرتے تھے۔ جو ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ممالک اسلام میں سے صرف "ہسپانیہ" ہی آزاد و مقابل کا حریف تھا شہنشاہ روم خود سر فرماں روا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور رہتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ بچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت[1] میں اس پر اور بھی اضافہ ہو گیا*

---

[1] خلافت عباسیہ کے چند مشہور اضلاع اور ہر ایک کے خراج کا جداگانہ ذیل کا نقشہ مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جو انہوں نے خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے تیار کیا ہے*

دیکھو صفحہ ۵۴

کے زمانہ میں خاص شہر بغداد کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ رفتہ رفتہ بغداد ایسا بارونق شہر بن گیا کہ اگر مختلف پہلوؤں سے اس کا تذکرہ کیا جائے تو کئی ایک دفتر بن جائینگے ؛

یہ وہ بغداد ہے جس کی خوشگوار آب و ہوا، دجلہ کی روانی، کشتیوں کی سیر، باغوں کی رنگینی، اور صبح و شام آفتاب کے طلوع و غروب کا دلربا سماں، الف لیلہ میں دکھلایا گیا ہے۔ اور جس کا نقشہ انوری ذیل کے اشعار میں کھینچتا ہے :-

اشعار

خوشا نواحیِ بغداد جای فضل و ہنر — کسی نشان ندہد در جہان چنین کشور

سواد او بمثل چون سپہر مینا رنگ — ہوای او بصفت چون نسیم جان پرور

بخاصیت ہمہ سنگش عقیق لولو خیز — بنفشہ ہمہ خاکش عبیر غالیہ بر

صبا سرشتہ بخاکش ہزار دست طوبی — ہوا سرشتہ در آبش حلاوت کوثر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴

نمبر شمار	ملک	خراج
۲۴	آرمینیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ رقم (ایک قسم کا پھل) پانسو قنطار۔ لیسابج ماہی دس ہزار رطل۔ سرخج دس ہزار رطل۔ خچر دو۔ نخچیر سے تیس ؛
۲۵	قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زبیب ہزار رطل ؛
۲۶	دمشق	چار لاکھ ۲۰ ہزار۔ درہم ؛
۲۷	اردن	ستانوے ہزار دینار ؛
۲۸	فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار۔ زبیب تین لاکھ رطل ؛
۲۹	مصر	انیس لاکھ ۲۰ ہزار دینار ؛
۳۰	برقہ	دس لاکھ درہم
۳۱	افریقہ	ایک کروڑ ۳۰ لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس ؛
۳۲	یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ ؛
۳۳	حجاز	تین لاکھ دینار ؛

ہارون الرشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا۔ ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے ؛

کنارِ دجله ز ترکانِ سیمتن خلّخ
میانِ رحبه ز خوبانِ بادِ رُخ کشمر

هزار زورق خورشید شکل بر سرِ آب
بدان صفت که پراگنده بر سپهر اختر

بوقت آنکه به برجِ شرف رسد خورشید
پگاه آنکه به صحرا کشد صبا لشکر

دهانِ لاله کند ابر معدنِ لؤلؤ
کنارِ سبزه کند باد مسکنِ عنبر

بشبه باغ شود آسمان بوقتِ غرّه
بشکلِ چرخ شود بوستان بوقتِ سحر

بوقتِ شام همی این بآن سپارد گل
پگاه بام همی آن باین دهد اختر

برنگِ عارضِ خوبانِ خلّخی در باغ
میانِ سبزه درافشان شود گلِ احمر

شگفته نرگس سم یا بطرفِ لاله ستان
چنانکه در قدحِ گوهرین مئے اخضر

ز برگ لاله فروزان بدان صفت که بوَد
ز مشک غالیه آگنده نسترین مجمر

نوای طوطی و بلبل خروشِ عکّه و سار
همی کنند خجل نغمهای خنیاگر

درین لطافت جای من از برای امید
بفالِ نیک گزیدم سفر بجای حضر

نماز شام بصحنِ ملک نمود مرا
عروسِ چرخ که نهفته روی در چادر

بدان صفت که شود غرق کشتئی زرّین
بطرفِ دریا چون نگسلانند از لنگر

بگردِ گنبدِ خضرا چنان نمود شفق
که گردِ خیمهٔ مینا کشیده شقّهٔ زر

ستارگان همه چون لعبتانِ سیم اندام
بسوگِ مهر برافگنده نیلگون معجر

بنات نعش همی گشت گردِ قطب چنان
که گردِ حقّهٔ پیروزه گوهرین زیور

بدان مثال همی تافت راه کاهکشان
که بر بنفشه ستان برکشیده صفِ عبهر

ز تیغ کوه بتابید نجم شب پروین
چنانکه در قدحِ لاجورد هفت درر

سپهر گفتی کانقاش نقش بانی گشت
که هر زمان بنگارد هزار گونه صوَر

ز برجِ جدی بتابید پیکرِ کیوان
بشکلِ شمع فروزنده در میانِ حجر

همی نمود درخشنده مشتری در حوت
چنانکه دیدهٔ خوبان ز عنبرین معجر

ز طرفِ میزان بتافت صورتِ مرّیخ
بدان صفت که مئے لعل رنگ در ساغر

چنانکه عاشق و معشوق در نقابِ کتان
بتافت تیر درفشان ز برهٔ انهر

بہ سہم لعبت بازاں سپہر آئینہ رنگ زماں زماں بنمود سے عجائب دیگر

۵۸۱ھ میں محمد[1] ابن جبیر اندلسی مشہور و معروف سیاح بغداد میں آیا
۱۱۸۵ء

[1] علامہ محمد ابن جبیر کی کنیت ابو الحسین ہے ولادت ہفتہ کی شب دسویں ربیع الاول ۵۴۰ھ بمقام بلنسیہ واقعہ ہوئی۔ آبا و اجداد اندلس کی مختلف آبادیوں میں آباد ہوتے رہے۔ باپ میر منشی تھا۔ اور شاطبہ کے اکابر میں شمار ہوتا تھا۔ ابن جبیر نے شاطبہ کی سکونت ترک کر کے غرناطہ میں بود و باش اختیار کی۔ یہاں وہ ابو سعید عثمان بن عبد المومن والی غرناطہ کا کاتب مقرر ہوا۔ شیخ احمد المقری نے اپنی کتاب "نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب" کے پانچویں باب میں ابن فتوح کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ ایک روز عبد المومن نے مے نوشی کے جلسہ میں ابن جبیر کو کسی کام کے لیئے طلب کیا۔ حاضر ہوا تو اُس کی جانب بھی جام شراب بڑھایا گیا۔ عرض کی کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ اس پر کچھ تو حمیت سلطنت اور کچھ نشے کی ترنگ کے سبب سے قسم کھا کر کہدیا کہ اب تو سات جام پینے پڑینگے مجبور ہو کر اُس نے سات جام پیئے۔ اور عبد المومن نے اس اتباع حکم کے صلہ میں اُس جام کو سات بار اشرفیوں سے بھر کر انعام دیا"۔ اس حکایت کی صحت پر ہمیں یقین نہیں۔ کیونکہ علامہ ابن جبیر صوفی مشرب پارسا آدمی تھا۔ یہی توقع نہیں ہو سکتی کہ اُس نے دیدہ و دانستہ یا خوف کے مارے ناجائز فعل کو اپنی ذات کے واسطے روا رطب ہو۔ بحالت توقف اگرچہ وہ معذور تھا لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جس نے کبھی شراب نہیں پی وہ ایک ہی دفعہ سات جام نوش کر جاسے اس واقعہ کو علامہ مذکور کے سفر کا باعث ظاہر کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ ابن جبیر نے گھر آکر مصمم ارادہ کر لیا کہ اس گناہ کے کفارہ میں حرمین شریفین کی زیارت کو جاؤنگا۔ تمام املاک جائداد کو فروخت کر کے زاد و راد کا انتظام کیا اور عبد المومن کے عطیہ کو خیرات کر دیا۔ ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں کہیں اشارتاً بھی اس کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک قصہ ہے ورنہ یہ بھی امید نہیں ہو سکتی کہ ابن جبیر اپنے سفر کی وجہ کو نہ بیان کرتا۔ اگر قدرتاً سیاحت کا اشتیاق نہ تھا تو غالباً گھر سے حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکلے۔ عجائبات عالم کو دیکھ دیکھ کر سیاحت کا خیال پیدا ہو گیا۔ ورنہ اگر یہ واقعہ غلط نہیں تو شراب کی جگہ نبیذ ہوگی۔ جس کی نسبت علما نے فتوے دیدیا تھا کہ مباح ہے مگر اکثر اہل اللہ اسے بھی حرام سمجھتے تھے۔ غرض جمعرات کے دن آٹھویں شوال ۵۷۸ھ میں ابن جبیر غرناطہ سے روانہ ہوا یہ اُس کا پہلا سفر ہے ۲۲۔ محرم ۵۸۱ھ جمعرات کے دن غرناطہ میں واپس آئے ؞

علامہ ابن جبیر سلطان صلاح الدین کا ہمعصر تھا۔ چنانچہ اپنے سفر نامہ میں سلطان کے حسن انتظام اور دیگر خوبیوں کی بہت تعریف کرتا ہے۔ جس وقت سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کر کے یورپی عیسائیوں کو شکست دی۔ علامہ ابن جبیر جمعرات کے دن ربیع الاول ۵۸۵ھ کو غرناطہ سے دوبارہ ممالک مشرقیہ کے سفر کو روانہ ہوا اور دوسرا سفر جمعرات کے دن ۱۳ شعبان ۵۸۷ھ کو ختم ہوا۔ لیکن اب کے غرناطہ میں اس کی رہائش چند روزہ تھی۔ غرناطہ سے ماسقہ اور پھر سبتہ اور یہاں سے فاس میں اقامت اختیار کی۔ ابن جبیر میں جہاں اور بہت سی خوبیاں تھیں ایک یہ بھی قابل تعریف بات تھی کہ اپنی بیوی سے بیحد انس تھا سبتہ میں جب بیوی کا انتقال ہوا۔ تو سخت صدمہ گذرا۔ دنیا سے دل بیزار ہو گیا زیارت بیت اللہ کے واسطے چلدیا مدت تک خانہ مطہر و مقدس میں رہا اور پھر مصر کو چلا گیا۔ یہاں سے اسکندریہ کو آیا۔ بقول مقریزی اس جگہ بدھ کے روز ۲۹ شعبان ۶۱۴ھ میں انتقال کیا ؞

اُس وقت خلیفہ ابو العباس احمد الناصر لدین اللہ (ابن المستضئ بنور اللہ ابی المحمد الحسن بن المستنجد باللہ ابی المظفر یوسف) تھا۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے ساتھ بغداد بھی تنزل پر تھا۔ حوادث زمانہ نے اس کا اکثر حصہ ویران کر دیا تھا چنانچہ

ﻟﮧ خلیفہ ابو العباس احمد الناصر لدین اللہ ۵۷۵ھ ۱۱۷۹ء میں تخت خلافت پر اپنے باپ المستضئ بنور اللہ ابو محمد حسن کا جانشین ہوا۔ ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء یعنی سینتالیس برس سلطنت کی۔ ابن جبیر اندلسی اسی کے عہد میں بغداد کی سیر کو آیا۔ بغداد کے تنزل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ناصر کے بعد ۳۰ برس میں خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ ناصر حسن تدابیر اور شجاعت کے علاوہ صاحب اقبال بھی تھا۔ تمام مخالفوں کا استیصال کر دیا۔ خلفا کی کرامتوں کی گویا اس نے ہوا باندھ دی۔ رعایا میں چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب کا حال اسے معلوم تھا۔ یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے اسے علم غیب ہے یا جنات کی امداد ہے۔ ملک ملک میں اس کے جاسوس موجود تھے۔ اور ڈھنگ اسے ایسے یاد تھے کہ مخالف بادشاہوں کو مدد دیتا تھا اور وہ نہ سمجھتے تھے۔ مخالف سلطنتوں کو لڑا دیتا تھا اور لوگ جانتے تھے۔ خوارزم شاہ کا ایلچی جب آیا اور سربمہر مراسلہ پیش کیا تو اس نے بے کھولے مطالب کے جواب دے دئیے۔ ایک معاملہ ایلچی یا تو نذراں کے ساتھ گذرا اُس کو بھی یہی یقین ہو گیا۔ ترکستان کی رعایا نے دور دراز کی مسافت سمجھ کر بغاوت کی جو فقط اُس کی باتوں سے فرو ہو گئی۔ جب "صدر جہاں" فاضل جلیل سمرقند سے روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ بہت سے فقیہ بھی چلے ایک ایک کے پاس نہایت گراں بہا گھوڑا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے نہ لیجاؤ خلیفہ لے لیگا۔ اُس نے کہا کہ مجھ سے کوئی نہیں لے سکتا۔ خلیفہ کو خبر لگی۔ اُسی وقت اشارہ کیا۔ عیاروں نے رستہ میں سے گھوڑا اُڑا لیا۔ جب وہ علما بغداد میں آئے اور ملازمت کے وقت خلعت اور انعام و اکرام ہوئی۔ تو اُس فقیہ کو خلعت کے ساتھ وہی گھوڑا اُس نے دیا۔ فقیہ مذکور رونے لگا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ایسی ایسی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اُس کی ہیبت اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ اہل ہند اور مصر اس سے اتنا ہی ڈرتے تھے جتنا اہل بغداد۔ اندلس اور اس کے بڑے بڑے شہروں سے لیکر سرحد چین تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ باوجود اس کے خوش خلق اور ظریف تھا۔ اس کے احکام اور تحریروں کے لطیفے لوگوں میں ضرب المثل تھے۔ سلطان صلاح الدین خلیفہ کا ہمعصر تھا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کو ایک دفعہ بطور ایلچی کے خوارزم شاہ کے پاس بھیجا۔ خوارزم شاہ دو تین لاکھ سوار کے ساتھ بغداد پر آ رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ سابق فیوں کی طرح میں بھی خلافت پر قابض ہو جاؤں۔ شیخ کو کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن خوارزم شاہ پیشتر اس کے کہ بغداد پر حملہ کرتا چنگیز خاں کے چنگل میں پھنس گیا۔ ابن جبیر خلیفہ ناصر کا حلیہ مفصلہ ذیل عبارت میں بیان کرتا ہے کہ "ہم نے خلیفہ کو دجلہ کی طرف محل خلافت کے مقابل میں کشتی پر سوار ہوتے دیکھا کشتی مغربی ساحل سے محلات شاہی کو واپس جا رہی تھی۔ خلیفہ جوان آدمی۔ سفید رنگ۔ خوبصورت۔ معتدل القامت۔ اور خوش منظر ہے۔ عمر پچیس سال کے قریب ہو گی۔ ڈاڑھی کے بال چھوٹے اور سرخ ہیں۔ اس وقت لباس میں زرنگار سفید قبا اور سر پر زرین ٹوپی تھی ٹوپی پر نہایت بیش قیمت سمور کی قسم کی سیاہ اون کا حاشیہ تھا۔ اس لباس میں ترکوں کی سی وضع بنا کر اپنی شان کو چھپایا ہوا تھا۔ مگر آفتاب کہیں چھپائے سے چھپتا ہے کہتا ہے اس روز صفر کی سولھویں ہفتہ کا دن اور شام کا وقت تھا۔ دوسرے دن اتوار کو ہم نے خلیفہ کو دجلہ کے کنارے اپنے محل کے جھروکے میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ہم بھی اُس مقام کے قریب ایک جگہ بیٹھے تھے۔

علامہ ابن جبیر خود ہی لکھتا ہے کہ "اگر خلفائے عباسیہ کا دارالخلافت نہ ہوتا تو اب تک سوا
بجز نام کے نشان بھی باقی نہ رہتا۔ حوادث کے قبل یہاں کی رونق قابل دید تھی
اور اس کا ثبوت منہدم عمارتیں زبان حال سے دے رہی ہیں" باوجود اس کے
ابن جبیر دریائے دجلہ کی نسبت جو شرقی اور غربی بغداد کے بیچ میں جاری تھا۔
لکھتا ہے کہ "دجلہ ہزاروں حسن پیدا کر رہا ہے۔ دریا نہیں بلکہ چوکھٹے میں آئینہ لگا ہوا ہے
یا کسی کے حسین گلے میں موتیوں کا ہار پڑا ہوا ہے۔ یہ دریا اس شہر کو تر و تازہ رکھتا ہے
شہر میں سے دریا صاف آئینہ کی طرح نظر آتا ہے۔ اس کی آب و ہوا سے نشاط پیدا
ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں کی آب و ہوا طرب انگیز مشہور ہے" اس کے بعد علامہ مذکور
باشندگان بغداد کی نسبت لکھتا ہے کہ "ہر ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ لم یخلق مثلہا
فی البلاد بغداد ہی کی صفت ہے۔ بغداد سا دوسرا شہر آباد ہونا دشوار ہے"۔
علامہ ابن جبیر لکھتا ہے کہ "اہل بغداد بجز اپنے شہر کے کسی شہر کو اچھا نہیں سمجھتے۔
گویا اُن کے نزدیک خدا کی خدائی میں نہ اُن کے شہر کے سوا کوئی شہر ہے اور نہ اُن
کی ذات کے سوا کوئی بندہ ہے" جو کچھ علامہ مذکور نے لکھا ہے واقعی بجا ہے اور
اہل بغداد کا جو کچھ خیال بغداد کی نسبت تھا وہ بھی صحیح ہے۔ اگرچہ یہ وہ زمانہ تھا
کہ دولت عباسیہ کے خاتمہ کو صرف بیس برس کے قریب رہ گئے تھے۔ لیکن اس پر
بھی جو کچھ لوگوں کا خیال اس کی نسبت تھا اُس سے اس کی حالت عروج کا کسی قدر
اندازہ ہو سکتا ہے۔

سنہ ۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) میں ابن بطوطہ[۱] بغداد میں آیا۔ خلافت عباسیہ کا ستارہ ایک عرصہ دراز سے

[۱] اس فاضل سیاح کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ابن محمد بن ابراہیم اور عرف ابن بطوطہ ہے۔ بلاد شرقیہ میں اس کا لقب شمس الدین مشہور ہے۔ شہر طنجہ جو کہ منجملہ بلاد مغربیہ ہے اس کا مولد ہے۔ اس کا ایک معاصر اس کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ شخص بڑا سچا، معتبر اور فقیہ ہے۔ ہندوستان میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں آیا اور سلطان کے دل میں ایسی جگہ لی کہ قاضی مقرر ہو گیا۔ مگر سلطان کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر طبیعت ملازمت سے متنفر ہو گیا
ابن بطوطہ شرقاً غرباً تمام دنیا میں پھرا ہے اس سے پیشتر اس پایہ کا سیاح کوئی نہیں گذرا۔ بعض باتوں میں ابن جبیر کو اس پر ترجیح ہے۔ لیکن جس قدر ممالک اور شہر ابن بطوطہ نے دیکھے ہیں (دیکھو صفحہ ۶۰)

غروب ہوچکا تھا۔ مگر ابھی تک درو دیوار شکستہ سے بھی ایک کیفیت ذہن میں آتی تھی
جس سے بغداد کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ دریائے دجلہ دریائے ٹیمز
(جو لنڈن میں بہتا ہے) کی طرح بغداد میں قدیم الایام سے بہ رہا تھا۔ اس مشہور و معروف
سیاح نے ان تمام کیفیتوں کو ملاحظہ کیا۔ جو اس سے پہلے ابن جبیر نے لکھی تھیں
وہ لکھتا ہے کہ دجلہ جو کہ وسط بغداد سے ہو کر نکلا ہے اس کی عجیب شان ہے اس
کی علی الاتصال روانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا شہر بغداد دجلہ کو دفع کرتا ہے
لیکن باوجود اس امر کے پھر بھی پیاسا اور حاجتمند اس کا نہیں رہتا۔ گویا ہر دم اسے
دفع کرنے میں مصروف ہے۔ دجلہ کے صاف و شفاف پانی کا عکس شہر کو ایک
ایسے صیقل شدہ آئینہ میں دکھلاتا ہے۔ جس پر کبھی زنگ نہیں آیا۔ چونکہ دجلہ بغداد
کے وسط سے گذرتا ہے۔ اس لئے اس کی تمام حسن و خوبی دجلہ کی آب و ہوا میں
ظاہر ہوتی ہے ٭

اس کے بعد ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بغداد کی تعریف میں اکثر شعرا نے زور طبع دکھایا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹۔ امن قبل ابن جبیر کی نظر سے نہیں گذرے لیکن جو کچھ علاوہ ابن جبیر لکھتا ہے نہایت تحقیق سے لکھتا
ہے۔ ابن بطوطہ اگرچہ محقق ہے مگر ان دونوں سیاحوں میں فرق اتنا ہے ابن جبیر واقعات پر بہت غور کر کے ہر بال کی کھال
نکالتا ہے اور معاملات کی اصلیت کو دریافت کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ ابن بطوطہ خوش اعتقادی کی وجہ سے اکثر مبالغہ آمیز واقعات
کو بالکل صحیح سمجھتا ہے۔ ابن بطوطہ ۱۷۔ رجب ۷۰۳ھ کو شہر طنجہ میں پیدا ہوا تھا۔ ۷۲۵ھ یعنی بائیس برس کی عمر میں بروز
جمعرات ماہ رجب کی دوسری تاریخ کو تن تنہا حج بیت الحرام اور زیارت روضہ اقدس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق
میں طنجہ سے روانہ ہوا۔ ماں باپ بقید حیات تھے۔ ابن بطوطہ اور والدین کو ایک دوسرے کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوا۔ مگر ہونہار
نوجوان سیاح کی مفارقت گوارا کی مگر سیر و سیاحت سے مانع نہ ہوئے۔ وجہ سفر اشتیاق حج اور زیارت روضہ اقدس تھی۔ اسی سفر
میں جو کچھ چشم دید واقعات کا اثر اس پر پڑا جس سے عجائبات عالم کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ موجودہ زمانہ میں ریل جہاز تھے جو کچھ سفر میں سہولتیں
پیدا کر دیتی ہیں اس زمانہ میں نہ تھیں۔ اور نہ موجودہ زمانہ کا سا امن تھا۔ لیکن اس جوانمرد نے تمام مشکلات کا سامنا کیا
دنیا کے تمام مہذب ممالک میں پھرا جنگلوں اور پہاڑوں پر گیا۔ بزرگوں کی زیارت کی علما کی صحبت سے فائدہ اٹھایا
حکمرانوں سے ملا۔ جہاں جاتا اپنے علم و فضل کی وجہ سے عزت کی نگہ سے دیکھا جاتا۔ بیس برس کی سیاحت کے بعد افریقہ
سلطان ابو عنان (جو خاندان ملوک بنی مرین میں بڑا جلیل القدر بادشاہ گذرا ہے) دربار میں آیا۔ اسی سلطان
کے حکم سے ابن بطوطہ نے اپنا سفرنامہ لکھا ٭

لیکن جو کچھ لکھا ہے بہت ٹھیک لکھا ہے۔ چنانچہ امام و قاضی ابو محمد عبدالوہاب علی بن نصر مالکی، بغدادی لکھتے ہیں کہ:۔

طِیبُ الھَوَاءِ بِبَغْدَادَ یُشَوِّقُنِیْ ۔۔۔ قُرْبًا اِلَیْھَا وَاِنْ عَاقَتْ مَقَادِیْرُ

یعنی بغداد کی پاکیزہ ہوا، مجھے شوق ولاتی ہے کہ اُسی کے قریب ہوں اور کہیں نہ ہوں اگرچہ مقدرات عائق و مانع ہیں۔

وَکَیْفَ اَرْحَلُ عَنْھَا الْیَوْمَ اِذْ جَمَعَتْ ۔۔۔ طِیبُ الھَوَائَیْنِ مَمْدُوْدٌ وَمَقْصُوْرُ

شاعر بغداد کی آب و ہوا، دلاویزی کا تذکرہ کر کے کہ وہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا اگرچہ مقدرات ہارج مانع ہیں کہتا ہے کہ میں ہاں سے آج کیونکر کوچ کر سکوں کیونکہ وہاں کی دونوں ہوائیں ممدود اور مقصور دلچسپ ہیں (ممدود ہوا سے مراد عشق و محبّت اور مقصور مرادف باد کا ہے جو کہ ایک عنصر ہے) یعنی ایک ہوا بغداد کی ایسی ہے کہ دوسری جگہ جانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ جب دونوں ہوائیں یعنی ہوائے بغداد کے ساتھ نسیم عشق و محبّت کے جھونکے روح کو تروتازہ کرتے ہوں تو وہاں سے سفر کرنے کی کونسی صورت ہے۔

قاضی صاحب کے اور بھی اشعار بغداد کی تعریف میں ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

سَلَامٌ عَلٰی بَغْدَادَ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ ۔۔۔ وَحَقَّ لَھَا مِنِّی السَّلَامُ الْمُضَاعَفُ

فَوَاللّٰہِ مَا فَارَقْتُھَا عَنْ قِلًی لَھَا ۔۔۔ وَاِنِّیْ بِشَطَّیْ جَانِبَیْھَا لَعَارِفُ

شاعر بغداد سے دوری اور حالت مفارقت میں لکھتا ہے کہ بغداد اس درجہ کا اچھا اور ہر دلعزیز شہر ہے کہ ہر ایک ملک والا اس سے محبت رکھتا ہے اور اُس کا شائق ہے اور ہر موطن میں بغداد پر سلام ہے۔ اور چونکہ بہ نسبت دیگر اشخاص کے میرا سب سے بڑھ کر حق ہے میری جانب سے بغداد کو دُگنا سلام پہنچے۔

اس کے بعد شاعر اپنی مفارقت کی وجہ بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے کسی دشمنی یا عداوت کی وجہ سے نہیں چھوڑا۔ یعنی کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہ تھا۔ اس وجہ سے مجھ سے اُس سے نفرت پیدا ہو گئی اور

وہاں رہنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ واللہ یہ بات نہیں بلکہ یہ خیال بھی نہ کرنا چاہئے کہ مجھے اس سے نفرت ہے۔ کیونکہ میں دجلہ کے دونوں کناروں سے بخوبی واقف ہوں یعنی بغداد کے شرقی اور غربی حصہ کی تفریح گاہوں اور عالیشان عمارتوں اور دجلہ کی روانی وغیرہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا یہ ایسی باتیں ہیں کہ بغداد سے دل اچاٹ ہو جائے۔

وَلٰكِنَّهَا ضَاقَتْ عَلَيَّ بِرُحْبِهَا   وَلَمْ تَكُنِ الْأَقْدَارُ فِيهَا تُسَاعِفُ
وَكَانَتْ كَخِلٍّ كُنْتُ أَهْوٰى دُنُوَّهُ   وَأَخْلَاقُهُ تَنْأٰى بِهِ وَتُخَالِفُ

ہاں یہ بھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ بغداد ایک تنگ شہر تھا اس لئے میری سمائی نہ ہوئی۔ نہیں۔ بلکہ اُس کی وسعت کا اندازہ تو کسی مقدار سے ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن میری بدقسمتی کی وجہ سے وہ صرف میرے حق میں ہی تنگ ہو گیا ہے۔ بغداد تو ایک دوست کی مثل ہے جس کے قرب کا میں خواہاں ہوں۔ لیکن اُس کے اخلاق کا میں متحمل نہ ہو سکا اور نہ اُن کی تاب لا سکا۔

قاضی ابوالحسن علی بن ذبیح لکھتے ہیں:-

اَلْفَيْتُ مَا بِعِرَاقٍ بَدْرًا مُنِيرًا   ذَكَرْتُ عَقِبَهَا وَنَاضَبْتُ بِحِيرًا
وَأَسْطَابَتْ رِيَاضًا ثُمَّ بَغْدَادَ   وَكَادَتْ لَوْلَا الْبِرَى اَنْ تَطِيرَا

میں نے عراق میں ایک ماہ کامل تابندہ جس نے تاریکی کو کافور کر دیا تھا پایا اور جس کی وجہ سے ملک عراق بوجہ کمال روشنی اُس ماہ تاباں (بغداد) کے مثل دوپہر کے روشن ہو گیا تھا۔ یعنی عراق تو اندھیرا تھا۔ صرف بغداد کی وجہ سے جو ماہ کامل کی طرح چمکتا ہے اُس پر اجالا ہوا۔ بغداد اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ آفتاب ہے جس نے تمام عراق پر دوپہر کی روشنی پھیلا رکھی ہے۔

بغداد کی ہوائیں پاکیزہ خوشبودار ہیں اور نہایت خنک اور نرم رفتار اور مؤثر ہیں۔ خطہ بغداد اگر زمین پر نہ ہوتا تو قریب تھا کہ بوجہ لطافت آب و ہوا کے اور اُس کی خوشبوؤں کے اُڑنے لگتا۔

شعرا نے بغداد کی تعریف میں اس قدر اشعار لکھے ہیں کہ اگر صرف اُنہیں جمع کیا جاوے تو ایک دفتر بن جائیگا۔ ان اشعار میں منجملہ اور امور کے ایک یہ بھی ہے کہ بغداد کی آب و ہوا کی بہت تعریف کی گئی ؞

چند ایک واقعات جن کا تذکرہ بغداد کی تاریخ میں اشارتاً کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ اور اُن مورخین کا تذکرہ بھی ضمناً کریں۔ جن کے ذریعہ ہمیں بغداد کے حالات معلوم ہوئے ہیں عہد خلافت عباسیہ کو اگر پانچ غیر مساوی حصوں میں بلحاظ واقعات تقسیم کر دیا جاوے تو تاریخ بغداد سمجھنے میں بہت کچھ سہولت پیدا ہو جائیگی (دیکھو نقشہ الف) پہلا دور سنہ ۱۴۵ھ ۷۶۲ء یعنی بغداد کی بنیاد سے لے کر سنہ ۲۱۸ھ ۸۳۳ء یعنی خلیفہ ماموں رشید کی وفات تک ہے۔ اس دور میں خلافت عباسیہ انتہائے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اس دور میں وہ خلفا ہوئے جن کی دولت و حشمت بڑے بڑے اُولوالعزم فتحمندوں کو بھی نصیب نہیں ہوئی ؞

دوسرا دور۔ ترکوں کا غلبہ اور معز الدولہ کا بغداد میں داخلہ اور اقتدار کا زمانہ ہے جو سنہ ۳۳۴ھ ۹۴۶ء میں ختم ہوا ؞

تیسرا دور۔ آل بویہ کا بغداد میں غلبہ ؞

چوتھا دور۔ آل بویہ کا تنزّل اور خاندان سلجوق کا غلبہ جو طغرل بیگ سنہ ۴۴۷ھ ۱۰۵۵ء میں شروع ہو کر سلطان سنجر کی وفات سنہ ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء میں ختم ہوتا ہے ؞

پانچواں دور۔ تنزّل۔ مغلوں کا حملہ بغداد پر سنہ ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں اور امیر المومنین مستعصم کا قتل ؞

دورِ اوّل

درحقیقت تاریخ بغداد کا آغاز ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) سے ہوتا ہے۔ جب کہ خلیفہ منصور نے دجلہ کے کنارہ اُس کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ اور دورِ اول کا اختتام خلیفہ مامون رشید کی وفات پر ہوتا ہے۔ منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی[1] تخت خلافت پر بیٹھا۔

[1] ابوعبداللہ محمد ابن منصور المہدی ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں باپ کے بعد خلیفہ ہوا۔ منصور نے اسے دجلہ کے مشرقی کنارہ پر زمین جاگیر میں عطا کی تھی۔ اس وقت مہدی فوج کو ساتھ لئے خراسان سے واپس آ رہا تھا۔ مشرقی بغداد کی بنیاد اسی کی وجہ سے پڑی۔ اور چونکہ اس جگہ مہدی اور اُس کی فوج نے چھاونی ڈالی ہوئی تھی اس لئے اسے "عسکر المہدیؒ" کہتے تھے۔
مہدی میں اگرچہ منصور کی سی باتیں نہ تھیں مگر وہ بہتر کا خلیفہ تھا۔ اگرچہ بغداد کو اُس نے کچھ ایسی ترقی نہیں دی مگر رفاہ عام کے لئے بغداد اور مکہ کے راستہ میں جا بجا عمارتیں اور تالاب بنوائے۔
علامہ ابن جبیر اُن ستونوں کا ذکر کرتا ہے جو مہدی نے حرم مقدس میں بنوائے تھے۔ ابن جبیر لکھتا ہے کہ "ابوعبداللہ محمد المہدی اصلحہ اللہ امر بتوسیع المسجد الحرام لحاج وعمارۃ فی سنۃ ۱۶۷ھ (حجاج بیت اللہ کے واسطے توسیع مسجد الحرام کا بندہ خدا محمد المہدی امیر المومنین نے سنہ ۱۶۷ھ میں حکم دیا)۔ مہدی نے مسجد الحرام کے گرد و پیش کے گھر ملا کر اسے وسیع کر دیا تھا۔ باب الصفا کے راستہ میں دستوں پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:-
امر عبداللہ محمد المہدی امیر المومنین اصلحہ اللہ باقامۃ ہذین الاسطوانین علما بطریق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الصفا لیتاسی بہ حاج بیت الحرام وعمارۃ علی یدی یقطین بن موسیٰ وابراہیم بن صالح فی سنۃ ۱۶۷ھ (سنہ ۱۶۷ھ میں معرفت یقطین بن موسیٰ وابراہیم بن صالح امیر المومنین محمد المہدی نے حجاج کی آگاہی اور پیروی کے واسطے اُس راہ میں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا کو تشریف لیجاتے تھے۔ یہ دو ستون بنوائے) اول اول مہدی بھی منصور کی طرح پردہ میں رہتا تھا کہ رعب شاہانہ زیادہ ہو۔ مگر کھلے اجلاس دربار کرنے لگا۔ ارکان دولت نے سبب پوچھا کہا کہ تم لوگوں کے دیکھنے میں زیادہ لطف ہے اس کی شاہانہ شان شوکت منصور سے بہت بڑھ چڑھ کر تھی۔ وفات سے پہلے خلافت کی نسبت فیصلہ کیا کہ دونوں بیٹوں میں سے اول ہادی اور اُس کے بعد ہارون تخت نشین ہو۔ ۱۶۹ھ میں فوت ہوا۔

مہدی کے بعد ہادی ۱۶۹ھ (۷۸۵ء) میں باپ کی وصیت کے بموجب خلیفہ ہوا۔ ہادی نے کل سوا برس خلافت کی۔ درحقیقت خلافت کی شان و شوکت کو نہ سنبھال سکا۔ اگرچہ فصیح ادیب اور رعب داب والا تھا۔ اپنے بھائی ہارون رشید کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ باپ کی وصیت کے بموجب اس کے بعد وہی حقدار تھا۔ ہادی کی اولاد اس طرح محروم رہجاتی۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ جس رات ہارون کی قتل کی سازش کی اُسی رات اُس کا اپنا انتقال[۱] ہو گیا۔ ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں ہارون[۲] رشید خلیفہ ہوا۔ اس کا عہد دولت اسلامیہ کے عین اوج اور ترقی

---

[۱] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ہادی رشید کو مارنا چاہتا تھا۔ ماں نے اُسی کو زہر لوا دیا اور رشید کو اُس کے شر سے بچا دیا۔ ہماری رائے میں یہ روایت غلط ہے۔ مہر مادری جس امر کا تقاضا کر رہی تھی اُس کے برخلاف کس طرح اُمید کی جاتی ہے۔ یہ کیس طرح ہو سکتا ہے کہ ہارون کو بھائی کے شر سے بچانا چاہتی تھی۔ مگر ہادی کو قتل کر کے "خیزران" (والدہ ہارون ہادی) کے حالات زندگی پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی۔ چونکہ یہ ایک عجیب امر تھا کہ ادھر ہادی نے ہرثمہ ابن اعین کو جو نسباً ہاشمی اور سپہ سالار افواج عباسیہ تھا۔ ہارون کے قتل کے واسطے مامور کیا اور ادھر رات کو اپنا فیصلہ ہو گیا قدرتاً خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہادی کی موت کا باعث ضرور کچھ نہ کچھ سازش تھی کیونکہ ناگہانی موت تھی اور ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنے بھائی کے قتل کے درپے تھا لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ ایک امر اتفاقی تھا۔ والدہ کی محبت اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ بیٹے کو زہر دیدے۔ کہتے ہیں کہ اُس کے گلے میں ایک زخم تھا۔ سویا ہوا تھا۔ کچھ مادہ فاسد حلق سے پھیپھڑوں میں گرا زور سے کھانسا زخم کھل گیا۔ اور دم بند ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط۔ بہرحال ہادی اپنی موت سے مرا اور یہ بالکل ممکن ہے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کہ کسی شخص کو ایک وقت بخار چڑھا اور رات کو مر گیا یا بحالت خواب جان نکل گئی۔ یا بیٹھے بیٹھے دم ہوا ہو گیا۔ چلتے چلتے مر گیا۔ ایسے ایسے اتفاقات اگرچہ اکثر نہیں مگر واقع ضرور ہوتے ہیں ؛

[۲] دنیا میں کون ایسا آدمی ہے جو ہارون رشید کے نام سے واقف نہ ہو گا۔ اس کے خصائل عجیب معجون مرکب تھے جن کی ترکیب متضاد اجزا سے ہوئی تھی۔ میدان جنگ میں فوج کا افسر تھا۔ دشمنوں کے مقابلہ میں بہادر سپاہی کے سے جوہر دکھاتا۔ عالم شہزادگی میں روم پر فوج لے کر گیا۔ فتح کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک جا پہنچا ۱۸۹ھ (۸۰۴ء) میں سرزمین روم میں ہرقلہ فتح کیا ۱۹۰ھ (۸۰۵ء) میں جزیرہ سسلی قبرس فتح کیا اور ۱۶ ہزار اسیران جنگ ہمراہ لایا۔ بزم عشرت میں بے تکلف دوست جمع ہوتے۔ نبیذ کا دور چلتا۔ ابراہیم موصلی کے ترانوں سے وجد میں آتا خود بھی ماہر علم موسیقی تھا شطرنج کھیلتا۔ چوگان بازی اور تیر اندازی کا شائق تھا۔ علما کی صحبت میں عالم تھا۔ علمی بحثیں ہوتیں۔ اسکے عہد میں تصنیفات کا زور شور تھا۔ سینکڑوں کتابیں غیر زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ الف لیلہ جیسے عجیب قصے جن سے بچہ بچہ واقف ہے اسی کے عہد میں اسکی تالیف شروع ہوئی۔ بے تعصب ایسا کہ یہودی عیسائی۔ پارسی۔ ہندو عالم اسکے دربار کے رکن تھے۔ تجارت کو رونق دی۔ بحیرہ روم اور قلزم کے درمیان تجارتی رستہ کھودنا چاہتا تھا لیکن وزرا نے برخلاف مشورہ دیا۔ ورنہ نہر سویز پہلے اسی کے عہد میں تجارت کا رستہ ہوتی۔ منتظم ایسا تھا اور رعب کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس قدر وسیع سلطنت کے کبھی کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ جہاں کہیں شورش کا احتمال تھا ہارون رشید مع فوج کے موجود تھا۔ خاندان برامکہ کو کچھ بے اعتدالی ظہور میں آئی۔ ہارون نے دیکھا کہ جعفر برمکی اس قدر صاحب اقتدار ہے کہ درحقیقت شہنشاہ کی حیثیت کھتا ہے اور اسکی وجہ سے خاندان برامکہ کا ایسا غلبہ ہے کہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں تو غصہ میں اس خاندان کو نیست و نابود کر دیا ؛

سلطنت کا وقت تھا۔ اپنی زندگی میں سلطنت اپنے بیٹوں مامون اور امین میں تقسیم کردی۔ معتصم کو بوجہ اُمّی ہونے کے محروم رکھا۔ لیکن خدا تعالےٰ کو یہ منظور تھا۔ کہ یہی شخص آخر میں بادشاہ ہو۔ اور اسی کی اولاد میں خلافت رہے۔ مامون کو خراسان کا گورنر مقرر کردیا۔

دور اول میں جو اقتدار بغداد کا تھا وہ پھر کبھی نصیب نہ ہُوا۔ تاریخ اسلام میں یہ زمانہ ایسے عظیم الشان واقعات کو لئے ہوئے ہے کہ جن کا نظیر پھر نہیں ملتا۔ اس دور میں خلفا خود ہی سپاہی اور خود ہی شہنشاہ تھے۔ اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ سوائے امین کے کسی خلیفہ نے بغداد میں انتقال نہیں کیا۔ اُن کے مقبرہ ممالک مقبوضہ کے مختلف حصّوں میں مکّہ معظمہ سے طوس واقع خراسان یا باب طرطوس تک پھیلے ہوئے ہیں۔

افسوس کہ دور اول میں بغداد کی تعمیر کے متعلق کسی مورخ نے مفصل حالات قلمبند نہیں کئے۔ صرف ایک تاریخی واقعہ طبری نے لکھا ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس وقت بغداد کی کیا حیثیت تھی اور مختلف عمارتیں کہاں کہاں واقع تھیں۔ یہ بغداد کا پہلا محاصرہ ہے۔ جس کے واقعات طبری نے مفصّل بیان کئے ہیں۔ ابتدائی مورخین اسلام میں سے طبری نہایت مستند ہے۔ تاریخی واقعات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہیں۔ بغداد کے محاصرہ اول کے حالات اس نے بہ سلسلہ روایت اُن لوگوں سے سُنے جو اُس وقت موجود تھے۔ اُن کے چشم دید حالات کو طبری نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ترتیب دیکر لکھا ہے اور ایسا مفصل لکھا ہے کہ اُن عمارتوں اور مقاموں کا نقشہ بھی کھنچا ہے۔ جن پر محاصرین نے حملے کئے اور جہاں محصورین نے اُن کو روکا یا مغلوب ہوئے۔ طبری اور یعقوبی اور دیگر مورخین کے اقوال کو جمع کرکے دور اول میں بغداد کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم یہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کریں محاصرہ اول اور بغداد کا مجمل حال لکھتے ہیں۔

بغداد دَورِ اوّل میں

فصل دوم وسوم میں لکھا جا چکا ہے کہ بغداد کی ابتدائی حالت کیا تھی مدینۃ المنصور مدوّر شہر چار میل کے دَور میں تھا۔ تین دیواریں تین دائروں کی طرح تھیں جن کا مرکز ایک ہی تھا۔ اور یہ مرکز ایوان شاہی قصر باب الذہب تھا۔ تینوں دیواروں میں برابر فاصلہ پر ایک دوسرے کے سامنے چار دروازے تھے لیکن خلیفہ منصور کی وفات یعنی ۱۵۸ھ کے پیشتر شہر انہی دائروں میں محدود نہ تھا۔ بلکہ چاروں طرف اُن سڑکوں کے ساتھ ساتھ جو شہر کے چاروں دروازوں سے نکل کر چلی گئی تھیں۔ بہت سے اور محلے آباد ہو گئے تھے۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ شہر کے مضافات اور دجلہ کے مشرقی کنارہ پر عسکر المہدی یا جس کا دوسرا نام رصافہ تھا ایک ہی وقت میں مدینۃ المنصور کے ساتھ آباد ہوئے۔ دریائے دجلہ نے بغداد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مدینۃ المنصور اور اُس کے مضافات کو غربی اور رصافہ کو شرقی بغداد کہتے تھے۔ رصافہ اس وقت عرض و طول میں پانچ میل کے دور میں تھا ۞

باب البصرہ یعنی مدینۃ المنصور کے جنوب مشرقی دروازہ سے شروع ہو کر ایک سڑک دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ محلہ شرقیہ دریا کے نزدیک اس کے ایک جانب اور محلہ کرخیہ جو بغداد کے جنوب میں چھ میل تک پھیلا ہوا تھا اس کے دوسری جانب خشکی کی طرف تھا۔ وہ سڑک جو بغداد سے مکہ معظمہ کو جاتی تھی "کرخ" کی جنوبی حد تھی۔ چونکہ یہ سڑک شہر کوفہ کی جانب تھی۔ اس لئے اسے شارع کوفہ کہتے تھے۔ شارع کوفہ باب کوفہ یعنی مدینۃ المنصور کے جنوب مغربی دروازے کی سڑک کی بڑی شاخ تھی۔ باب کوفہ سے جو سڑک جاتی تھی ایک شاخ تو یہی شارع کوفہ تھی۔ جو کرخ کو جنوب کی طرف گھیرتی ہوئی چلی گئی تھی۔ دوسری شاخ مغرب کی طرف جاتی تھی اسے شارع محول کہتے تھے۔ شارع محول قصبہ محول واقع نہر عیسیٰ کے قریب گذر کر "انبار"

واقع دریائے فرات کی طرف جاتی۔ باب شام یعنی مدینۃ المنصور کے شمال مغربی دروازہ سے ایک اور سڑک جسے شارع انبار کہتے تھے "محلہ حربیہ" کے مضافات سے گذر کر باب انبار کی طرف جاتی۔ اور اس جگہ خندق طاہر کے پل سے گذر کر قصبہ محول کے پرے شارع محول کو کاٹتی ہوئی یہاں تک نہر عیسےٰ کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ جاتی ؛

مدینۃ المنصور کے مغرب اور مضافات باب کوفہ کے پرے شارع محول کے دونوں جانب بہت سے مضافات قصبہ محول واقع تھے۔ اور باب شام کے شمال میں حربیہ اور اس کے مضافات پھیلے ہوئے تھے۔ حربیہ کے پرے دو مقبرے تھے جنہیں "کاظمین" کہتے ہیں۔ باب خراسان یعنی مدینۃ المنصور کے مشرقی دروازہ کے باہر خلیفہ منصور نے "قصر خلد" تعمیر کروایا تھا۔ یہ قصر اس سڑک کے داہنی جانب یا جنوب میں تھا۔ جو دریائے دجلہ کے جسر اوسط (وسطی پل) کی طرف جاتی تھی۔ اس پل کے دوسری طرف یعنی دجلہ کے دوسرے کنارہ پر "رصافہ" تھا۔ دجلہ کے شرقی کنارہ پر جسر اوسط کے شمالی سرے سے رصافہ شروع ہوتا۔ اس کے مشرق میں "محلہ شماسیہ" تھا۔ جو دریائے دجلہ کے کنارہ پر محلہ حربیہ کے عین بالمقابل شرقی بغداد کے باب خراسان تک پھیلا ہوا تھا۔ جسر اوسط کے جنوب میں "محلہ مخرم" تھا ؛

خلیفہ منصور کے عہد میں مغربی بغداد ہی آباد اور معمور شہر تھا۔ لیکن اس کے بیٹے اور جانشین مہدی کے زمانہ میں "رصافہ" میں بہت سے قصر اور منڈیاں بن گئیں۔ جس نے رصافہ کو بھی ایسا ہی بارونق بنادیا جس طرح خلیفہ منصور نے امراو وزرا کو جاگیریں عطا کرکے مدینۃ المنصور کے مضافات آباد کئے اسی طرح مہدی نے رصافہ کے شاہی محل اور جامع مسجد کے گرد امرا کو جاگیریں دیں۔ چنانچہ مہدی کے زمانۂ حکومت یعنی گیارہ سال کے عرصہ میں اس جگہ نہایت عالیشان قصر تعمیر ہو گئے ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت کا آغاز ہوا۔ اُس وقت مشرقی بغداد کے تین

بڑے محلے رصافہ شماسیہ اور مخرم دجلہ کے مشرقی کنارہ پر ایسے ہی بڑے شہر تھے جیسے کہ مدینۃ المنصور مع مضافات کے مغربی کنارہ پر تھا ؛

ابھی تک خلفا "قصر خلد" ہی میں رہتے تھے۔ اور دیوان یعنی مختلف سرکاری دفاتر مدینۃ المنصور میں برائے نام تھے۔ لیکن خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی نے مشرقی بغداد میں محلہ مخرم کے نیچے ایک قصر بنوایا۔ اس قصر کی وجہ سے وزارت مغربی بغداد سے مشرقی بغداد میں منتقل ہوگئی۔ اور اس کے بعد خلافت بھی اسی جگہ آگئی ؛

آل برامکہ کی تباہی کے بعد خلیفہ ہارون رشید کے آخری ایام بڑے بے لطفی سے گذرے۔ ہارون رشید کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹوں محمد امین اور مامون کے درمیان خلافت کا جھگڑا اٹھا۔ اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور آخر میں بغداد کا محاصرہ ہوا۔ جو تاریخ بغداد میں بغداد کا پہلا محاصرہ کہلاتا ہے ؛

بغداد کا پہلا محاصرہ

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان خلافت کو اس طرح تقسیم کیا کہ اول محمد اپنے بیٹے کے لئے بیعت ولیعہدی لیکر اسے "امین" کا خطاب دیا۔ پھر عبداللہ دوسرے بیٹے کے لئے بیعت لے کر "مامون" خطاب دیا اور ممالک فارس اور خراسان اُسے دیئے۔ پھر قاسم کے لئے بیعت لے کر "موتمن" خطاب دیا۔ اور جزائر حدود اس کے سپرد کیں۔ "معتصم" کو بوجہ امی ہونے کے سلطنت سے محروم رکھا۔ ہارون الرشید نے پھر وصیت کی کہ اول امین اور اس کے بعد مامون تخت نشین ہو۔ چنانچہ اس وصیت کی تائید میں دونوں سے دستاویزیں لکھوائیں اور اُن کی نقلیں کعبہ میں آویزاں کرویں ؛

معلوم نہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید سے مدبر اور دور اندیش شہنشاہ نے ایسی وصیت

کیوں کی گیا اُسے یقین تھا۔ کہ اُس کی وفات کے بعد اُس کی اولاد پابند رہیگی؟ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے "مہدی" اپنے باپ کی وصیت بالکل فراموش ہوگئی تھی وہ بھی بالکل اسی طرح کی تھی۔ دونوں بیٹوں میں سے اول ہادی اور پھر ہارون تخت نشیں ہو۔ لیکن ہادی نے جب دیکھا کہ وصیت کے مطابق اس کی اولاد محروم ہوجائیگی۔ تو ہارون کے قتل کے درپے ہوا۔ لیکن خوش قسمت ہارون بچ گیا۔ ہارون نے اپنے ذاتی تجربہ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور وہی غلطی اس سے بھی ہوئی۔ جو اس کے باپ نے وصیت کرنے میں کی۔ غالباً اُسے کوئی اور طریق نہیں سوجھا اگرچہ اُس کی عین خوشی تھی کہ اُس کی اولاد میں اتفاق رہے اور اُس نے اس بارہ میں بہت کوششیں کیں لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ اُس کی کوششیں بیفائدہ ہیں۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں وہ ان سے بدظن ہوگیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک رازداں سے کہا کہ میرے بیٹوں نے مجھ پر لوگ لگا رکھے ہیں۔ کہ وہی میرے ندیم بنے ہوئے ہیں جن میں مسرور، ماموں کا ہے۔ اور حکیم بختیشوع[۵۱]، امین کا۔ اور اسی طرح مونتن کا حال ہے*

محاصرہ بغداد کا باعث نہ صرف ہارون رشید کی وصیت ہے بلکہ اس کی وجہ زیادہ تر اس وقت مسلمانوں کی پولٹیکل طاقت کے مخالف اجزا تھے خلفائے راشدین کے بعد ہی دو فریق ہوگئے تھے۔ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔ نومسلم ایرانیوں نے خلافت کے جھگڑوں میں دخل دیا اور وقتاً فوقتاً کسی علوی یا فاطمی یا عباسی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر اموی بادشاہوں کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس وقت تک عربی فریق زور میں تھا لیکن ایشیامیں خاندان امیہ کی بربادی کے

---

[۵۱] جبریل بن بختیشوع بن جارجیس یونانی عیسائی دربار ہارون رشید کا مشہور فاضل طبیب تھا اس کے علاج بڑے بڑے معرکے کے مشہور ہیں۔ دربار رشید میں اس کا رتبہ وزارت سے کم نہ تھا۔ امین الرشید تخت نشین ہوا۔ تو وہ بھی اسکی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور بغیر اجازت اس طبیب کے پانی تک نہ پیتا تھا۔ ۲۳ برس تک ہارون الرشید کی خدمت میں رہا۔ عہد ماموں رشید میں بمقام مدائن ۲۱۳ھ میں فوت ہوا اور دیر مارجیس میں دفن ہوا۔ علاوہ طب کے دیگر فن میں بھی اُس کی تصانیف ہیں (ماخوذ از البرامکہ صفحہ ۳۰۲) *

بعد اسلام کی اصلی طاقت یعنی عرب، یورپ میں منتقل ہو گئی۔ جہاں عبدالرحمٰن اموی نے "سپین" میں عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ عربیوں کی حریفانہ طاقت سے میدان خالی پاکر اور عباسیوں کے زیر سایہ رہکر ایرانی بہت زور پکڑ گئے۔ چنانچہ خلافت عباسیہ کی تاریخ شاہد ہے کہ اُن کا غلبہ عربیوں پر ہمیشہ رہا۔ ناعاقبت اندیش خلفا نے اپنے ذاتی منفعت کے واسطے ان کرایہ کے ٹٹوؤں سے اصطبل شاہی کو بھر دیا۔ اور عربی نسل کے گھوڑوں کو چھوڑ دیا۔ میدانِ جنگ میں اور ضرورت کے وقت ان سے کیا کام نکل سکتا تھا۔ ابتدا میں تو انہی کی بدولت خانہ جنگی کی آگ مشتعل رہی۔ اور اس عرصہ میں بیشمار عربی بہادروں کا خون پانی کی طرح بہا یا گیا۔ وہ حقیقت عربی بہادری کا جوہر جن سے غیر اقوام ہمیشہ خائف تھیں۔ انہی خانہ جنگیوں کی بدولت معدوم ہو گیا۔ مدت تک عربی اپنی طاقت کو قائم رکھنے کے واسطے کوشش کرتے رہے۔ لیکن خلفا اُنہیں روز بروز توڑتے رہتے تھے۔ اُن کے وزیر نو مسلم مجوسی اور جنگی طاقت بھی آتش پرستوں کی اولاد تھی۔ ہارون اور مامون کے دربار میں انہی کا اقتدار تھا۔ اور دن بدن اُن کا اقتدار بڑھتا گیا۔ اور عربی رفتہ رفتہ ایسے کمزور ہو گئے کہ پھر نہ سنبھل سکے۔ ایک دو صدیوں نے پلٹا کھایا۔ اور خانہ جنگی کی آگ قدرتاً بجھ گئی۔ غیر اقوام نے مسلمانوں پر حملے شروع کئے عیش پسند بزدل ایرانیوں نے اُن کا کیا مقابلہ کرنا تھا۔ اُن کی تمام سپاہیانہ طاقتیں تو ایک عرصہ سے مردہ ہو چکی تھیں۔ مگر اس کا زہریلا اثر جو کچھ اسلام اور مسلمانوں پر ہوا۔ اُس کا نتیجہ آج ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے۔ اُس زمانہ سے لیکر آج تک اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرو۔ تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے کہ دولت اسلام کے زوال کا باعث صرف یہی نو مسلم مجوسی تھے ۔

غرض سنہ ۱۹۳ھ ۸۰۹ء میں ہارون الرشید کا انتقال ہو گیا۔ مامون الرشید کے قبضہ میں خراسان کی حکومت تھی۔ اور محمد امین بغداد میں تھا۔ دو فریق تو پہلے ہی سے تھے۔ لیکن مامون جو ماں کی جانب سے ایرانی تھا ایسی تقسیم کا مالک بنا جہاں ایرانیوں

کا بہت زور تھا۔ اُدھر محمد امین جس کی ماں زبیدہ خاتون تھی۔ اور جو خالص عربی تھا۔ عرب پر حکمراں تھا۔ دونوں فریق اس وقت علحدہ علحدہ ایک دوسرے کو غضب کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ ایسا زمانہ تھا کہ اس وقت محسوس نہ ہو سکتا تھا۔ کہ یہ رقابت کس وجہ سے ہے اور اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

ہمارا منصب نہیں کہ اس خانہ جنگی کے اسباب پر بحث کریں۔ اور اُس کے نتائج ناظرین پر ظاہر کریں۔ لیکن چونکہ اس واقعہ کا تعلق ہماری تاریخ بغداد کے ساتھ بہت کچھ ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اسی ایک واقعہ سے وہ تمام واقعات وابستہ ہیں۔ جو تاریخ بغداد کے صفحات پر مطالعہ میں آتے ہیں۔ تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بحیثیت ایک مورخ کے نہیں مگر ایک محقق کی طرح ہم بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔

مورخین نے جو جو کچھ امین کی نسبت لکھا ہے صحیح ہے۔ امین ذکی الطبع۔ فصیح و خوش تقریر۔ پاکیزہ رُو۔ خوش شمائل تھا۔ مامون میں یہ سب باتیں تھیں لیکن حسن صورت نہ تھا۔ امین کے مقابلہ میں اُسے ہم فصیح بھی نہیں کہہ سکتے۔ امین کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عیش پسند تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ایسا ہی تھا۔ مگر —— مگر کیا ہارون عیش پسند نہ تھا۔ کیا۔ کیا اس کا حریف مامون عیش پسند —— عیاش نہ تھا۔ اور کون بادشاہ عیش پسند نہ تھا۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عیاشانہ زندگی بسر کرنیکا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ اور "امین" اس سے بے خبر تھا۔ مگر اُس کی اپنی خصلت مامون کے غلبہ کا باعث نہیں۔

مورخین امین پر بھی یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے باپ کی وصیت کا کچھ پاس نہیں کیا۔ مامون کو خلافت سے محروم رکھنا چاہتا تھا۔ اور عہد شکنی کی۔ اور جنگ کی ابتدا کی وجہ بھی یہی ہے۔

خانہ جنگی کا باعث خواہ کچھ ہو اس پر بحث نہیں۔ لیکن ہماری رائے میں امین کا ہارون رشید کی وصیت کو بالائے طاق رکھ کر مامون کو خلافت سے محروم رکھنا

اُن دوراندیش وزرا کے مشورہ کی وجہ سے تھا۔ جنہیں غیر اقوام کی طاقت اور عرب کی کمزوری مامون کی تخت نشینی کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ اور یہ کیا بیہودہ وصیت تھی جس کا پاس " امین " جیسا نجیب الطرفین شخص ایک کنیز زادہ کے حق میں کرتا۔ درحقیقت یہ وصیت امین کے حق میں بہت مضر تھی۔ وہ اس کا پابند کیوں ہوتا۔ " امین " اگر مامون اسے امن وچین سے حکومت کرنے کی اجازت دیتا۔ اپنی چند روزہ زندگی عیش وعشرت میں تا جس طرح کو بسر کرتا لیکن اُس کی اولاد خلافت سے محروم رہتی ⁂

ہارون الرشید کی وصیت کا منشا یہی تھا کہ اُس کے بعد صرف " امین " اور " مامون " اور اُس کی اولاد خلافت کی مستحق ہے۔ ازروے انصاف یہ تقسیم خلافت سراسر ظلم تھا۔ ہماری راے میں " امین " نے بہت اچھا کیا کہ ایسی وصیت کو کچھ وقعت نہیں دی۔ لیکن بوجوہات دیگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ تو مسلم مجوسی بہت زور پکڑ گئے تھے۔ اور عربی بہت پست ہو چکے تھے۔ " امین " نے بہت جلدی کی۔ سب سے پہلے اُسے اُس خرابی کو رفع کرنا چاہئے تھا۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ کرتا تو کامیابی یقینی امر تھا ⁂

جس طرح عربی مامون کی خلافت کے خواہاں نہ تھے اُسی طرح ایرانی " امین " کو نہ چاہتے تھے۔ مامون کو وہ اپنا بھائی کہتے تھے۔ وجہ یہ کہ مامون کی ماں عجمی تھی ⁂

اول اول تو " امین " کو کامیابی ہوئی۔ لیکن وہ ابتدائی جوش وخروش تھا حریف کی زبردست طاقت اُس پر غالب آئی۔ " امین " کی فوج کا سپہ سالار علی بن عیسےٰ ، مامون کے جرنیل طاہر ذوالیمینین کے مقابلہ میں مارا گیا۔ دوسری لڑائی میں ایک اور سپہ سالار عبدالرحمن کام آیا۔ مامون کے فتحمند سپہ سالار طاہر اور ہرثمہ ، بغداد کی طرف بڑھنے لگے جنگ کے مفصل حالات " بغداد " کے متعلق نہیں اس لئے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ تمام عراق اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان۔

وغیرہ وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا ۱۹۷ھ میں بغداد پر آ پہنچا۔ اور محاصرہ ڈالدیا ؎

اس وقت امین کی طاقت صرف بغداد کی چار دیواری تک ہی محدود تھی لیکن اس طاقت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محاصرہ ایک سال تک قائم رہا۔ باوجودیکہ محاصرین نے شہر کی تسخیر میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مامون بذاتِ خود خراسان میں تھا اور اُس کی فوجوں نے بغداد کا محاصرہ ڈالا ہوا تھا۔ بغداد پر دونوں جانب سے حملہ کیا گیا۔ ہرثمہ شرقی جانب پر تھا۔ اور طاہر نے مدائن پہ دجلہ کو عبور کیا۔ اور شارع کوفہ کے راستہ بغداد کی غربی جانب آیا۔ فوجوں کی نقل و حرکت کی مفصل کیفیت طبری نے لکھی ہے :۔

ہرثمہ نے امین کی فوج کو نہروان پر شکست دیکر مشرقی بغداد کی نہر بین پر خیمے ایستادہ کئے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بعد میں قصر ثریا تعمیر ہوا۔ ہرثمہ نے اس جگہ خیموں کے گرد ایک دیوار کھینچی اور اُس کے باہر حفاظت کے واسطے ایک خندق بھی کھدوائی۔ ہرثمہ کا میمنہ دریائے دجلہ کے کنارہ پر باب شماسیہ کے سامنے تھا۔ اور میسرہ میدان رقہ میں تھا۔ جو امین نے چوگان بازی کیواسطے تیار کروایا تھا۔ اس زمانہ میں مشرقی بغداد کی کوئی شہر پناہ نہ تھی لیکن اہل شہر نے حفاظت کے واسطے آمد و رفت کے واسطے تمام راستے بند کر دئے تھے۔ اور اُسی طرح گھروں کی دیواروں ہی فصیل کا کام دیتی تھیں ؎

مغربی جانب طاہر کا ہیڈکوارٹر باب انبار کے باہر ایک باغ میں تھا۔ اس جگہ نہر بہتی تھی جو پھر طاہر کے نام سے خندق طاہر مشہور ہوئی۔ اس پر ایک پل تھا۔ بغداد پر طاہر کا حملہ اسی جگہ سے شروع ہوا۔ بذریعہ منجنیق کے محلہ حربیہ کے اکثر مکانات مسمار کر دئے گئے۔ چنانچہ محلہ حمید واقع دریائے دجلہ سے لیکر باب شام سے ہوتے ہوئے باب کوفہ اور نہر صرات کے ساتھ ساتھ تباہی اور ویرانی کا درد انگیز منظر تھا۔ رہی سہی عمارتوں میں آگ لگائی گئی۔ اور نہر صرات خورد و کلاں کے اتصال پر جو کارخانہ چکیوں کا تھا اُس کا ایک حصہ

اس کے شعلوں کی نذر ہوگیا۔ اور محلہ حمید سے لے کر نہر کرخیہ تک قتل عام کا سین تھا
محاصرہ طول پکڑتا جاتا تھا۔ اور محصورین مع اہل شہر جان سے بیزار ہو گئے تھے +

زبیدہ۔ ہارون الرشید کی بیوی؛ امین کی ماں کے محل پر حملہ کیا گیا۔ قصر باب قطربل کے متصل زبیدیہ میں واقع تھا۔ بیکس بیوہ عورت سراسیمگی کے عالم میں قصر سے بھاگ کر مدینۃ المنصور میں بدقسمت بیٹے کے پاس آئی۔ اس وقت امین کی جائے پناہ مدینۃ المنصور مع قصر خلد اور مضافات واقع کنار دجلہ تھی۔ حریف روز بروز پیش قدمی کرکے دونوں جانب سے برابر دباتا چلا آتا تھا۔ محصورین بھی جان توڑ کوششیں کرتے۔ مختلف مقاموں پر خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ محاصرین کا بہت کچھ جان و مال کا نقصان ہوا۔ لیکن آخر میں محصورین پس پا ہوئے دجلہ کے کناروں پر عجیب خوفناک منظر تھا۔ نومسلم مجوسیوں نے بغداد کے مختلف مقامات کو آتشکدہ بنا دیا تھا۔ خوبصورت عمارتوں سے شعلے اُٹھتے تھے لوگ گھبرائے ہوئے جدھر جس کا مُنہ اُٹھا بھاگے۔ کسی مقام پر تلوار چل رہی تھی کسی قصر یا دیوار پر منجنیق برس رہے تھے۔ تیر دونوں جانب سے پیغام اجل پہنچا رہے تھے۔ غرض بغداد کے دونوں حصّوں میں موت کا بازار گرم تھا۔ محصورین آہستہ آہستہ پس پا ہوتے ہوئے مدینۃ المنصور کے دائرہ میں آ گئے۔ اور تمام راستے آمد و رفت کے بند ہو گئے۔ "محلہ کناسہ" میں ایک خونریز لڑائی فریقین کے درمیان ہوئی۔ محصورین نے "باب محول" کے پرے "درب الحجارہ" کے قریب محاصرین پر اس سختی سے حملہ کیا کہ اس جگہ دشمن بہت نقصان اُٹھا کر پس پا ہوا۔ نامی افسران فوج کام آئے۔ لیکن طاہر کمک لیکر فوراً بذاتِ خود آ پہنچا۔ محصورین نے اسی جوش خروش کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ طاہر بھی موت کے مُنہ میں آ چکا تھا۔ مگر زندگی تھی کہ بچ گیا۔ اور محصورین مردانگی کے جوہر دکھا کر پس پا ہوئے اس ایک لڑائی نے طاہر کو چوکنا کر دیا۔ محاصرہ اس قدر طول پکڑ گیا تھا کہ کئی دفعہ

طاہر بغداد کی تسخیر سے مایوس ہوگیا۔ بلکہ اُسے یقین ہوگیا کہ شہر تلوار کے زور سے فتح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اُس نے فریب اور دغا سے کام نکالنا چاہا۔ اور اس میں اُسے نمایاں کامیابی ہوئی۔ امین کے فوجی افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ لیکن وفادار رعایا ابھی تک حسبِ معمول "امین" کے ساتھ تھی ؂

ابھی تک ماموں کی دونوں فوجیں ایک دوسرے کو کچھ مدد نہیں دے سکتی تھیں۔ کیا دجلہ درمیان حائل تھا۔ ہرثمہ کو بہ نسبت طاہر کے مشرقی بغداد میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ اور وہ اس قابل تھا کہ طاہر کا وقت پر ہاتھ بٹائے۔ اس لئے دجلہ پر کشتیوں کا ایک پل باندھا گیا۔ کہ دونوں لشکروں میں آمد و رفت کا سلسلہ قائم رہے۔ ہرثمہ نے مشرقی بغداد کے باب خراسان پر مجموعی طاقت کے ساتھ حملہ کیا۔ اور سخت کشت و خون کے بعد مشرقی بغداد پر قابض ہوگیا۔ اس طرح بغداد کا ایک حصہ تو فتح ہوگیا۔ لیکن ابھی تک مدینۃ المنصور جس میں امین محصور تھا باقی تھا۔ محاصرہ ۱۹۶ھ کے اختتام سے پیشتر شروع ہوا تھا۔ اور ۱۹۸ھ میں ہرثمہ نے مشرقی بغداد پر قبضہ کیا۔ بعد ازاں اُس نے جسر اوسط کو کاٹ دیا تاکہ محصورین ایک دوسرے کو کسی طرح مدد نہ دے سکیں۔ یا بھاگ کر مدینۃ المنصور میں "امین" کی طاقت کو نہ بڑھائیں ؂

مغربی بغداد ابھی تک مقابلہ پر اڑا ہوا تھا۔ لیکن اب محصورین کو یقین ہوگیا کہ سب کوششیں بے فائدہ ہیں۔ شہر کے سوداگروں نے طاہر سے امان طلب کی فوجی افسروں نے امین سے دغا کی اور طاہر سے جا ملے۔ ان سب باتوں سے طاہر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے نہایت آسانی سے مدینۃ المنصور کے جنوبی محلوں پر قبضہ کرلیا۔ ان میں شرقیہ اور کرخ شامل تھے۔ اور بعد ازاں جسر العتیق اور ایک اور نو تعمیر شدہ پل کو توڑ دیا۔ تاکہ محصورین کو مسخر شدہ مقامات سے کمک نہ پہنچے۔ بدقسمت "امین" اور اُس کی والدہ زبیدہ قصر باب الذہب میں آگئے۔ یہ آخری پناہ کی جگہ تھی۔ لیکن ابھی تک قصر خلد اور اُس کے باغات میں سے دجلہ کا راستہ کھلا تھا

اور امین کو رہے سہے جاں نثار مشورہ دیتے تھے کہ بغداد سے بھاگ نکلیں اور دجلہ کے راستہ شام کا راستہ لیں۔ وہاں پہنچ کر ماموں سے سمجھ لینگے۔ امین بھی یہی چاہتا تھا۔ مگر طاہر نے مدینۃ المنصور کے گرد محاصرہ ڈالا ہوا تھا۔ قصر خلد کے باغوں سے لے کر نہر صراۃ کے کنارے کنارے باب بصرہ اور کوفہ کے سامنے اور اس جگہ سے شمالی جانب دریا کی طرف آتے ہوئے باب الشام سے گذر کر پھر قصر خلد تک طاہر کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور دجلہ کے کنارے پر محلہ مخرم کے سامنے ہرثمہ کے منجنیق ایستادہ تھے۔ جو قصر خلد پر متواتر پتھر برسا رہے تھے۔ قصر خلد پر ہرثمہ کا قبضہ ہوگیا۔ اب تمام راستے بند تھے۔ امین کے ہاتھ سے یہ آخری موقع بھی نکل گیا ❊

اگرچہ بغداد میں اب کچھ طاقت نہ تھی لیکن طاہر کو حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ شہر میں ایک دفعہ بزور شمشیر داخل ہو۔ امین ہر طرف سے مایوس ہوگیا تھا۔ امین کے لئے سوائے اس کے اب کچھ چارہ نہ تھا کہ اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ کر دے لیکن طاہر سے اُسے دلی نفرت تھی۔ اس لئے ہرثمہ سے خط و کتابت کی اور کہا کہ برادر نامہرباں ماموں کے پاس پہنچا دو۔ جو سلوک وہ میرے ساتھ کرے مجھے منظور ہے ❊

ہرثمہ، اگرچہ ماموں کی فوج کا ایک سپہ سالار تھا اور نہایت وفاداری سے اپنے فرض منصبی کو انجام دے رہا تھا۔ بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ بغداد پر قبضہ بھی اسی کی بدولت ہوا۔ مگر پھر بھی وہ رحم دل سپاہی تھا۔ وہ امین کے خون کا خواہاں نہ تھا۔ وہ خود بھی ہاشمی تھا۔ اُس نے امین کے اظہار اطاعت پر امین کو یقین دلایا کہ بے فکر رہیں کوئی شخص آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر ایسی حالت میں خود ماموں بھی کچھ بُرا ارادہ کرے تو جب تک میرے دم میں دم ہے اُسے کبھی اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ہوگی۔ جس وقت یہ معاملہ طاہر پر کھلا۔ آگ بگولا ہوگیا۔ کہ جنگ اور فتح کا خاتمہ امین کی اسیری تھی۔ وہ اب ہرثمہ کے ہاتھ

سے ہوتی ہے۔ اس لئے اور تو کچھ نہ کر سکا قصر خلد اور دجلہ کے کنارہ پر سپاہی تعینات کر دئے کہ جس وقت امین اس طرف آئے فوراً گرفتار کر لو۔ ہرثمہ کو بھی طاہر کے دلی ارادوں سے آگاہی ہو گئی۔ امین کو کہلا بھیجا کہ آج رات اور صبر کرو صبح مع فوج کے آکر آپ کو ساتھ لے آؤنگا۔ مگر امین کچھ ایسا گھبرایا ہوا تھا۔ کہ مدینۃ المنصور میں اور ایک رات ٹھہرنا دشوار معلوم ہوتی تھی۔ ہرثمہ کو کہلا بھیجا کہ میں آتا ہوں۔ ناچار ہرثمہ دجلہ کے مغربی کنارہ سے کشتی پر سوار ہوا۔ اور قصر خلد کی طرف چلا۔

نوجوان حسن مجسم امین کا اپنے بیٹوں اور ماں کو چیختے چلاتے چھوڑنا اور ایک بیکسی کی حالت میں مدینۃ المنصور سے نکلنا نہایت ہی درد انگیز واقعہ ہے امین قصر خلد کے باغوں سے نکلکر دجلہ کے کنارہ پر پہنچا۔ ہرثمہ کشتی میں منتظر تھا نہایت عزت و حرمت سے پیش آیا۔ لنگر اٹھایا ہی تھا کہ مشرقی کنارہ سے منجنیق کے پتھر کشتی پر پڑے۔ کشتی الٹ گئی۔ امین فوراً کپڑے پھاڑ کر دریا میں کودا۔ اور پیر کر دجلہ کے دوسرے کنارہ پر آیا۔ لیکن طاہر کے آدمیوں نے امین کو گرفتار کر لیا۔ اور صبح ہونے سے پہلے ایک ہاشمی خلیفہ کا سر طاہر کے حضور پیش کیا گیا۔ بعد ازاں خراسان کی طرف ماموں کی خدمت میں بھیجا گیا۔

بیوہ ماں کے دل پر جو کچھ صدمہ بیٹے کے قتل سے ہوا وہ ذیل کے منظوم خط سے جو اس نے ماموں کی طرف لکھا بخوبی واضح ہوتا ہے:۔

لوارث علم الاولین وفهمهم

وللملك المامون من ام جعفر

(ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ ماموں کے نام جو کہ اگلوں کے علم و فہم کا وارث ہے)

كتبت وعيني مسبل دموعها

اليك ابن عمي بن جفوني و محجر

(اے ابن عم میں تجھ سے کہہ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں)

وقد مسّنی ذل و ضر کآبۃ

وارق عینی یابن عمی تفکرا

(مجھ کو ذلت اور اذیت نے رنج پہنچایا اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا)

انی طاھر لا طھر اللہ طاھرا

فما طھر فیما الی عبطھر

(طاہر کا کیا ہے جس کو خدا طاہر نہ کرے اور جو کچھ اُس نے کیا اُس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا)

فاخرجنی مکشوفۃ الوجہ حاسرا

وانھب اموالی واخرب ادوری

(اُس نے مجھے برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا اور میرا مال لوٹ لیا مکانات برباد کر دئے)

یعز علی ھارون ما قد لقیتہ

وما عربی من ناقص الخلق اعود

(اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھ پر گذرا ہارون ہوتا تو اس کو گراں گذرتا)

فان کان ما ابدی یامرا مرتہ

صبرت لامر من قدیر مقدر

(طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے حکم مقدر پر میں صبر کرتی ہوں)

امین کا ماتم ایک عرصہ تک بغداد میں ہوتا رہا۔ لوگوں کے خیالات اس قدر ماموں سے برگشتہ تھے کہ کچھ مدت بغداد میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔ شاعروں نے بغداد کی بربادی اور امین کے قتل کو نہایت دردانگیز الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ابو عیسیٰ لکھتا ہے :۔

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول

لمد قطب نفسی اسمیک قتیلا یا قتیل

(میں نہیں جانتا تجھ پر کیونکر اور کیا کہہ کے روؤں۔ اے مقتول! دل گوارا نہیں کرتا کہ تجھ کو مقتول کہوں)

محمد ابوعبداللہ امین ابن الرشید نے پانچ برس سلطنت کی۔ ۱۹۸ھ ۸۱۳ء میں قتل ہوا ؛

عبداللہ ابوالعباس مامون[1] ابن الرشید ۱۹۸ھ ۸۱۳ء میں مستقل طور سے خلیفہ ہوا۔ اور امین کی قتل کے چند ماہ بعد بغداد میں خراسان سے آیا۔ محاصرہ کی وجہ سے دارالخلافت تباہ ہو رہا تھا اسے از سرِ نو تعمیر کیا۔ خلافت عباسیہ اس وقت عین سمت الراس میں تھی۔ اس کا عہدِ خلافت ہارون رشید کے زمانہ سے کئی ایک پہلو سے بڑھ کر ہے ؛

اگرچہ بغداد از سرِ نو تعمیر ہوا لیکن پرانی یادگاریں ایسی مٹ گئیں کہ پھر نہ بنیں۔ مدینۃ المنصور کی دیواریں تو منجنیق کے پتھروں نے ایسی گرا دیں کہ مامون پھر انہیں بلند نہ کر سکا۔ غرض مدینۃ المنصور بغداد کے پہلے محاصرہ کے اختتام پر ویران ہو گیا ؛

مامون نے مغربی حصہ کو چھوڑ کر مشرقی بغداد میں رہائش رکھی۔ اس جگہ ہارون الرشید کے عہد میں جعفر برمکی نے ایک قصر محلہ مخرم کے نیچے بنوایا تھا۔ اسے ابتدا میں قصر جعفری کہتے تھے۔ مامون کے وزیر حسن ابن سہل نے اسے اور وسعت دی اس لئے اسے قصر حسنی کہتے تھے لیکن جب مامون نے اس جگہ اقامت اختیار کی تو قصر مامونی مشہور ہوا۔ اس قصر کے مفصل حالات ہم آئندہ فصلوں میں لکھیں گے ؛

مامون کی وفات کے بعد اُس کا بھائی معتصم[2] باللہ ابو اسحٰق محمد ابن الرشید ۲۱۸ھ ۸۳۳ء

---

[1] مامون اور اُس کے عہد کے مفصل حالات کے لئے دیکھو المامون مصنفہ مولانا شبلی نعمانی پروفیسر علیگڑھ کالج۔ مامون کی تخت نشینی کے ساتھ ایرانیوں کا زور بھی بڑھ گیا۔ عربوں کی رہی سہی طاقت کمزور ہو گئی۔ چنانچہ اس کا اثر فوراً مامون کی خلافت پر ظاہر ہو گیا ؛

[2] ایک دن معتصم عیش و عشرت کے جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ مخبروں نے اطلاع دی کہ قیصر نے عموریہ کو لے لیا اور لوگوں کو قید کر لیا۔ قیدیوں میں ایک علویہ عورت نے مصیبت زدہ ہو کر پکارا کہ " وامعتصماہ " ایک قیصری سپاہی نے مضحکہ اڑایا کہ " آتا ہے ابلق گھوڑے پر سوار "۔ معتصم جس طرح بیٹھا ہوا تھا اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور یک لخت ٹوٹ پڑا وہاں جا کر قیصر کو شکست دی اور بوڑھیا کو قید سے چھڑایا۔ معتصم کے ساتھ ایک لاکھ تیس ہزار سوار تھے۔ اور سب کی سواری میں ابلق ہی گھوڑے تھے ؛

میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ معتصم نہایت قوی ہیکل۔ زور آور خلیفہ تھا۔ خراسانیوں کا زور تو ایک عرصہ سے خلافت میں تھا۔ اس کے عہد میں ترکوں کو قوت حاصل ہوئی۔ معتصم کے پاس قریب دس ہزار کے غلام تھے جو مختلف خدمتوں اور بعض حکومتوں پر مامور تھے۔ چونکہ خلیفہ کے منظور نظر تھے۔ اس لئے پرلے درجہ کے سرکش تھے۔ بازاروں میں سونے کی پیٹیاں باندھے گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور لوگوں کو آزار دیتے۔ اہل بغداد ایسے تنگ آئے کہ خلیفہ سے فریاد کی اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر خلیفہ اپنے لشکر کو لے کر یہاں سے نہ نکل جائیگا تو ہم تلوار کے زور سے نکال دینگے۔ آخر معتصم نے بغداد کو چھوڑا اور شہر "قاطول" کے پاس ۲۲۰ھ (۸۳۵ء) میں شہر "سر من رائے" آباد کیا جو مختصر ہو کر سامرا[1] یا سامرہ رہ گیا اور پایہ خلافت بغداد سے سامرا میں منتقل ہو گیا۔ خلیفہ معتصم اور اس کے چھ جانشین اسی جگہ حکومت کرتے رہے۔ مامون کی وفات اور معتصم کی تخت نشینی اور خلافت کے منتقل ہونے کے ساتھ۔ تاریخ بغداد کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے ۔

---

[1] مسعودی نے سامرا کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے اُس کے منظر کی خوبی اور ہوا کی لطافت کی نہایت تعریف کی ہے در حقیقت اس شہر کی خوبی ایسی ہی تھی ایک عرصہ تک بجائے بغداد کے خلافت عباسیہ کا پایۂ تخت رہا۔ عالی شان عمارتیں تعمیر ہو گئیں۔ دجلہ کے شرقی کنارہ پر واقع تھا۔ اس کے سامنے حض معشوق ہارون الرشید کی بی بی زبیدہ کا نزہت گاہ تھا۔ علامہ ابن جبیر جس وقت بغداد سے روانہ ہوا تو اس جگہ سے ایک نظر سامرا کو بھی دیکھا۔ اس وقت سامرا عبرت کا مقام تھا۔ علامہ مذکور کہتا ہے کہ "ویرانی نے چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض بعض مقامات اب بھی آباد ہیں۔ سوائے ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات کے سامرا میں اب کچھ باقی نہیں۔ اب اس کے معتصم۔ واثق اور متوکل کہاں ہیں"۔

دوسرا دور

درحقیقت عرب کی اصلی طاقت ایشیا میں خاندان امیہ کے زوال پر ٹوٹ چکی تھی۔ عباسیہ کا عروج اور فاطمیہ اور علویہ بزرگوں کا خروج غیر اقوام کے بل پر تھا۔ اگرچہ ایرانیوں کو زور دے کر عباسیہ غالب آ گئے۔ مگر یہ غلبہ چند روزہ تھا۔ جب تک مقابلہ میں حریف طاقتیں موجود تھیں خلفاء نے انہیں اس طرف لگائے رکھا مگر جب یہ طاقتیں ٹوٹ گئیں تو خلفاء کا زور بھی کم ہو گیا۔ ہمتیں پست ہو گئیں۔ غیر اقوام نے خودسری اختیار کی اور اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ اگرچہ بظاہر غیر اقوام کے غلبہ سے اسلام کو ضعف نہیں آیا مگر ان میں عربیوں کی اولوالعزمی اور پیش قدمی نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اسی پر قناعت کی کہ خودسر کہلائیں اور جو کچھ عرب نے فتح کیا تھا اسی پر قبضہ جمائے رکھیں عربی فتوحات کی یہ خوبی ہے کہ ان کے اپنے ہاتھ کے مفتوحہ ملک اب تک قبضہ اسلام میں ہیں لیکن جو ممالک غیر اقوام نے فتح کئے وہ بہت جلد ہاتھوں سے نکل گئے۔ دور اول کے بعد تاریخ بغداد درحقیقت عرب کی تاریخ نہیں بلکہ غیر اقوام کے زور و غلبہ کے واقعات ہیں۔ چنانچہ شروع سے آخر عہد عباسیہ تک انہی کے اقتدار کا زمانہ تھا۔ ابتدا میں ان کا زور بحیثیت امرا کے تھا۔ لیکن بعد میں اُن کے خاندان قائم ہوئے اور وہ بادشاہ کہلائے تاریخ بغداد کے دوسرے دور میں ترکوں کا زور بڑھا۔ وہ غلامی کے درجہ سے امارت کے رتبہ پر پہنچے اور آخر یہاں تک پاؤں پھیلائے کہ خلفا کے سرپرست کہلائے۔ معتصم نے بغداد کو چھوڑا اور سامرا پایہ خلافت بنا۔ بغداد میں پھر بھی کچھ عربیوں کی روک تھام تھی اب تو بالکل

بے لگام ہو گئے۔ خلیفہ نے حیدر ابن کاؤس ماورالنہر کے ایک خاندانی ترک کو "افشین" خطاب دیکر سپہ سالار کیا۔ ترکوں کی جنگی طاقت مضبوط ہو گئی۔ خلیفہ کو ترکوں سے اس قدر انس تھا کہ انہی کی بولی بولتا اور انہی کے چال چلن پر چلتا۔ "عجیب" نام ایک غلام ترک کی تعریف میں شعر کہا کرتا اور دوسروں سے کہواتا تھا۔ معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق اور اس کے بعد اُس کا بھائی متوکل خلیفہ ہوئے۔ معتصم۔ واثق اور متوکل میں مامون الرشید کے بعد کچھ نہ کچھ شاہانہ رعب داب تھا۔ تاریخ بغداد سے انہیں کچھ تعلق نہیں۔ بغداد میں اس وقت ایک نائب السلطنت رہتا تھا۔ جو عموماً خاندان طاہر کے رکن ہی تھے خلیفہ مامون نے طاہر کو خدمات کے صلہ میں خراسان کی مستقل حکومت عطا کی تھی۔ اُس کا خاندان بغداد میں ایک عرصہ تک اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہا۔ واثق کے انتقال کے بعد ترکوں کا اور بھی زور بڑھ گیا چنانچہ خلفا کا عزل ونصب اُن کے ہاتھ میں آ گیا۔ واثق کا ایک خورد سال بیٹا تھا۔ "وصیف" غلام ترک نے اُسے برطرف کر کے متوکل کو خلیفہ کیا۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب بادشاہ کا اقتدار اور مہمات ملکی میں اس کا دخل کم ہو جاتا ہے۔ جب امرا کا زور بڑھ جاتا ہے تو بادشاہ دل کے بہلانے کے لئے عیش وعشرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ متوکل کا تو یہ حال تھا کہ چار ہزار بیبیاں اور حرم لونڈیاں تھیں۔ ایک دن "ابن سکیت" اس کے بیٹوں حسن اور حسین کو پڑھا رہا تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ ان دونوں میں سے کون اچھا ہے" جواب دیا کہ "قنبر غلام" اگرچہ خلیفہ نے غضب میں اُس کی زبان نکلوا ڈالی مگر در حقیقت غلام ترک بہت زور پکڑ گئے تھے۔ چنانچہ خود متوکل سے ناراض ہو گئے اور "منتصر" اس کے بیٹے کے ہاتھ سے زہر دلوایا۔ متوکل عباسیہ میں پہلا خلیفہ ہے جس کا قتل غیر اقوام کے قہر وغلبہ کی بین دلیل ہے۔ گویا خلفاء کا رعب جاتا رہا۔ اور ہر کس وناکس کو حوصلہ ہو گیا کہ جس وقت چاہے

تخت پر بٹھا دے اور جب چاہے معزول کر دے۔ زندہ رکھے یا قتل کرے۔
متوکل کے بعد اُس کا بیٹا المنتصر باللہ سنہ ۲۴۷ھ ۸۶۱ء میں تخت نشین ہوا۔ عنان
حکومت ترکوں کے ہاتھ میں تھی۔ چھ ماہ کے اندر پدرکش خلیفہ بھی زہر سے مارا
گیا۔ ترکوں کے زور کا اندازہ اسی امر سے ہو سکتا ہے کہ المنتصر کے بعد ترک
سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ منتصر کی اولاد کو پدرکشی کے جرم میں سلطنت
سے خارج کرنا چاہیئے۔ اس لئے مستعین ابن معتصم کو سنہ ۲۴۸ھ ۸۶۱ء میں مسند نشین
کیا۔ خلیفہ مستعین بذاتہ ایک لائق اور قابل فرمانروا تھا۔ اُس نے شروع ہی
میں معلوم کر لیا تھا کہ ترکوں نے کیا کچھ سلطنت میں بدنظمی پھیلا رکھی ہے۔
اُس نے اُس غلطی کو بھی معلوم کر لیا جو معتصم کے دارالخلافت کو سامرا میں منتقل
کرنے سے واقع ہوئی وہ جانتا تھا کہ موجودہ خرابیاں کبھی رفع نہیں ہو سکتیں
جب تک کہ ترک زور میں ہیں۔ اور عربی طاقت کمزور ہے۔ اول اُس نے
ترکی سرداروں میں جوڑ توڑ شروع کئے اگرچہ ان میں فساد کھڑا ہو گیا۔ لیکن
خلیفہ کے جان کے دشمن بھی ہو گئے۔ مستعین بھاگ کر بغداد کی طرف آیا۔
ترکوں نے کوشش کی کہ خلیفہ بغداد سے واپس آئے مگر مستعین نے نہ مانا۔
آخر انھوں نے متوکل کے بیٹے معتز کو سامرا میں خلیفہ بنایا۔ اور لشکر لے کر
بغداد پر چڑھ آئے۔ بغداد کا دوسرا محاصرہ شروع ہو گیا۔

بغداد کا دوسرا محاصرہ

بغداد کا دوسرا محاصرہ سنہ ۲۵۱ھ ۸۶۵ء سے شروع ہوا۔ بغداد کا پہلا محاصرہ طاہر
نے کیا تھا۔ لیکن اس وقت طاہر کا پوتا محمد ابن عبداللہ شہر کی حفاظت کر رہا تھا۔
پہلے محاصرہ کے وقت مغربی بغداد اور دوسرے محاصرہ میں اضافہ یعنی مشرقی
بغداد محصور تھا۔ اس محاصرہ کے واقعات بھی ہمیں طبری کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں

ہیں۔ طبری اُس وقت خود موجود تھا۔ زیادہ حالات اُس کے اپنے چشم دید شہادت ہے۔ اُس وقت اُس کی عمر قریباً تیس سال کی ہوگی۔

جس وقت خلیفہ مستعین سامرا سے بھاگ کر مع الخیر رصافہ میں پہنچ گیا محمد ابن عبداللہ گورنر بغداد کو حکم دیا کہ اُن نہروں کے مینڈ توڑ دئیے جائیں جو سامرا اور بغداد کی سڑکوں پر واقع ہیں تاکہ دشمن کا راستہ بند ہو جائے اس کے بعد مشرقی اور مغربی بغداد کے گرد ایک دیوار بنانے کا حکم دیا۔

یہ دیوار دجلہ کے کنارہ قصر مہدی کو اوپر باب شماسیہ سے شروع ہو کر باب بردوان اور خراسان کے گرد دائرہ بناتی ہوئی محلہ رصافہ اور شماسیہ کو گھیر کر پھر محلہ مخرم کے گرد اُسی طرح دائرہ کی صورت میں باب سوق الثلاثہ واقع دریاء دجلہ پہ آتی۔ مغربی بغداد میں یہ دیوار زبیدیہ سے شروع ہوتی اور باب قطربل سے گذر کر خندق طاہر کے ساتھ ساتھ باب انبار تک چلی جاتی۔ محاصرہ کے مقامات میں باب انبار اور باب الحدید کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ خندق طاہر سے دیوار نصف دائرہ کی صورت میں پھر چکر کھا کر مدینۃ المنصور اور کرخ کے ایک حصہ کو محیط میں لے کر باب بصرہ کے پرے قصر حمید کے نیچے دریاء دجلہ پر جہاں نہر صرات کا اتصال ہوتا ختم ہوتی۔ اگرچہ اس دیوار کے متعلق دیگر امور کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مشرقی اور مغربی بغداد کے نہروں کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ راستہ میں جہاں کوئی نہر نہ ملتی اُس جگہ خندق کھودی گئی۔ اس دیوار پر تین لاکھ تیس ہزار دینار سرخ (ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ) صرف ہوا۔

محصورین پر مشرقی بغداد میں شمال کی طرف سے باب شماسیہ کی جانب اور مغربی حصہ میں باب قطربل کی طرف سے حملہ ہوا۔ طبری لکھتا ہے کہ مغربی بغداد میں محصورین نے مختلف دروازوں پر منجنیق قائم کئے ہوئے تھے۔ جن سے پتھر دشمنوں کے سر پر پڑتے تھے کئی مہینوں تک محاصرہ قائم رہا۔ کئی ایک

خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ آخر سامرا والوں نے بہت مجموعی حملہ کیا۔ محصورین نے جان توڑ کوششیں کیں۔ مغربی حصہ میں باب انبار اور محلہ یاسر پر سے لے کر مشرقی حصہ میں باب خراسان سے محلہ شماسیہ کے انتہا تک ایک ہی وقت میں پتھر پر پتھر برس رہے تھے۔ تلوار چل رہی تھی۔ سامریوں نے دجلہ کے بالائی کشتیوں کے پل پر آگ لگادی۔ آخر محاصرین کا بیرونی دیوار پر قبضہ ہوگیا۔

اگرچہ اہل بغداد نے قحط اور قتل وغارت کی ناقابل برداشت سختیاں جھیلیں مگر اس پر بھی عربی بہادروں کی زنگ آلودہ تلواریں مخالفین کے مقابلہ میں خوب کام کرتی تھیں یہاں تک کہ محاصرین کو یقین ہوگیا کہ شہر مسخر نہ ہوگا۔ اس لئے صلح کی ٹھہرائی۔ اہل شہر بھی جن میں سے اکثر عام رعایا تھی ترکوں کی ترکتازی سے تنگ آگئی تھی۔ صلح کو غنیمت سمجھا۔ مستعین خلافت سے معزول کیا گیا۔ اور قید ہوکر قتل ہوا۔ اور ترک سامرا کو واپس ہوئے۔

بغداد کے پہلے محاصرہ میں مدینۃ المنصور ویران ہوا اس دوسرے محاصرہ میں مشرقی بغداد یعنی محلہ رصافہ شماسیہ اور مخرم کا اکثر حصہ ایسا تباہ ہوا کہ پھر نہ بنا۔ اگرچہ ترکوں نے اس وقت فتح حاصل کی اور دار الخلافت سامرا ہی رہا۔ لیکن تیس برس کے بعد بغداد کا پھر غلبہ ہوا۔ معتز ۲۵۲ھ/۸۶۶ میں مسندنشین ہوا۔ معتز ۱۹ برس کا تھا اور نہایت خوبصورت نوجوان تھا۔ اگرچہ اہل عرب اس کے ساتھ تھے مگر پھر بھی ترکوں کو صاف نہ کرسکا۔ صالح ابن وصیف ایک ترک زبردست سردار تھا۔ معتز بھی اُس سے ڈرتا تھا۔ سپاہ کے سرداروں نے کہا کہ اگر خلیفہ ہماری تنخواہ دیدے تو اس کا قصّہ پاک کردیتے ہیں ادھر اس نے بھی والدہ خلیفہ سے ۵۰ ہزار دینار تقسیم تنخواہ کے لئے مانگا اس نے صاف جواب دیا آخر عداوت یہاں تک بڑھی کہ فوج نے حرم سرا کا محاصرہ کرلیا۔ اور معتز کو طلب کیا۔ کہا کہ بیمار ہوں۔ دوا پی ہے ضعف کے مارے آیا نہیں جاتا سپاہ بے لگام نے کچھ نہ سنی اور اندر سے ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائے۔ خوب

زدوکوب کی اور دھوپ میں بٹھایا منہ پر طمانچہ مارتے تھے اور کہتے تھے کہ خلافت سے مستعفی ہو۔ آخر ان سے استعفا ظاہر کیا۔ اول بھوکھ پیاس کی تکلیفیں دے کر حمام میں غسل کروایا۔ حمام سے نکل کر پیاس زیادہ ہوئی تو برف کا پانی پینے کو دیا کہ پیتے ہی مرگیا۔

سنہ ۲۵۵ھ ۸۶۹ء میں مہتدی باللہ صالح محمد ابو اسحق ابن واثق خلیفہ ہوا۔ مہتدی حسن صورت اور حسن سیرت میں۔ عبادت اور شجاعت میں شہرہ آفاق تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس کا کوئی رفیق نہ تھا۔ کھانے پینے میں فقرا کی طرح گزارہ کرتا تھا۔ عیش و عشرت کے جلسے موقوف کردئیے اور زیادہ وقت گوشہ نشینی میں کاٹتا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ ترکوں کا کچھ زور کم ہو جائے کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن سرداران مملکت کا پھر جھگڑا اٹھا۔ ان کے کشت خون کے بعد خلیفہ بھی گرفتار ہو کر مارا گیا۔

سنہ ۲۵۶ھ ۸۷۰ء میں المعتمد علی اللہ ابو العباس ابن متوکل کو قید خانہ "جوسق" سے باہر لائے اور خلیفہ بنا دیا۔ اس کا بھائی "موفق" بڑا قابل اور نیک تھا۔ سلطنت کا نہایت خوبی سے بندوبست کیا۔ منجملہ دیگر امور کے ترکوں کو بھی صاف کر دیا لیکن نالائق معتمد نیک نیت بھائی سے بدظن ہوگیا۔ اس کی پاداش میں بھائی کی موت سے ایک سال بعد سنہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں خود بھی مرگیا۔

موفق کا ایک بیٹا معتضد تھا۔ یہی معتمد کے بعد خلیفہ ہوا۔ نہایت شجاع اور مہیب تھا۔ سخت اور خونریز ایسا تھا کہ لوگ اسے "سفاح ثانی" کہتے تھے۔ ترکوں کا خاطر خواہ بندوبست کیا۔ اس کے بعد سامرا چھوڑ کر بغداد میں آیا۔ ۵۸ برس تک سامرا دار الخلافت رہا۔ اس عرصہ کے بعد بغداد کا پھر نصیبہ جاگا۔ اور دار الخلافت اس جگہ منتقل ہوا۔ اب بھی پایہ خلافت مشرقی بغداد میں رہا۔ معتضد نے اس جگہ دجلہ کے کنارے محلہ محترم کے نیچے شاہی ایوان تعمیر کروائے۔ ان کا مفصل ذکر آئندہ فصلوں میں کیا جائیگا۔ ان

شاہی محلات کو حریم یا دار الخلافت کہتے تھے۔ ان کے گرد رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ بجائے خود ایک شہر بن گیا جس کے گرد ایک دیوار کھینچی گئی موجودہ زمانہ کا بغداد یہی شہر ہے ٭

دور ثانی میں بغداد کے حالات انہی مورخین کی ذریعہ معلوم ہوئے ہیں جو تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے اختتام سے کچھ پہلے موجود تھے ان میں سے یعقوبی۔ ابن رستہ نے جو کچھ بغداد کی نسبت لکھا ہے۔ وہی بغداد کی تاریخ کا اصلی ماخذ ہے۔ یعقوبی بغداد کی حالات مدینۃ المنصور سے شروع کرتا ہے۔ بعد ازاں اس کے مقامات کا مفصل تذکرہ لکھتا ہے اور آخر میں مشرقی بغداد کے تینوں محلوں رصافہ۔ شماسیہ۔ مخرم کے مختصر حالات پر اپنے تاریخی جغرافیہ کو ختم کرتا ہے۔ ابن رستہ اور ایک اور مورخ بغداد کی سڑکوں اور نہروں کا مفصل تذکرہ کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں بخوبی معلوم ہو گیا کہ مختلف عمارتیں کس کس جگہ واقع تھیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر بغداد کی سڑکوں اور نہروں کا حال معلوم نہ ہوتا تو ہم کبھی بغداد کا نقشہ نہ کھینچ سکتے۔ ان مورخین نے ہمیں بغداد کی عمارتوں کے مقامات بتلائے ہیں اور طبری نے ان عمارتوں کی وضع قطع کے ساتھ متعلقہ تاریخی واقعات بالتفصیل لکھے ہیں ٭

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کے مفصل واقعات لکھنے سے پیشتر اور مدینۃ المنصور اور اس کی مختلف سڑکوں اور نہروں کے تذکرہ سے پہلے دریاء دجلہ کی نسبت ظاہر کر دیں کہ عربی جغرافیہ والوں نے کیا لکھا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ دریاء دجلہ مغرب سے مشرق کو بہتا تھا۔ اور اس لئے مدینۃ المنصور کے شمال میں تھا۔ اور نہر صراۃ دریاء فرات سے نکل کر اور دجلہ میں گرنے سے پیشتر جنوب سے شمال کو بہتی تھی مدینۃ المنصور کے مشرق میں گذرتی لیکن نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائیگا کہ دجلہ اور نہر صراۃ کا رخ اس بیان کے مطابق نہیں۔ اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ کلوا ذی

کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ نہر صرات کے مشرق میں تھا۔ اور قطربل اس کے
مغرب میں۔ لیکن ہم یہ کہینگے کہ یہ دونوں اضلاع نہر صرات کے جنوب اور
شمال میں واقع تھے۔ یعقوبی باب محول کے مضافات کے تذکرہ میں لکھتا
ہے کہ نہر صرات کے کنارہ کے ساتھ ساتھ جنوب (ہم کہینگے مغرب) کو جاتے
ہوئے اس کے مغرب (یعنی شمال) کی جانب امرا کی جاگیریں ہیں۔ یعقوبی
کے نزدیک مدینۃ المنصور بہیئت مجموعی اس کے مغربی کنارہ پر تھا۔ یہ مغالطہ
اس وجہ سے ہوا ہے جس کا تذکرہ مسعودی نے باب الحدید کے حالات
میں اشارتاً کیا ہے۔ مسعودی کہتا ہے کہ باب الحدید جنوب کی طرف کھلا
تھا۔ اور اس جگہ خندق طاہر نہر صرات کو چھوڑ کر چکر کھاتی ہوئی بہتی تھی۔ اور
اس لئے دروازہ کا رخ جنوب کی طرف بتلایا ہے۔ کیونکہ یہ بھی لکھا ہے کہ
خندق طاہر نہر صرات سے نکل کر شمال کی طرف دریاء دجلہ میں گرنے
سے پیشتر نہر صرات کے متوازی مغرب کی طرف بہتی تھی۔

دور ثانی کے بعد یعقوبی نے مفصل جغرافیہ بغداد کے علاوہ
ایک تاریخ بھی لکھی ہے جس کو اس نے سنہ ۲۶ ۸۷۲ء میں ختم کیا تھا۔ اور اس کے
پچاس سال بعد مسعودی نے مشہور و معروف کتاب مروج الذہب لکھی۔
یعقوبی اور مسعودی اور طبری کے تاریخی تذکروں سے بغداد کی نسبت بے شمار
چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں اور اگرچہ بظاہر انہیں کچھ وقعت نہیں
دی گئی۔ لیکن تاریخ بغداد میں ان کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے جیسا کہ دیگر
متذکرہ بالا واقعات کو۔

دار الخلافت کا بغداد میں دوبارہ منتقل ہونا تھا کہ پھر بغداد کا ستارا
چمکا۔ دریاء دجلہ کے مشرقی کنارہ پر باب سوق الثلاثہ کے جنوب میں خلیفہ
مستعین کی دیوار کے اندر عالیشان شاہی قصر بن گئے۔ یہاں تک کہ مشرقی
بغداد کا رقبہ ان کی وجہ سے دگنا ہوگیا۔ مشرقی بغداد یعنی رصافہ۔ شماسیہ

اور محترم کے گرد جو پرانی دیوار بشکل نصف دائرہ محیط تھی خلفاء کے سامرا میں چلے جانے کے بعد خود بخود منہدم ہو گئی۔ یا اراداً اُسے مسمار کیا گیا تھا کیونکہ نئے محلے جو قصر فردوس۔ حسنی۔ تاج کے گرد آباد ہوئے محلہ محترم سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ چوتھی صدی ہجری/۹۱۲ عیسوی کی ابتدا میں مغربی بغداد میں مدینۃ المنصور کی دیواریں اور قصر باب الذہب اور خلد بھی خاک میں مل گئے تھے رفتہ رفتہ ان کے آثار پر نئے محلے آباد ہو گئے جو باب بصرہ باب محول کے گرد پھیلے ہوئے تھے ؂

خلفاء کی بغداد میں واپسی پر سامرا میں ترکوں کا زور بھی کم ہو گیا۔ تیسرا دور آل بویہ کے غلبہ کے ساتھ ۳۳۴ھ/۹۴۶ء سے شروع ہوتا ہے ؂

تیسرا دور

آل بویہ کا بغداد میں غلبہ ایک سو برس سے زیادہ رہا۔ یہ ایرانی شہزادے تھے۔ ان کے غلبہ اور اقتدار کے وجوہات ہم بیان کر آئے ہیں اور ظاہر کر چکے ہیں کہ خلفاء کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اس طرح ایران عرب پر غالب آرہا تھا۔ ۲۸۹ھ/۹۰۲ء میں المعتضد کا انتقال ہوا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا المکتفی باللہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ حسن انتظام کی وجہ سے سب اس سے خوش تھے۔ اس کے بعد اس کا بھائی مقتدر باللہ چھوٹی سی عمر میں تخت نشین ہوا۔ منصور حلاج کا واقع اسی کے عہد میں ہوا۔ حضرت جنیدؒ بغدادی اور شبلیؒ اسی کے عہد میں بغداد میں گذرے ہیں ۳۰۶ھ/۹۱۸ء میں خلیفہ کی والدہ نے ایک شفاخانہ جاری کیا جس کا ۷ ہزار دینار سالانہ خرچ تھا۔ ۳۲۰ھ/۹۳۲ء میں مونس خادم نے بغاوت کی اور خلیفہ قتل ہوا ؂

مقتدر کے بعد قاہر باللہ امرا کی سازش سے خلیفہ ہوا۔ ان سے ایک شخص ابن مقلہ کو اپنا وزیر بنایا۔ مونس اور دیگر امرا ناراض ہو گئے۔ ابتدا میں تو قاہر کا قہر ان پر نازل ہوا۔ لیکن آخر میں خود قاہر مقہور ہوا۔ امرا نے اسے اندھا کر دیا اور اس کی جگہ راضی باللہ کو خلیفہ بنایا۔ قاہر کا یہ حال تھا کہ جمعہ کے دن اندھے فقیروں میں مسجدوں کے دروازہ پر بھیک مانگتا تھا اور مصیبت کے دن بھرتا تھا ؞

راضی باللہ مقتدر کا بیٹا تھا۔ یہ بہت ہی بے حقیقت خلیفہ تھا۔ درحقیقت سوائے بغداد کے اس کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ بنی فاطمیہ مصر میں ناصر الدین باللہ اندلس میں فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ سامانیہ فارس اور ماوراء النہر میں نشان شاہی اڑا رہے تھے۔ زور پکڑ رہے تھے اور آل حمدان موصل اور دیار بکر میں غلبہ حاصل کر رہے تھے۔ ۳۲۹ھ/۹۴۰ء میں راضی باللہ کا انتقال ہوا ؞

اس کے بعد المتقی باللہ خلیفہ ہوا۔ المتقی اسم بامسمیٰ تھا۔ اس کے واسطے کسی مسجد کا حجرہ یا خانقاہ کا گوشہ بہ نسبت تخت خلافت کے زیادہ موزوں تھا۔ کیونکہ باوجود ان اوصاف کے اس میں شاہی کی قابلیت نہ تھی۔ ۳۲۹ھ/۹۴۰ء یعنی جلوس کے پہلے سال میں قبۃ الخضرا (جس کا ذکر ہو چکا ہے) زمین پر آ رہا ؞

۳۳۳ھ/۹۴۴ء میں خلیفہ متقی اندھا کر کے معزول کیا گیا۔ اس کی جگہ المستکفی خلیفہ ہوا۔ اس کی خلافت کے ساتھ تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر ترکوں کا غلبہ رہا۔ مگر ۳۳۴ھ/۹۴۵ء میں آل بویہ کا ستارہ چمکا۔ بویہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ایرانی شیعہ شہزادے تھے۔ احمد الدولہ۔ رکن الدولہ۔ معز الدولہ بویہ کے تین بیٹے تھے۔ اُنہوں نے عراق اور فارس پر قبضہ کیا۔ اس وقت اس خاندان کے لوگ انہی ممالک میں خلفاء کے ماتحت مختلف صوبوں کے حاکم تھے۔ خلافت کا حال تو سب پر روشن تھا۔ جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس۔

چنانچہ خلفاء کی کمزوری۔ امرا کی نااتفاقی۔ خلافت کی عالمگیر بدنظمی سے آل بویہ نے بھی فائدہ اٹھایا۔ ۳۳۴ھ (۹۴۶ء) میں معزالدولہ ترکوں کا استیصال کرتا ہوا بغداد میں داخل ہوا۔ المستکفی اس کے استقبال کو نکلا اور اظہار خورسندی کیا کہ تمہاری بدولت ترکان شمگرام سے خلاصی ہوئی۔ معزالدولہ نے تمام خزائن و دفاتر پر قبضہ کرکے اپنے نام کا سکّہ جاری کر دیا۔ اور خلیفہ کے اخراجات ضروری کے واسطے ۵۰۰۰ دینار روزانہ مقرر کر دئیے۔ اس کے بعد اسی سال میں خلیفہ کو سر دربار گرفتار کرکے اندھا کر دیا۔ اور المطیع ابن مقتدر کو خلیفہ بنا دیا۔ تین برس بعد یعنی ۳۵۶ھ (۹۶۷ء) میں معزالدولہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کا بھتیجا۔ عضدالدولہ سلطنت بویہ کا مالک ہوا عضدالدولہ نے بغداد ہی میں رہائش رکھی اور برائے نام خلیفہ کے نام پر تمام ممالک محروسہ پر حکومت کرتا تھا۔ عضدالدولہ نے ۳۴ برس یعنی ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) سے ۳۷۲ھ (۹۸۲ء) تک حکومت کی۔ اس کی وفات پر دولت دیالمہ کا خاتمہ ہوگیا۔ المطیع نے آل بویہ کے زیر سایہ ۲۹ برس حکومت کی آخر فالج میں مبتلا ہوکر ۳۶۴ھ (۹۷۴ء) میں مرگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا الطائع للّٰہ تخت نشین ہوا۔ اس کے بھتیجے اور جانشین عضدالدولہ نے مغربی بغداد میں قصر خلد کے کھنڈرات پر ایک شفاخانہ تعمیر کیا۔ تین سو برس تک اس شفاخانہ کو "بیمارستان عضدی" کہتے تھے۔ اس کا مفصل حال آئندہ فصل میں لکھا جائیگا۔

آل بویہ کے اقتدار یعنی دور ثالث میں تین عربی جغرافیہ دانوں نے بغداد کا مختصر حال لکھا ہے۔ ان میں سے ایک اسطخری اور دوسرا ابن حوقل اور تیسرا مقدسی ہے۔ اسطخری نے بغداد کا جغرافیہ ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں لکھا اور ۳۶۷ھ (۹۷۸ء) میں ابن حوقل نے اس پر حاشیہ چڑھایا۔ بغداد کے متعلق دونوں کے بیانات بالکل مطابق ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ابن حوقل نے کسی قدر تفصیل دی ہے۔ دونوں مشرقی بغداد کے نسبت لکھتے ہیں کہ قریباً تمام

رقبہ شاہی محلات سے گھرا ہوا ہے۔ اول خلفاء کے قصر یعنی "حریم" کا تذکرہ ہے۔ اس کی عمارتیں اور باغات جنوب کی طرف "نہر بین" تک شہر کے مرکز سے چھ میل کے فاصلہ پر پھیلے ہوئے تھے۔ شمالی حصہ میں آل بویہ کے قصر تھے۔ خلفاء اور ان کے سرپرست بویہ کی محلات کی دیواریں دجلہ کے کنارہ پر محلہ شماسیہ سے پانچ میل تک چلی گئی تھیں۔ شماسیہ کے عین بالمقابل مغربی کنارہ پر محلہ کرخ تھا۔ اس زمانہ مغربی بغداد کا نصف حصہ کرخیہ میں شامل تھا۔ اس وقت تک مشرقی بغداد کو رصافہ کہتے تھے یہ جسر اوسط کے سرے پر ایک بڑی عظیم الشان محراب تھے۔ اسی لئے مشرقی بغداد کو باب الطاق بھی کہتے تھے۔

اسطخری جامع مسجدوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جامع مسجد رصافہ اور دوسری مشرقی بغداد میں جامع قصر اور تیسری مغربی بغداد میں جامع مسجد منصور ابن حوقل ایک اور چوتھی جامع براثہ کا حال لکھتا ہے یہ مسجد شارع محول پر واقع تھی۔ ابتداء میں یہ جگہ حضرت علیؓ کی خانقاہ کہلاتی تھی۔ باوجودیکہ اسطخری اور ابن حوقل کے زمانہ میں نہایت عالیشان قصر موجود تھے لیکن اس پر بھی دونوں بغداد کی تباہی کا رونا روتے ہیں اور محلوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے زمانہ سے پہلے آباد تھے لیکن اب کھنڈرات کا ڈھیر ہیں۔ اسطخری لکھتا ہے کہ جسر اوسط کے مشرقی سرے سے لیکر باب خراسان تک ایک سڑک آتی تھی جس کے دونوں طرف مکانات تھے۔ لیکن یہ جگہ ویران پڑی ہے۔

مورخین مذکورہ کے زمانہ میں کرخ اب تک آباد اور معمور محلہ تھا۔ اس جگہ "بسارية" میں سوداگر رہتے تھے۔ ان کی دوکانوں میں دنیا بھر کی اشیاء فروخت کے واسطے موجود تھیں۔ اسطخری نہر عیسیٰ کا مفصل تذکرہ کرتا ہے دیگر مصنفین نے اسی کی نقل کی ہے۔ اگرچہ وہ اسطخری کا کہیں حوالہ نہیں دیتے

نہرعیسیٰ کرخ میں بہتی تھی۔ دریاء فرات اور دجلہ کے درمیان کشتیوں پر دن رات اس جگہ آمد و رفت رہتی۔ نہرعیسیٰ سے کئی ایک چھوٹی چھوٹی شاخیں نکل کر دیگر ملحقہ محلوں میں بہتی تھیں۔ اصطخری بھی مشرقی اور مغربی بغداد کا درمیانی فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچ میل لکھتا ہے۔ آخر میں مشرقی بغداد کے شاہی قصر اور باغات کا ذکر کیا ہے۔ کہ یہ سب نہرواں سے سیراب ہوتے تھے۔ دجلہ کی سطح بہت نیچی تھی۔ بعض اوقات بذریعہ "دولاب" پانی لاتے تھے۔ مگر یہ بہت محنت و مشقت کا کام تھا۔

مقدسی نے اگرچہ تاریخی واقعات نہایت دلچسپ لکھے ہیں مگر جو کچھ بغداد کی نسبت لکھا ہے وہ کچھ ایسا دلچسپ نہیں۔ اس نے زیادہ تر بغداد کی آب و ہوا وغیرہ کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد شہر کی موجودہ حالت پر افسوس کرتا ہے کہ ڈر ہے کہیں اس کا حال آئے دن کی بغاوتوں اور بدنظمیوں کی وجہ سے سامراسا نہ ہو جائے۔ کرخ کے متعلق لکھتے ہوئے جاگیر "ربیع" کا ذکر کرتا ہے کہ نہایت آباد اور بارونق جگہ ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ عالیشان مکانات اور منڈیاں ہیں۔ عضدالدولہ کے نوتعمیر شدہ "بیمارستان" کا حال لکھتا ہے۔ اس کے بعد مشرقی بغداد کے تذکرہ میں باب الطاق اور اُس کے قریب دارالامیر (قصر آل بویہ) واقع محلہ شماسیہ کا بیان ہے۔

مقدسی کی تحریر سے کچھ عرصہ پیشتر عضدالدولہ کا انتقال ۳۷۲ھ (۹۸۲ء) میں ہوا۔ چونکہ شیعہ تھا اس لئے اس کی لاش مشہد علی میں دفن کی گئی۔ عضدالدولہ کی وفات کے بعد بویہ کا زور کم ہو گیا۔ سربرآوردہ اراکین خاندان بویہ میں نااتفاقی پیدا ہو گئی آپس میں کشت و خون کی وجہ سے انہیں بہت جلد زوال آ گیا۔

اگرچہ القائم بامراللہ کی تخت نشینی پر دولت و بالہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر خلفا کے سایہ کے لئے طغرل بیگ سلجوقی کی دولت کا چتر فارس و ترکستان پر

چھایا ہوا تھا۔ آل بویہ کا آخیر فرمانروا امیر الامرا ملک رحیم تھا۔ طغرل بیگ نے اسے برطرف کر کے بغداد اور خلافت کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اس واقع کے ساتھ چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔

چوتھا دور

خاندان سلجوق کا بانی ایک شخص مسمیٰ سلجوق تھا۔ اس شخص نے سمرقند اور اس کے نواح میں ایک چھوٹی بادشاہت قائم کی اور اسلام اختیار کیا۔ اس شخص کے ذریعہ اسلام اس نواح میں پھیلا۔ ایک سو سات برس سلطنت کی۔ اس کے کئی بیٹے تھے مگر تاریخ بغداد سے جسے تعلق ہے وہ محمد طغرل بیگ تھا۔ اس نے خراسان فتح کیا اور چھبیس سال کے عرصہ میں تمام ایران اور عراق پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ سلجوق ترک تھے اور برخلاف بویہ کے سنی تھے اور چونکہ یہی مذہب خلفا اور عرب کا تھا اس لئے قدرتاً ہمدردی بھی تھی۔ سلجوقی دور دورہ ایک سو برس کے قریب رہا۔ اس عرصہ میں بغداد میں ایک نائب السلطنت رہا کرتا تھا۔ جس کی رہائش دار الامیر (قصر بویہ) میں تھی۔ دار الامیر کو اب قصر سلطان کہتے تھے۔

خلیفہ القائم نے ۴۶۷ھ میں انتقال کیا المقتدی بامر اللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس دور میں اگرچہ خلفاء کی دنیاوی جاہ و حشمت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر مذہبی بزرگی ابھی تک قائم تھی۔ ایشیا اور افریقہ کے مختلف حصوں میں خود مختار سلطنتیں قائم ہوئیں۔ اور خلیفہ بغداد کی طرف سے کلاہ۔ گلوبند۔ کپڑے۔ خلعت وغیرہ تبرک میں بھیجے جاتے۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کو امین الملت یمین الدولہ کا خطاب اسی خاندان نے عطا کیا یوسف تاشقین والئے مراکش

نے اظہار اطاعت کرکے فرمان طلب کیا تو مقتدی نے خلعت فرمان اور نشان امیر المسلمین کا خطاب بھیجا۔

اس دور کے مورخین میں سے احمد ابن علی الخطیب البغدادی ہے۔ اس نے تاریخ بغداد سنہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں لکھی مشرقی اور مغربی بغداد کی عمارتوں کے متعلق اُس کی ابتدائی تاریخ اور ان مقامات کی نسبت جہاں یہ عمارتیں واقع تھیں دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔ یاقوت وغیرہ دیگر مورخین نے اس کتاب سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ خطیب سنہ ۳۰۵ھ (۹۱۷ء) کے واقعات میں یونانی سفیر کے بغداد میں داخلہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُن مختلف عمارتوں کا بھی بیان جہاں سفیر مذکور سیر کے واسطے گیا یا بارگاہ خلافت میں باریاب ہونے سے پیشتر اُن کے نیچے سے گذرا یہ واقعات خلیفہ مقتدر کے عہد کے ہیں اس کا مفصل ذکر آیندہ فصلوں میں ہوگا۔ یہ کتاب اگرچہ تالیف ہی ہے مگر واقعات چشم دید راویوں کی بیان کی ہوئی ہیں۔ مگر قیاس غالب یہی ہے کہ اس میں دیگر مورخین نے وقتاً فوقتاً بہت کچھ تصرف کیا ہے۔

دور سلجوق میں مشرقی بغداد بہت رونق پر تھا۔ اور بہت وسیع ہوگیا تھا۔ خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں خلفاء کے محلات کے گرد رباط وغیرہ کی بنیادیں پڑیں اور مستظہر کے زمانہ میں شہر پناہ میں آگئے۔ شہر کی وسعت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ بقول خطیب اُس کے زمانہ میں چھ عظیم الشان جامع مساجد تھیں۔ چار مغربی بغداد میں تھیں ان میں سے ایک مدینۃ المنصور میں جامع مسجد منصور اور دوسری حربیہ میں اور تیسری زبیدیہ میں اور چوتھی جامع مسجد "براثہ" نہر عیسیٰ کے کنارہ شارع محول کے درمیان تھی۔ مشرقی بغداد میں ایک رصافہ میں تھی اور دوسری قصر جامع جسے خلیفہ علی مکتفی نے بنوایا تھا۔

خطیب بغداد کا رقبہ بھی لکھتا ہے۔ اس کے بیان سے اصطخری کی تائید ہوتی ہے۔ اصطخری لکھتا ہے کہ شہر پانچ میل قطر میں تھا۔ خطیب تین مختلف زمانوں میں بغداد کا رقبہ اس طرح لکھتا ہے کہ جب موفق خلیفہ معتمد کا بھائی بغداد میں تھا یعنی سنہ ۲۷۰ھ میں جب خلافت ابھی تک سامرا میں تھی مشرقی بغداد ۲۶۲۲۵۰ جریب یعنی ۱۲ ۳/۴ مربع میل اور مغربی بغداد ۱۷۵۰۰ جریب یعنی ۸ ½ مربع میل تھا۔ جن میں مثلاً بر ۴۲ جریب پر واقع تھے۔ کل رقبہ ۲۱ مربع میل ان میں سے مقابر ۲۲ ایکڑ پر تھے۔

دوسرے زمانہ میں جب خلافت پھر بغداد میں منتقل ہوئی مشرقی بغداد ۲۷۰۰۰ جریب یعنی ۱۲ ۱/۳ مربع میل اور مغربی بغداد ۲۶۷۵۰ جریب یعنی قریباً آٹھ مربع میل۔ غرض مختلف اوقات میں بغداد کی وسعت کا اندازہ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پچیس مربع میل تھا۔

مذکورہ بالا پیمایش کی صحت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ عربی اس فن میں خوب ماہر تھے۔ محصول اراضی کے واسطے وقتاً فوقتاً پیمایش اراضیات اور ان کو سیراب کرنے کے لئے انہار کی ضرورت پڑتی۔ جو قواعد انہوں نے پیمایش کے باندھ رکھے تھے نہایت عمدہ تھے۔ اور چونکہ مختلف مورخین مثلاً اصطخری بھی بغداد کا رقبہ انہی رقوم میں بتلاتا ہے اس لئے اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں۔ موجودہ زمانہ میں جو کچھ پرانے بغداد کے آثار ملتے ہیں ان سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں بے نظیر شہر تھا۔

سلجوق آل بویہ کے جانشین تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مشرقی بغداد کے بالائی حصہ میں آل بویہ کے محل تھے جسے دار السلطنت کہتے تھے۔

ملہ موجودہ زمانہ میں بغداد صرف ایک مربع میل کے قریب ہے۔ اس کے گرد ایک دیوار ہے جس کا دور قریباً پانچ میل ہے۔

ان کے جنوب میں ملک شاہ سلجوق نے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اسے جامع السلطان کہتے تھے۔ خلفاء کے محل کے نیچے دریاء دجلہ کے کنارہ اس کے وزیر نظام الملک نے نظامیہ کالج بنوایا۔ یہ دونوں عمارتیں خلیفہ مقتدی کے عہد میں تعمیر ہوئیں۔ اس کے عہد میں محلات کے شمال اور مشرق کی طرف نئے محلے بنے اور آباد ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ بجائے خود ایک شہر بن گئے۔

خلیفہ مقتدی کے عہد کا آخیر مشہور واقعہ یہ ہے کہ ملک شاہ سلجوقی نے اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ سے کیا۔ چنانچہ ۴۸۰ھ (۱۰۸۷ء) میں یہ شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ اہل بغداد حیران رہ گئے۔ مگر دو لطا وطن میں کچھ ایسی ناموافقت ہوئی کہ دولھن اپنے باپ کے دار الملک میں آن بیٹھی ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) میں ملک شاہ خود آیا اور مقتدی کو بہت سختی سے پیغام بھیجا کہ بغداد سے نکلو اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔ خلیفہ نے کہا کہ ایک مہینے کی مہلت دو اس نے کہا کہ ایک ساعت کی بھی نہیں۔ غرض وزیر کی معرفت بڑی مشکل سے دس دن کی مہلت ملی مگر اتفاق تقدیر سے اسی عرصہ میں ملک شاہ کا انتقال ہوگیا۔ اور یہ بات خلیفہ وقت کی کرامت میں شمار ہوئی۔ اس کے دو برس بعد ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) میں مقتدی نے بھی وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مستظہر باللہ ابو العباس احمد تخت نشین ہوا۔ یہ برائے نام ہی خلیفہ تھا۔ اس کا عہد ایسے واقعات گذرے ہوئے ہیں جو تاریخ عالم میں ہمیشہ مشہور رہیں لیکن چونکہ تاریخ بغداد سے اُن کا کچھ تعلق نہیں اس لئے اُن کا تذکرہ بے فائدہ ہے۔

جلال الدین ملک شاہ کی وفات کے بعد خاندان سلجوق کو زوال آگیا۔ اور اس کے بیٹوں میں تقسیم سلطنت کے ساتھ خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

خلیفہ مستظہر کے عہد میں وہ محلے جو خلیفہ مقتدی کے زمانہ میں آباد ہوئے اب شہر بن گئے۔ اُن کے گرد ایک دیوار کھینچی گئی جس میں چار دروازے تھے۔ غالباً یہی موجودہ بغداد ہے۔

خلافت تو برائے نام تھی۔ خلفا کا ملکی انتظام میں کچھ دخل نہ تھا۔ البتہ مال و دولت بے شمار تھی اس لئے سوائے اس کے کچھ کام نہ تھا کہ اسے نئے محلات کی تعمیر میں صرف کرتے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں وہ عالیشان عمارتیں بنیں جن کا مفصل بیان ہم "حریم" یا خلفاء کے قصر کے تذکرہ میں کر چکے۔ یاقوت ان محلات کا مفصل حال لکھتا ہے۔ بالخصوص قصر ریحانیین اور قصر تاج کی بہت تعریف لکھی ہے۔ یہ دونوں قصر عہد سلجوق کے اختتام پر تعمیر ہوئے۔

۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں خلیفہ مستظہر کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اُس کا بیٹا مسترشد باللہ ابو المنصور فضل تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس خلیفہ میں قابلیت کا مادہ موجود تھا۔ لیکن اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوا۔ مہمات خلافت کا بذات خود انتظام کیا۔ اور شام فسادوں اور لڑائیوں کے سرانجام میں مصروف ہوا۔ یہ بات سلجوقیوں کو پسند نہ آئی۔ مگر وہ خود بھی اس قابل نہ رہے تھے کہ آپ ہی کچھ کرتے اس لئے سلطان ملک شاہ کے پوتے مسعود سلجوقی نے ملاحدہ فاطمیہ سے سازش کی۔ اور ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء) میں خلیفہ کو مروا ڈالا۔ اور نعش کو "مراغہ" کے مدرسہ اتابکی میں جو اتابکوں کے نام سے موسوم ہے مدفون کیا۔ مسترشد کے بعد اس کا بیٹا راشد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کا تیسرا محاصرہ ہے۔

بغداد کا تیسرا محاصرہ

بغداد کے پہلے دو محاصرے خانہ جنگی کی وجہ سے تھے لیکن تیسرا محاصرہ غیر اقوام کے غلبہ کی باعث ہوا۔ راشد میں باپ کی سب قابلتیں موجود تھیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ دولت عباسیہ کا چراغ سحری اب صرف سنبھالا لے رہا تھا۔ اور کوئی دم میں گل ہونے والا تھا۔ مسعود سلجوقی چاہتا تھا کہ اپنا رعب وداب قائم رکھے اور جو چاہے کرے وہ اس امر کا خواستگار رہتا کہ خلیفہ اُسے سلطان تسلیم کرکے بیعت کرے۔ لیکن راشد کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا۔ اس لئے دونوں میں بگڑ گئی۔ مسعود نے جمعیت بہم پہنچا کر بغداد کی طرف کوچ کیا۔ خلیفہ نے بھی تیاری کا حکم دیا۔ ۵۳۰ھ مسعود نے مالکیہ میں خیمہ ایستادہ کئے اور بغداد کا محاصرہ ڈال دیا۔ گورنر واسطہ کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اور تمام طرف سے آمدورفت کے راستے بند کردئے۔ خلیفہ نے اگرچہ بہت کوشش کی کہ مقابلہ کے واسطے باہر نکلے مگر تقدیر کے آگے کچھ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اہل بغداد بھی بغاوت پر کمربستہ ہوگئے۔ اور حریم طاہر کو لوٹ لیا۔ شہر کے باہر محاصرین نے قافیہ تنگ کر رکھا تھا اور شہر کے اندر بے لگام لوگ بدنظمی پھیلا رہے تھے۔ پچاس روز کے محاصرے کے بعد خلیفہ موصل کی طرف بھاگا اور اُس جگہ مجبوراً اُسے تخت و تاج چھوڑنا پڑا۔ اس کی جگہ اس کا چچا محمد مقتفی لامر اللہ ابو عبداللہ ابن مستظہر مسعود سلجوقی کی امداد سے خلیفہ ہوا۔ محاصرہ کے مفصل حالات ابن الاثیر نے لکھے ہیں*

مقتفی اگرچہ ابتدا میں بالکل بے حقیقت خلیفہ ثابت ہوا لیکن جب مسعود نے آنکھیں بند کیں تو اس کی آنکھیں کھلیں مسعود کی وفات پر سلجوقیوں میں آپس کے فساد نے ضعف پیدا کردیا۔ حریف طاقتیں جو مصر اور شام پر قابض

تھیں کمزور ہو گئیں۔ قدرتاً خلیفہ بغداد کو پھر جرات پیدا ہوئی کہ کھوئے ہوئے ملک قبضہ میں لائے۔

مسعود کے مرنے کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمد سلجوق اس کا جانشین ہوا۔ خلیفہ اور اس میں یہاں تک بگڑی کہ آخر ۵۵۱ھ میں محمد لاؤ لشکر کے ساتھ بغداد پر چڑھ آیا۔ اور بغداد کا چوتھا محاصرہ شروع ہوا۔

بغداد کا چوتھا محاصرہ

یہ محاصرہ تیسرے محاصرے کے اکیس برس بعد ہوا۔ ماہ ذیقعدہ ۵۵۱ھ (جنوری ۱۱۵۷ء) میں محمد کی فوجیں عراق میں سے کوچ کرتے ہوئے بغداد کی دیواروں کے نیچے نمودار ہوئیں۔ خلیفہ مشرقی بغداد میں محصور ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بقول علامہ ابن جوزی مقتفی اس قابل تھا کہ مامون اور معتصم کے بعد اُسے بھی ایک لائق بہادر شجاع خلیفہ کہیں۔ خلیفہ نے دور اندیشی سے رسد وغیرہ کا کافی سامان بہم پہنچا رکھا تھا۔ دیواروں پر جا بجا منجنیق نصب تھے۔ اور برجوں میں تیر انداز بے خوف و خطر حریف کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ دریائے دجلہ پر بہت سی کشتیوں میں تیر انداز بیٹھے گشت کر رہے تھے۔ اکثر کشتیوں میں منجنیق تھے۔ غرض یہ محاصرہ عجیب قسم کا تھا۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے دشمن کو بغداد کی طرف آنے کی ناحق تکلیف دی اگر چاہتا تو خود اُن کے ملک پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ ابتدائی محاصروں میں محاصرین کا ہمیشہ دجلہ پر قبضہ رہا مگر ابکے دریا دجلہ خلیفہ کے حکم میں تھا کشتیوں کے پل پر خلیفہ کے سپاہی مسلح موجود تھے۔ دریا پر جنگی کشتیاں حریف کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتی تھیں مشرقی بغداد بالکل محفوظ تھا۔ دو ماہ تک برابر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ محمد سلجوقی نے جب کسی طرح دجلہ کی کشتیوں کے پل پر قبضہ نہ کر سکا تو

ایک اور پل باندھا جس کی فوج مشرقی بغداد کی طرف سخت کشمکش کے بعد
اتر آئی۔ حلہ۔ کوفہ۔ واسط۔ بصرہ سے اسے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ سلطان
کا خیمہ نہر صرات پر ایستادہ تھا۔ لیکن وقتاً فوقتاً قصر سلجوقی میں آتا اور فوج کو
سختی سے محاصرہ ڈالنے کی تاکید کرتا۔ دو مہینے گذر گئے۔ لیکن ابھی تک شہر کے
مسخر ہونے کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ بلکہ اس عرصہ کے بعد سلطان محمد دل شکستہ
سا ہو گیا کیونکہ بغداد کی دیواروں اور برجوں سے پتھر اور تیر مینہ کی طرح برس
رہے تھے۔ سلجوقی فوج جتنی دفعہ آگے بڑھی اتنی دفعہ منہ کی کھا کر پیچھے ہٹی۔ مجبوراً
سلطان نے نہر صرات سے خیمہ اکھڑوا کر نہر عیسیٰ پر ہیڈکوارٹر قائم کیا۔ کئی
دفعہ محاصرین نے کوشش کی کہ دریا کی جانب خلفا کے قصر پر حملہ کیا جائے
اس جگہ دیوار نہ تھی صرف محلات کی دیواریں تھیں لیکن دور اندیش مقتفی نے
اس کا پہلے ہی سے بندوبست کر رکھا تھا۔ جتنی دفعہ اس جگہ حملہ ہوا اتنی دفعہ
محاصرین سخت نقصان اٹھا کر پسپا ہوئے۔ ان کے نامی گرامی افسر کام آئے
اور روز بروز بدتر حال ہوتا جاتا تھا۔ خلیفہ ایک اور چال چلا۔ یعنی الحرب خدعۃ
کے مقولہ پر کاربند ہو کر سلطان کے رشتہ دار کو شہ دی کہ سلجوقی تخت و تاج
پر قابض ہو جائے۔ جس وقت محمد نے یہ خبر سنی کہ ہمدان میں بغاوت برپا ہو گئی
رہے سہے حواس باختہ ہو گئے سب پر طرہ یہ کہ ماہ صفر سنہ ۵۵۲ھ (مارچ سنہ ۱۱۵۷ء)
میں حجاج کا قافلہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا۔ امیر المومنین کی مجبوری اور
غیر اقوام کی گستاخی دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور محاصرین پر
ٹوٹ پڑے۔ خلیفہ نے بھی اب مناسب خیال کیا کہ وقتاً فوقتاً بغداد سے
نکل کر دشمن کی خبر لے۔ آخر محمد کو چار و ناچار محاصرہ اٹھانا پڑا۔ اب واپسی کے
وقت اول تو دجلہ سے عبور کرنا تھا۔ راستہ سوائے انہی کشتیوں کے پل
کے اور کوئی نہ تھا۔ سراسیمگی کی حالت میں اس جگہ سے عبور کر رہا تھا اور
خلیفہ اس کے تعاقب میں بلائے ناگہانی کی طرح بغداد سے نکلا جنگی کشتیوں

نے منجنیق سے پتھر اور تیر ایسے برسائے کہ فوج کا اکثر حصہ کام آیا۔ خود سلطان کی جان کے لالے پڑ گئے مگر زندگی نے کچھ اور دن لگا رکھے تھے۔ جان بچ گئی اہل بغداد نے قصر سلجوق کو لوٹ لیا۔ دروازہ کو توڑ دیا۔ اور پھر اس سختی سے حملہ کیا کہ سلطان کا باڈی گارڈ" اور لشکر جدا ہو گیا۔ سلطان محمد تو جان بچا کر شارع خراسان کے راستہ حمدان کی طرف بھاگا۔ لیکن بقیہ فوج جو گورنر موصل کے ماتحت تھی بے سروپا موصل کی طرف بھاگی ؛

اس محاصرہ کے مفصل واقعات عماد الدین اصفہانی نے نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ یہ محاصرہ کے وقت بغداد میں موجود تھا فتح پر اُسے تہنیت نامہ لکھ کر خلیفہ کے حضور پیش کیا۔ ابن الاثیر چوتھی صدی (دسویں صدی) کے آغاز یعنی طبری اور عرب کے بعد معتبر مورخ ہے۔ ۶۲۸ھ ۱۲۳۰ء تک کے واقعات اس میں مفصل لکھے ہیں ؛

اس محاصرہ سے سلجوقی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن درحقیقت جو کچھ ان کی تباہی کا باعث ہوا وہ فرقہ اسمٰعیلیہ یا حشاشین تھا ۵۵۱ھ ۱۱۵۶ء میں ایک "فدائی"، کے خنجر نے ملک سنجر آخری سلطان سلجوقی کا فیصلہ کر دیا۔ اس واقعہ کے ساتھ بغداد کا چوتھا دور ختم ہوا ؛

دور پانچواں

بغداد کی تاریخ کا یہ آخری دور ہے۔ اس عرصہ میں خلفا کی حکومت برائے نام تھی اُن کا زیادہ تر وقت پرانی عمارتوں کو مسمار کرنے اور نئے قصر بنانے میں صرف ہوتا تھا۔ یہ دور قریباً ایک صدی تک رہا اور آخر ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں کے فتح پر دولت عباسیہ کی بربادی کے ساتھ

اس کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے۔ حقیقت خلفا قدرتاً آرام طلب ہو گئے تھے۔ دجلہ کے کنارے پر قصر اور باغات بنوائے۔ خاقانی[1] نے سنہ ۵۵۱ھ میں حج کے ارادہ سے بغداد میں وارد ہوا۔ جو کچھ اثر اس کے دل پر ان عالیشان عمارتوں اور دلکش باغوں اور دجلہ کی روانی وغیرہ کا ہوا ملک الشعرا نے "تحفۃ العراقین" میں نہایت عمدہ الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

خاقانی آفتاب کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:-

باز آمدن بسر حدیث آفتاب و ستایش بغداد

اے چتر تو زیر سایۂ چرخ | زردی دہ نیم خایۂ چرخ
ہر روز بمنظرے شہی تخت | ہر ماہ بحجرۂ کشی رخت
چوں یافتی از عراق مطلب | سازی ز چہار باد مرکب
زیں انگشتی از ہلال بر باد | در زیں شوی و شوی ببغداد
از بہر مبارکے منزل | ایں ورد تو بسکہ ربّ انزل"
اے بر سر صفر بردہ لشکر | بغداد طلب ز صفر بگذر
بغداد ترا ست گنج پرویز | بر گنج نشیں ز صفر برخیز
بیت الشرف تو ہست بغداد | از صفر فلک چہ آوری یاد

---

[1] حکیم افضل الدین خاقانی شروانی خاقانی منوچہر شروان شاہ کا مداح تھا خاقانی تخلص کیا۔ مقرر تھا کہ ہر قصیدے کے صلہ میں جو خاقانی شاہ کی مدح میں لکھتا ایک ہزار دینار صلہ ملتا۔ حضرت مولانا جامی خاقانی کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے کلام میں تصوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ خاقانی کا کلام بحر ناپیدا کنار ہے جس میں بیش بہا گوہر معانی ملتے ہیں۔ نظام الدین ابوالعلائی گنجوی کا شاگرد اور داماد تھا۔ آپس میں کشیدہ خاطر ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے کی ہجو کی۔ شاہ نے خاقانی کو سات ماہ تک قلعہ شاہران میں قید رکھا۔

از صفر چه حاصل است بارے — بہر چہرہ کشادن بہارے
بغداد بہار باغ داد است — پیشانی بخت ازو کشاد است
تا کے بر شیر و گاو باشی — با ہر دو یکاو گاو باشی
نہ شیر بصید رہبر آید — نہ از گاو سپید عنبر آید
بردار ز شیر و گاو پایت — بغداد طلب کہ اوست جایت
تریاک دہ است مشک دہ او — چون چشم گوزن نافہ آہو

در صفت بغداد

شہرے یعنی چو نفس دانا — در وے ہمہ کائنات پیدا
چون عارض دوستان نکوئی — در وے ہمہ آرزو کہ جوئی
یا ہمچو شب وصال از ذات — ماوی گرانش و جائے لذات
چون فرضہ کہ فضاش بینند — آنہا کہ کرام کاتبین اند
بر لوح کرامت از پئے یاد — بغداد کنند نقش بغداد
ارواح کہ پرورش گذشتند — فردوس جہان برو نشستند
پس چون بہشت باز خوردند — بغداد و گوینش نام کردند
بستانش حدائق است و اعناب — سکانش کواعب اند و اتراب
آدم بدل جنان شمردش — چون شد بفرشتگان سپردش
آن دجلہ درو برائے آنست — کو غسل گہ فرشتگانست

در صفت دجلہ و کرخ بغداد

دولاب کہین دجلہ چرخ است — محراب مہین چرخ کرخ است
قطریست ز کرخ چرخ ہفتم — قطریست ز دجلہ بحر قلزم
اجرام ز دجلہ روے شویند — زین روے ہمہ سفید رویند

گہ سیگرے نماید آبش
گہ شیشہ گری کند حبابش

آبش بدل گلاب وانند
زو وردوسر سراں نشانند

گر شیشہ کند حباب شاید
شیشہ ز پے گلاب باید

گر روح ندیدہ مصوّر
اینک حرکات دجلہ بنگر

تا با کف و باد ہمقرین است
خاتم خاتم نگین نگین است

آزاد روندہ چوں مسیحا
در سلسلہ رفت راہب آسا

باد است بروہ مروق آثار
گہ برگ نما و گہ گرہ سار

آں باد نگر بسطح او بر
بر جدول سیم شکل مسطر

بادا رنہ مہندسے یکسر
زو شکل قلیدس ازچہ زاید

دجلہ شدہ آبہاست یکسر
اما ز عروس نرم رو تر

از دست مشاطہ روندہ
بر چہرہ نگار ہا فگندہ

آں تفتہ دلاں کہ گرم تازند
تسکیں ہمہ ز آب دجلہ سازند

در صفت زورق کہ برروئے دجلہ روانست

زورق ز برش رواں و ساکن
چوں صورت رہرواں باطن

چوں کنگرۂ سحاب آباں
بر کوہۂ آسماں شتاباں

چوں قوس قزحی خمیدہ کردار
امانہ بشکل او نگو نسار

قوس قزحی کہ از بخاری
بر راس و ذنب کند سواری

چوں ناقہ صالح از بن و سر
ثعباں کلیم زیرش اندر

استادہ روندہ آسماں وار
بر طلق رواں کیمیا دار

پشت و سر آں بلند آہنگ
چوں پشت کمانچہ و سر چنگ

ہر بار کہ حاملہ بر آید
صد بچہ بیک شکم بزاید

زیں سیر بخورد ہر کہ جانور
پس قے کند آں ہمہ بداں سر

زورق عجب است و دجله با ہم — مہد عیسیٰ و اشک مریم
رودیست که کوثرش عدیل است — آبش سلسال سلسبیل است
لا بلک ز رشک او ہمه سال — سیدای مسلسل است سلسال
بغداد بدو ارم نہاد است — کو گنج روان وایستاد است
بغداد خلیفه مکانہا است — جای خلفا که ہست از انجاست

در صفت حرم خلفا که در بغداد است

بینی حرم خلیفتانش — لاف حرمین از آستانش
آں دار سلام اہل اسلام — آں دار سرور و سور ایام
سد ہدی و سواد اشراف — ربع کرم و ربیع انصاف
مہدی شده مہدیاں دیں را — یعنی خلفای راشدیں را

در مدح خلفای آل عباس رضوان اللہ علیہم

بینی امرای آل عباس — با پیکر لطف و برقع یاس
چشم طلبان و خضر عادت — موسی سلیمان و جم سعادت
در پرده دین قدم فشرده — رخت از بر ہفت پرده برده
شحنه نظر آں آسمان ظل — کیوان روشان مشتری دل
چوں افریدوں مکارم آموز — چوں اسکندر مکانت اندوز
در صدر شرف ملک شه آثار — در راه سخا نظام رفتار
ہریک کسری ابر اہل کسری — ہریک معنی بگاه معنی
بر دعوی ملک ہفت کشور — ہریک دو گو افگنده در بر
گیسو شده جفت و داده تزئین — زاں جفت بجفته سلاطین
ہم عرض چو دو دامان مطہر — ہم خلق چو گیسوان معطر

پیوند گرفت بهر ثمره — بیخ شجره بشاخ گیسو

دین یافته بیخ و شاخ تمکین — زان بیخ شریف و شاخ مشکین

چون بگذری از جناب آصف — آئی بدگر جناب اشرف

در مدح خلیفهٔ رحمٰن زین المتقی با بند ستایش حرم خلافت او بسبیل خصوص

بینی حرم خلیفة الحق — دارای امم امام مطلق

از صف جواریان برآئی — در صدر سریر دین درآئی

آنجا صورند معنی اینک — آنجا شعب اند طوبی اینک

آنجا همه بیدق اند و فرزین — اینک شه صدر و دار دین

بینی پس برقع جلالش — ارواح نظارهٔ جمالش

ترسم که چو یافتی حضورش — حربا صفت شوی ز نورش

در ساحت قربش از نهی گام — آن بینی از و که اند اجرام

جمشید ثواب گوش بینی — خورشید سواد پوش بینی

یک خادم او هزار جمشید — یک آتشش هزار خورشید

اهل ملکوت آستین بوس — پیش درش آسمان زمین بوس

گیسو و عمامه تاج بر تاج — از چرخ و زبانش پیچ بر پیچ

بر دوش ردای کبریایش — در گوش ندای انبیایش

هم جبههٔ سجده و هم لبانش — فرسوده ز نعل هر کیانش

از بوسه لبانش خاک فرسود — وز خاک دهانش کوثر آلود

از بسکه سران سلطنت جو — مالند بر آستان او رو

پیداست ز پیکر سلاطین — بر خاک نگار خانهٔ چین

شاهان خاک اند در ره او — بوسندهٔ خاک درگه او

رضوان که مراتب علو یافت — تشریف ز دستبوس او یافت

تا بوسہ گہ آں خجستہ دست است
قدر لب حوریاں شکست است

او راست ز غایت جلالش
در ہشت بہشت چار بالش

خود پر کبوتراں مینوست
گاگین چہار بالش اوست

جزویست ز دفتر نبوت
رکنی ست ز کعبۂ فتوت

آں جزو کہ کل عدل از و خاست
آں رکن کہ اساس دیں کند راست

ہر واں معالم یقین است
سردار عباد مخلصین است

خود واسطہ اوست در رہ دیں
از آل عباس و آل یاسیں

زی خاک درش نفوس بالا
دادند پیام کا نظر دنا

گردوں ز سعادتے کہ ہستش
طشتیست برائے آبدستش

دیں دہر کز دست ستمگاری
استادہ برائے طشت داری

دیں جرم زمین ساکن ارکاں
چوں خامہ میاں طشت گرداں

تا راسے خلیفہ زیں دو مایہ
بشناسد علم طشت و خایہ

چوں کعبہ مقیم در حجابست
چوں قرآں عنبریں نقابست

وانگاہ چو کعبہ و چو قرآں
مخدوم و امام اہل ایماں

زادہ ز جہان و از جہاں بہ
عم زادۂ مصطفےٰ چناں بہ

با ہمتش آفتاب تا چیز
ہم دولت مصطفا ایں نیز

بخشت ازلیش ابد بقا واں
دیں ہم برکات مصطفےٰ داں

ورنہ بشر ایں ہمہ ندارد
لا ملک فرشتہ ہم ندارد

رو کردہ دار ضرب دینی است
ہر سکہ کہ آں بنام او نیست

خود برخ زر شدن نیارد
آں سکہ کہ نام او ندارد

زاں سکہ کہ نام او بر و تافت
پیشانی مشتری قسم یافت

وآں سکہ کزیں سپس طرازند
از سکہ روے ماہ سازند

وآں سکہ کزو گرفت مفخر
روحی ست نہ نقش حال زر

بار ز دل انبیا ہمہ بار ۔۔۔ از حرمت مہر او نہ از آز
پیدا ست بمہر او شب تار ۔۔۔ بر گرد ول صد ہزار دینار
اینک بنگر نہ از پس شام ۔۔۔ زرہائے خلیفتی ست اجرام
بر ہر جرمے بضرب فرماں ۔۔۔ المقتفی آفریدہ یزداں
زاں ظل خدائے دیں بہ نیروست ۔۔۔ خورشید نژاد یوسف اوست
خورشید کناد پادشاہی ۔۔۔ در سایۂ سایہ الٰہی
بر کوہۂ عرش مہد و آباد ۔۔۔ و اقبال و لے عہد او باد
ایں تاج ستان و تاج دہ باد ۔۔۔ آں ملک فروز روز بہ باد
خاقانی زار داں شد انفاس ۔۔۔ در مدحت خاندان عباس
مرغیست ثنا سرائے ایشاں ۔۔۔ در ماندہ بدامگاہ شروان
روزیکہ فلک دہد خلاصش ۔۔۔ بغداد بود مقام خاصش

۵۵۵ھ میں ایک یہودی سیاح بنجمن باشندہ "ٹیوڈیلا" بغداد میں آیا اس کے سفرنامہ سے بغداد کی نسبت ہمیں کچھ واقفیت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ سیاح مذکور نے زیادہ تر اپنے ہم مذہب بھائیوں ہی کا رونا رویا ہے۔ اور ان کی بابل میں مختلف بستیوں کا شمار کرتا ہے۔ خلیفہ وقت کی نسبت صرف اتنا ہی لکھتا ہے کہ سال میں صرف ایک دفعہ ماہ رمضان کے اختتام پر عید کے دن محل سے برآمد ہوتے ہیں اور جامع مسجد متصل باب بصرہ میں آتے ہیں۔ اس مسجد کی نسبت بنجمن لکھتا ہے کہ تمام دار الخلافت میں جامع مساجد سے بڑی ہے۔ یہ مسجد جس کا سیاح مذکور ذکر کرتا ہے جامع مسجد منصور ہے لیکن سوال یہ ہے کہ واقعی خلیفہ محمد مقتفی یا مستنجد تنہائی پسند تھے یہودی سیاح کا بیان بالکل غلط ہے۔ ابن جبیر کی تحریر سے جو اسی زمانہ میں بغداد میں آیا بنجمن کی تردید ہوتی ہے دوم ہم کہہ سکتے ہیں سیاح مذکور نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا ہوگا اور غالباً مخبر بھی وہی یہودی

ہونگے سوم شاذ ہی خلیفہ کو دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ کیونکہ اس میں کچھ کلام نہیں کہ سیاح مذکور کا قیام بغداد میں چند روزہ تھا۔ اور اس عرصہ میں بھی اُسے اُن مقامات میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا جہاں خلیفہ اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ بنجمن یہودی تھا اور ابن جبیر مسلمان تھا۔ اس نے دو دفعہ خلیفہ کو محل کے جھروکے میں اور کشتی پر دریا دجلہ کی سیر کرتے ہوئے دیکھا اُسی خلیفہ کو مجلس وعظ میں دیکھا۔ اُسے اور بھی بہت موقعے خلیفہ کے دیکھنے کے مل سکتے تھے۔ غرض جو کچھ بنجمن نے بغداد کی نسبت لکھا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور یہ بھی غلط ہے ؛

ابن جبیر ۵۸۱ھ ۱۱۸۵ء میں بغداد میں آیا۔ اس مشہور و معروف سیاح کی سیاحت فصیح و بلیغ تحریر میں علمی خزانہ ہے۔ اس کے سفرنامہ میں ایسی خوبیاں ہیں جو بلحاظ اس زمانہ کے جس کے چشم دید حالات اس نے لکھے ہیں پڑھنے والوں کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اس زمانہ میں بغداد کی تاریخ کا ماخذ اسی نامور سیاح کا سفرنامہ ہے ؛

ابن جبیر اور اُس کے سفرنامہ اور خلیفہ ناصر کی نسبت لکھ آئے ہیں، باقی حالات آیندہ فصلوں میں لکھینگے ؛

مقتفی کے بعد اُس کا بیٹا المستنجد ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء میں تخت نشین ہوا اس کے بعد المستضئی خلیفہ ہوا۔ سلطان صلاح الدین اس کا ہمعصر تھا۔ اس نے بنی فاطمیہ کو مصر سے خارج کر کے خطبہ خلیفہ کے نام پڑھوایا۔ ۵۷۵ھ ۱۱۷۹ء میں الناصر الدین احمد ابو العباس جس کا ذکر ہو چکا ہے تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد مستنصر باللہ ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا ؛

اس کے عہد تک بغداد میں جو تعلیمی درسگاہیں تھیں وہ غیر اشخاص کی یادگاریں تھیں۔ چنانچہ نظامیہ نظام الملک وزیر ملک شاہ سلجوقی کا تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ خلفاء اور اہل بغداد کے نام پر یہ دھبہ تھا جس کو مستنصر نے

۶۲۶ھ میں مٹایا۔ اور دیگر اوصاف حمیدہ کے علاوہ یہ کارنامہ اس کا جریدہ عالم میں یادگار رہیگا کہ ایک مدرسہ عظیم الشان بناکر مستنصریہ اس کا نام رکھا۔ اس کا مفصل حال آیندہ فصلوں میں آئیگا۔ یہ خلیفہ بڑا بہادر تھا جیسے فوج اس نے بہم پہنچائی تھی ایسے سوائے ایک دو خلیفوں کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جب لشکر تتار نے ادھر کا رخ کیا تو ایسا مقابلہ کیا کہ شکست فاش دی اس کا ارادہ تھا کہ اگر اجل نے مہلت دی تو خود جیحون سے اتر کر انہیں درست کرونگا۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی اور ۶۴۰ھ میں تیر اجل کا نشانہ ہوا۔

خلیفہ ناصر کے عہد کے اختتام کے قریب ۶۲۳ھ میں یاقوت نے لغات جغرافیہ لکھی۔ یہ کتاب اس زمانہ میں اپنا آپ ہی نظیر تھی اسے بغداد کے حالات سے بخوبی واقفیت تھی۔ اسی جگہ پرورش پائی تھی لیکن بغداد کے حالات اس نے بغداد سے دور بیٹھ کر لکھے ہیں اس لئے بغداد کے مفصل حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ غلطیاں بھی کرتا ہے۔ خلفا کے محلات کی نسبت اس نے دلچسپ حال لکھے ہیں لیکن مقامات کے پتہ و نشان اکثر غلط لکھا ہے۔ اگر ہمارے پاس دیگر مورخین کی تحریریں جو اس کے زمانہ سے پیشتر گذرے ہیں نہ ہوتیں تو بغداد کی مختلف عمارتوں کی نسبت یہ کہنا کہ فلاں فلاں جگہ واقع تھیں مشکل ہو جاتا۔ یاقوت نے جو کچھ لکھا ہے وہ مغلیہ حملہ سے پیشتر کے حالات ہیں۔ مستنصریہ کالج کی نسبت اس نے کچھ نہیں لکھا اس کی مفصل کیفیت ابوالفرج کی تاریخ سے معلوم ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مورخین کی فہرست ابن خلکان کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ اس مشہور و معروف مورخ نے اپنی تاریخ ۶۵۴ھ میں لکھی۔ اربیلا (متصل موصل) کا باشندہ تھا۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے کبھی بغداد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر اس کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ بغداد کی عمارتوں کی تاریخ سے خوب

واقف تھا۔ اس کی تاریخ سے بغداد کی نسبت ہمیں وہ واقعات معلوم ہوتے ہیں جو کسی اور مورخ نہیں لکھے۔ چنانچہ اُسی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ جامع السلطان واقع مشرقی بغداد کو ملک شاہ سلجوقی نے تعمیر کیا تھا۔ ابن خلکان کا انتقال دمشق میں سنہ ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء میں ہوا بغداد کی قسمت کا فیصلہ اس کی موت سے پہلے سنہ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں ہو چکا تھا *

بغداد کا پانچواں محاصرہ

پانچ دفعہ بغداد کا محاصرہ ہوا اور جو کچھ تباہی اور بربادی ان کی وجہ سے دار الخلافت عباسیہ پر ہوئی۔ ان کی مفصل کیفیت کا ہم پھر تذکرہ کرینگے مورخین میں سے زیادہ تر طبری شکریہ کا مستحق ہے جس نے اول محاصرہ کے واقعات ایسے مفصل لکھے ہیں۔ کہ اس کے بعد کسی اور مورخ نے کسی دیگر محاصرے کے حالات اس طرح نہیں لکھے ہیں بغداد کے محاصرہ پنجم کے مفصل واقعات عربی تاریخوں سے نہیں ملتے۔ ابن الاثیر سنہ ۶۲۸ھ کے اختتام پر اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہے اور ابو الفرج اور ابو الفدا بھی کچھ ایسے مفصل حالات نہیں لکھتے البتہ ایرانی مورخین نے اس پر کچھ لکھا ہے۔ "طبقات ناصری" سنہ ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء کے بعد لکھی گئی۔ مصنف ہلاکو خاں کے زمانہ میں تھا۔ رشید الدین نے بھی فارسی میں ایک تاریخ لکھی ہے۔ جس میں سنہ ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء تک تاریخی واقعات لکھے ہیں۔ اسی زمانہ کے قریب ایک مورخ "وصاف" گذرا ہے اس نے غازان ایل خاں کی تواریخ لکھی ہیں۔ یہ مورخ شیراز میں سنہ ۶۶۳ھ/۱۲۶۴ء یعنی بغداد کے محاصرہ کے پانچ سال بعد پیدا ہوا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ ضرور ان اشخاص کو ملا ہوگا۔ جو محاصرے کے وقت موجود تھے اور جنہوں نے اپنے چشم دید واقعات اُسے سُنائے۔ وصاف نے سنہ ۷۱۲ھ/۱۳۱۲ء میں اپنی تاریخ

لکھی۔ لیکن اس میں محاصرہ کے متعلق کوئی ایسی نئی بات نہیں جو رشید الدین نے نہ لکھی ہو۔ فخری ایک اور ہمعصر غربی مورخ ہے اس کی تحریر زیادہ معتبر ہے کیونکہ یہ بغداد میں رہا ہے۔ لیکن جو کچھ اس نے لکھا ہے بہت مختصر لکھا ہے۔ مذکورہ بالا مورخین کی تحریروں سے بغداد کے پانچویں محاصرے کے واقعات مفصل معلوم ہو سکتے ہیں ؎

چنگیز خاں کے بعد فارس اُس کے پوتے ہلاکو خاں کے حصے میں آیا جس نے مغربی فارس کو فتح کے بعد خاک میں ملا دیا۔ یہ طوفان ایسا اٹھا تھا کہ ایک مدت تک دنیا اندھیر رہی۔ ہر طرف تاتاری ٹڈی دل چھایا ہوا تھا۔ جہاں گرتا تنکے تک پیچھے نہ چھوڑتا۔ ایران اور عراق کا ایک مدت سے ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ ناممکن تھا کہ ایک جگہ کا حاکم دوسری جگہ پر حکومت نہ کرے۔ غیر اقوام کا بغداد پر غالب آنا اسی تعلق کی وجہ سے تھا۔ خلافت تو ایک عرصہ سے برائے نام تھی۔ اِس لئے جب کبھی کسی غیر قوم نے فارس سے سر اُٹھایا عراق کو بھی پائمال کیا۔ خلفاء میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بغداد کی دیواروں سے باہر نکلتے اور اپنے آبائی حقوق کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے۔ اگر کبھی کسی خلیفہ نے اتنی جراَت کی بھی تو بے فائدہ ؎

المستنصر کی رگوں میں ایک دفعہ ہاشمی خون نے جوش مارا اس نے تاتاریوں کو شکست فاش دی اور جیحون سے اتر کر انہیں راہ راست پر لانے کے واسطے تیاریاں کر رہا تھا لیکن اجل نے فرصت نہ دی۔ اس کے بعد ۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء میں اس کا بیٹا مستعصم تخت پر بیٹھا ؎

مستعصم ایک سادہ لوح خلیفہ تھا اُسے اتنا معلوم نہ تھا کہ اس کے چاروں طرف کیا ہو رہا ہے۔ اُس کی خوشی صرف اسی میں تھی کہ چار سو غلام زریں کمر اس کے سامنے دست بستہ حاضر رہتے تھے اور وہ بذات خود تخت کو عرش معلےٰ خیال کرتا تھا۔ قصر کو کعبہ کا نمونہ بنایا ہوا تھا۔ آستانہ پر حجر اسود کے رنگ کا

ایک سیاہ پتھر رکھا رہتا تھا۔ جس کو لوگ چومتے تھے۔ ایک اطلس سیاہ کی آستین جھروکہ سے لٹکتی تھی لوگ غلاف کعبہ کی طرح آنکھوں سے لگاتے تھے۔ یہ فرعون بے ساماں قصر کے اندر بیٹھا رہتا کیونکہ خدا تعالےٰ کو کوئی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ درحقیقت وہ نمایش ونمود اور عیش وعشرت کے سامان جو اس نے جمع کر رکھے تھے زوال سلطنت کے اسباب تھے۔

یہ تو محل میں اور امرا شہر میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک بھی قابل شخص نہ تھا۔ ہر ایک خود غرض اپنے عروج کا خواہاں تھا اور یہ بھی اس لئے کہ دل کھول کر خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کا موقع ملے۔ قدرتًا ان میں نااتفاقی کا پیدا ہونا ضروری تھا کیونکہ ہر ایک ایک دوسرے کا حاسد تھا۔ ایک دوسرے کی ترقی کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور ہمیشہ اسی فکر میں تھا کہ موقع ملے تو اُس کی ذلت کی وجہ سے آپ عزت حاصل کرے۔ وزیر موید الدین علقمی اختیار کلی رکھتا تھا۔ اور جو چاہتا سو کرتا۔ خلیفہ کی ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض ہوتا۔ اور خلیفہ بھی اُس کے سامنے دم نہ مار سکتا تھا۔ خلیفہ خدا تو بنا ہی بیٹھا تھا۔ لیکن شیطان علقمی نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ خلیفہ سے اُس کی بگڑ گئی۔ وہ راندہ درگاہ ہوا۔ اور غضب میں آکر ہلاکو خاں کو بغداد کا راستہ بتایا۔

تاتاری فوج کا بڑا حصہ حلوان سے نکل کر شارع خراسان پر کوچ کرتا ہوا مشرقی بغداد پر بڑھ رہا تھا۔ دوسرا حصہ "تکریت"[۱] سے دجلہ کو عبور کر رہا تھا۔ اور انبار واقع دریا فرات تک قتل وغارت کرتا ہوا نہر عیسےٰ کے کنارہ کنارہ مغربی بغداد پر آنے والا تھا۔

۶۵۶ھ ماہ محرم / ۱۲۵۸ء ماہ جنوری میں ہلاکو خاں نے مشرقی بغداد کے سامنے خیمہ ایستادہ کئے۔ اور محاصرہ شروع ہو گیا۔ تاتاری فوج زیادہ تر شہر کے بائیں جانب "برج عجمی"

---

[۱] تکریت شہر "سامرا" سے جو ایک زمانہ میں بجائے بغداد کے دار الخلافت تھا ایک منزل کے فاصلہ پر تھا دجلہ اس کے شمال میں بہتا تھا۔ اس کے کنارہ پر ایک مستحکم قلعہ بھی تھا۔

اور "باب حلبہ" پر جھکی ہوئی تھی۔ دائیاں بازو باب السلطان کے سامنے تھا۔
بائیاں بازو مشرقی بغداد کے انتہا شمال میں "باب کلواذی" تھا۔ فوج کا وہ حصہ
جو تکریت پر دجلہ کو عبور کر آیا تھا۔ مستعصم کی فوج کے مقابلہ میں آیا۔ اور اسے
شکست فاش دیکر دو حصوں میں بغداد کا محاصرہ ڈال دیا۔ ایک تو عضد الدولہ کے
"بیمارستان" کے قریب شہر وسطی پر پڑا تھا اور دوسرا اس کے جنوب میں
خلیفہ کے محل کے سامنے محلہ "قریہ" کے باہر تھا۔

تاتاری فوج جو دجلہ کے مغربی کنارہ پر محاصرہ ڈالے ہوئے تھی اس کی
نسبت رشید الدین لکھتا ہے کہ اس کے خیمے "دوالاب بقل" پر اور "ابو الفرج" کے قلعہ
کے "قلعہ" پر تھے۔ دونوں درحقیقت ایک ہی جگہ کے نام معلوم ہوتے ہیں۔
جس قلعہ کا رشید الدین تذکرہ کرتا ہے غالباً وہ مدینۃ المنصور کی پرانی دیواریں
تھیں جو تیرھویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔

محاصرین کی جان توڑ کوششوں کی تائید نمک حرام امرا اس کی دیوار پناہ
کے اندر کر رہے تھے۔ کرخ اور ان محلوں میں جو امام موسیٰ کے مقبرہ کے گرد
واقع تھے حضرات شیعہ آباد تھے۔ سنیوں کے ساتھ جو کچھ انہیں دلی عداوت
تھی اس کا اظہار اگرچہ وقتاً فوقتاً ان کی طرف سے ہوتا رہا لیکن اس مصیبت کے
وقت اس کو نمک حرام قوم نے وہ کیا جو ہلاکو خاں اور اس کا ٹڈی دل تاتاری
لشکر کبھی نہ کر سکتا۔ انہوں نے اول اول محاصرین سے خفیہ خط و کتابت کا
سلسلہ قائم کیا بعد ازاں علانیہ ان کا ساتھ دیا۔

پچاس دن کے محاصرہ کے بعد ہلاکو خاں نے "برج عجمی" پر ایک دفعہ
زور سے حملہ کیا۔ اور مشرقی بغداد کو ہلا کر کے لے لیا۔ مستعصم مع دیگر متعلقین
کے گرفتار ہو گیا اور قیدیوں کی طرح مغلیہ خیموں میں لایا گیا۔ اس کے بعد ہلاکو
بغداد میں داخل ہوا اور بقول رشید الدین میمونیہ میں اترا۔ بظاہر معلوم ہوتا
ہے کہ ایرانی مورخ نے قصر ماموںیہ کو بگاڑ کر "میمونیہ" لکھا ہے۔ قصر ماموںیہ

شرقی بغداد میں مغلیہ کیمپ کے بہت قریب تھا۔

چالیس دن تک بغداد میں غارت اور قتل عام کا بازار گرم رہا۔ دار السلام بغداد جس کا دروازہ صدہا سال سے بوسہ گاہ خلایق رہا وہاں زبان شمشیر کے سوا کسی زبان آور کو دم مارنے کی جگہ نہ تھی جاہل ترکوں نے سب دفتر جلا دئے۔ کتب خانے اس قدر دریا برد کئے کہ دجلہ کا پانی کالا ہو گیا۔ افسوس ہے کہ اس آتش نے اس علمی خزانہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا جسے مامون رشید جیسے علم دوست خلیفہ نے نہایت محنت سے جمع کیا تھا۔ مستعصم پہلے ہی گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا اور اس کی لاش کو تشہیر کیا گیا تھا۔ اس شہادت سے زیادہ کون شاہد حال ہو گا۔ سلطنت کی شان و شوکت تو درکنار عظمت خلافت بھی خاک میں مل گئی۔

بغداد میں چالیس دن تک ایک طرف آگ اور دوسری طرف تلواریں خاک و خون کا خوفناک منظر پیش کرتی تھیں۔ جامع مسجد سلطانی مقبرہ موسیٰ الکاظم خلفاء کے مقبرے واقع رصافہ اور دیگر بازار اور مکانات سے آگ کے شعلے بلند تھے۔ آسمان دھواں دھار ہو رہا تھا۔ بازاروں اور گھروں میں بے گناہ عورتوں اور بچوں اور بڈھوں کی خون آلودہ لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ بموجب بیان فارسی مورخین ۸ لاکھ باشندگان بغداد نہ تیغ بیدریغ ہوئے۔ ہلاکو خاں نے یار و اغیار کسی میں فرق نہیں کیا۔ حضرات شیعہ کے بھی وہ پیش آیا جو وہ سنیوں کے واسطے چاہتے تھے۔ بلکہ سب سے پہلے کاظمین برباد ہوا۔

اہل تاتار کی ترکتازی کے بعد بغداد کی جو صورت رہ گئی تھی اس کا نقشہ "مراصد" میں کھینچا ہوا ہے۔ مصنف "مراصد" کی نسبت کچھ معلوم نہیں کہ کون تھا لیکن مراصد سے اتنا ظاہر ہوتا ہے اس نے یاقوت کے جغرافیہ کا خلاصہ لکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض بعض جگہ تصحیح کی گئی ہے اور اپنے زمانہ کے حالات بھی لکھے ہیں۔ بغداد کے متعلقہ حالات نہایت خوبی سے

لکھے ہیں۔ ایرانیوں۔ ترکوں۔ مغلوں کے متواتر حملوں سے بغداد پر جو تباہی وقتاً فوقتاً آئی اُس کے تذکرہ کرنے کے بعد گمنام مصنف مراصد لکھتا ہے کہ:-
"اب مغربی بغداد میں سوائے چند محلوں کے جو بیکسی کی حالت میں ایک دوسرے سے جدا پڑے ہیں کچھ باقی نہیں رہا۔ ان میں سے کرخ کچھ آباد ہے۔ مشرقی بغداد عرصہ سے ویران ہو رہا ہے۔ لیکن شماسیہ اور مخرم کے گرد ایک دیوار کھینچ دی گئی تھی۔ جو دجلہ کے کنارہ پر موجود تھی۔ تاتاریوں کی ترکتازی تک یہی حال رہا آخر محاصرے کے وقت اس دیوار کا بھی اکثر حصّہ گرا دیا گیا۔ اور بغداد کے تمام آدمی تہ تیغ بے دریغ ہوئے کوئی شخص نہ بچا جو اس کی گذشتہ خوبیوں کا تذکرہ کرتا یا اس کی تباہی کا رونا روتا۔ گرد نواح سے لوگ آ آکر اس جگہ آباد ہوئے چنانچہ موجودہ آبادی گذشتہ سے بہت مختلف ہے۔ اور بغداد کی صورت گذشتہ ایام سے بہت بدل گئی ہے۔ لیکن —
ان اللہ علےٰ کل شیئ قدیر۔

مغلیہ محاصرہ نے خلافت عباسیہ اور دار الخلافت بغداد کا خاتمہ کر دیا۔ تاریخ بغداد ۱۲۵۸ء سے موجودہ زمانہ تک بحیثیت دار السلام بغداد کے نہیں بلکہ بلحاظ ایک خاص شہر واقع عراق عرب ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے معمولی پند و نصائح کے پیرایہ میں بغداد کی تباہی پر ایک درد انگیز مرثیہ لکھا شیخ صاحب نظامیہ کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ اور قدرتاً انھیں بغداد سے ہمدردی تھی +

مرثیہ

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

اے محمد گر قیامت می براری سر ز خاک
سر برآور وین قیامت در میان خلق بین

نازنینان حرم را موج خون بیدریغ
ز آستان بگذشت ما را خون دل از آستین

زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
در خیال کس نگشتی کانچنان گردد چنین

دیدہ بردار ای کہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر بر خاک و خاقان بر زمین

خون فرزندان عم مصطفی شد ریختہ
ہم بر آن خاکی کہ سلطانان نہادندے جبین

وہ کہ گر بر خون آن پاکان فرود آید مگس
تا قیامت تلخ گردد در دہانش انگبین

بعد ازین آسایش از دنیا نباید چشم داشت
قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگین

دجلہ خونابست زین پس گر نہد سر در نشیب
خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجین

روے دریا درہم آمد زین حدیث ہولناک
میتوان دانست بر رویش ز موج افتادہ چین

گریہ بیہودہ است و بیحاصل بود شستن بآب
آدمی را حسرت از دل اسپ را داغ از سرین

نوحہ لائق نیست بر خاک شہیدان زانکہ ہست
کمترین دولت مر ایشان را بود خلد برین

لیکن از روئے مسلمانی و راہ مہر و رحمت
مہربان را دل بسوزد بر فراق نازنین

باش تا فردا کہ بینی روز داد و رستخیز
کز لحد با روے خون آلود برخیزد دفین

در زمین خاک قدمشان توتیاے چشم بود
روز محشر خونشان گلگونۂ رخسار عین

قالب مجروح اگر در خاک و خون غلطد چہ باک
روح پاک اندر جوار لطف رب العالمین

تکیہ بر دنیا نشاید کرد و دل بر وے نہاد
کاسمان گاہے بمہر است اے برادر گہ بکین

چرخ گردان با زمین گوئی دو سنگ آسیاست
در میان ہر دو روز و شب دل مردم طحین

روز بازوے شجاعت برنیاید با اجل
چون قضا آید نماند قوت راے رزین

تیغ ہندی برنیاید روز ہیجا از نیام
شیر مردے را کہ باشد مرگ پنہان در کمین

تجربت بے فائدہ است آنجا که برگردید بخت — حمله آوردن چسود آنرا که برگردید زمین
گر کسانند اینے مردار دنیا جنگجوے — اے برادر گر خردمندی چو سیمرغان نشین
ملک دنیا را چه قیمت حاجت نیست از خدا — گو نگهدارد بجا بر ملک ایمان و یقین
یارب این رکن مسلمانان بجا آباد دار — در پناه شاه عادل پیشوای ملک و دین
خسرو صاحب قران غوث زمان بوبکر سعد — آنکه اخلاقش پسندیده است و اوصافش گزین
مصلحت بود اختیار رای روشن بین او — زیر دستان را سخن گفتن نشاید جز چنین
لاجرم در بحر و برش اعیان دولت سند — کای هزاران آفرین بر جانت از جان آفرین
روزگارت با سعادت باد و سعدی مدحگو — رایت منصور و بختت یار و اقبالت قرین

تاریخ بغداد

حصّہ دوم

فصل اوّل

مغربی بغداد

دریائے دجلہ نے عراق[1] کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جانب مغرب عراق عرب اور مشرقی طرف عراق عجم کہلاتی۔ اسی طرح بغداد کے بھی دو حصّے کر دئیے تھے۔ مغربی بغداد عراق عرب اور مشرقی بغداد عراق عجم پر واقع تھا۔ قدرت ہی نے بغداد کو عرب و عجم کے اجزا سے مرکب بنایا ہوا تھا۔ اور یہی اجزا بغداد کی ہر ایک بات میں تھے۔ لیکن جس کیمیائی طاقت نے ان اجزا کو کسی مفید مطلب نتیجہ کے واسطے ترکیب دیا وہ کچھ عرصہ بعد کمزور ہو گئی اور یہ اجزا بحالت اختلاط بھی ایک دوسرے سے الگ رہنے لگے۔ نہ صرف یہی بلکہ اپنا متضاد اثر بھی ڈالنے لگے۔ ابتدا میں عربی طاقت میں اس زور کی کشش تھی کہ

---

[1] لغت میں عراق کے معنی کنارہ کے ہیں چونکہ عراق عرب اور عراق عجم دونوں دریا کے کنارہ پر واقع ہیں اس لئے ان کو عراق کہتے ہیں تمام ملک جو مابین دجلہ اور فرات کے واقع ہے اُن کو الجزیرہ کہتے ہیں اور اُس کے جنوبی حصّہ کو عراق عرب بولتے ہیں دریائے کیسپین کے جنوبی جانب عراق عجم ہے۔ اصفہان وطہران وہمدان وغیرہ بڑے بڑے شہر اُس کے متعلق سمجھے جاتے ہیں۔

عجمی خود کھینچے چلے آئے۔ عجمی مردہ طاقت میں عربی برقی اثر نے تازہ روح
پھونک دی۔ مس خام کندن کی طرح ایسا چمکا کہ زر خالص نظروں میں نہ جچتا تھا۔
کچھ عرصہ بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرچشمہ حیات بند ہوتا جاتا ہے اور جو کچھ
فیض تھا وہ سب مردہ طاقت میں منتقل ہو گیا۔ فی الواقع یہی بات تھی۔
لیکن افسوس ہے کہ اس تار کے ٹوٹنے پر جس کے ذریعہ یہ برقی اثر اپنا کام کر
رہا تھا یہ علمی کارخانہ عملاً درہم برہم ہو گیا۔

تاریخ بغداد سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے ابتدا میں بغداد دریائے دجلہ
کے مغربی کنارے یعنی عراق عرب پر واقع تھا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس
کی ابتدائی حالت کیا تھی اور کس طرح عجمی اختلاط شروع ہوا اور اس کا کیا
کچھ اثر ہوا۔ مدینۃ المنصور اور کرخ اور حربی وغیرہ مغربی بغداد کے محلے تھے
پایہ خلافت مغربی بغداد میں تھا۔ لیکن دجلہ کے دوسرے کنارہ پر بھی بغداد
کی آبادی پھیلتی جاتی تھی۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ حال ہو گیا کہ مغربی بغداد کی رونق
کا اکثر حصہ مشرقی بغداد میں منتقل ہو گیا۔ اور خلفا نے عراق عرب کو چھوڑ کر
عجم پہنچ مشرقی بغداد میں رہائش اختیار کی۔ مشرقی بغداد نے وہ عروج حاصل
کیا جو مغربی بغداد کو کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس وقت سے یہ سمجھنا چاہئے کہ
سلطنت عرب کے حدود کو چھوڑ کر فارس کی طرف جا رہی تھی ان واقعات کو
ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں لکھتے ہیں اور پہلے مغربی بغداد کے ابتدائی
زمانہ اور عروج اور نزول کا ذکر کرتے ہیں۔

بغداد کی ابتدائی حالت کا ذکر ہم "مدینۃ المنصور" کے حالات میں کر چکے
ہیں۔ ابتدا میں تو یہی کچھ بغداد کی آبادی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی آبادی
مدینۃ المنصور کے دائرہ کے باہر شروع ہو گئی اور جا بجا مکانات تعمیر ہونے
لگے حتیٰ کہ مدینۃ المنصور مغربی بغداد کا ایک محلہ تھا۔
فی زمانہ مغربی بغداد کے آثار سوائے کھنڈرات کے اور کچھ موجود نہیں۔

مورخین نے جو کچھ اُس زمانہ میں اس کے حالات قلمبند کئے اُس سے ہم اس کا
نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ لیکن اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ فلاں "قصر" "دار" یا
"قطیعہ" کہاں واقع تھا ضرور ہے کہ ہم اُن سڑکوں اور نہروں کو اپنا رہنما بنائیں
جو مغربی بغداد میں تھیں +

ان نہروں نے بغداد کو ایسا خوبصورت بنا رکھا تھا کہ اُس زمانہ میں کیا موجودہ
زمانہ میں بھی اس کا نظیر نہیں ملتا۔ ابتدا میں تو یہ نہریں صرف بغداد کے باغوں
اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے واسطے کھدوائی گئی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے
کناروں پر مکانات تعمیر ہوتے گئے۔ اور بغداد کے عروج کے دنوں میں
اس کی یہ صورت تھی کہ نہریں شہر کے مختلف حصوں میں بہتی تھیں۔ ان کے
کناروں پر عالیشان قصر تھے جو اپنا سایہ ان پر ڈال رہے تھے۔ ان پر پختہ پل
تھے۔ جو نہایت شاندار محرابوں پر کھڑے تھے۔ بعض ان میں سے سنگ مرمر
کے تھے۔ جنہیں ہر وقت نہر کا پانی دھو کر صاف رکھتا تھا۔ ان پلوں پر منڈیاں
تھیں۔ نہروں کی سطح پر کشتیاں چلتی تھیں جو بغداد کے مختلف محلوں سے مال
ان منڈیوں میں لاتیں اہل بغداد تفریحاً کشتیوں پر سوار ہو کر اس دلکش نظارہ
کو دیکھتے جو ان کے دونوں کناروں پر نظر آتا تھا۔ کبھی وہ کسی عالیشان
قصر کے پاس سے اور کبھی ان پلوں کے نیچے سے گذرتے۔ کبھی وہ "خلد"
کے باغات کے قریب نظر آتے جن کا سلسلہ دور تک انہی نہروں کے کناروں
پر چلا گیا تھا اور کبھی ان لہلاتے سبز کھیتوں کے نزدیک دکھائی دیتے جن کی
فصلیں بغداد میں مشہور تھیں۔ غرض بغداد ان دنوں میں ایک ایسا شہر تھا اور
اس میں ایسے خوشنما اور دلکش منظر تھے جو صنعت اور حرفت نے کبھی نہیں
بنائے۔ اس کی کیفیت کو ہم صرف کسی قدر محسوس کر سکتے ہیں لیکن الفاظ میں
ظاہر کرنے سے بالکل قاصر ہیں +

بغداد کی آبادی سے پیشتر اور ایرانیوں کے دور دورہ میں۔ دریائے فرات

اور دجلہ کے درمیانی زمین کو سیر حاصل بنانے کے لئے فرات سے نہریں نکالی گئی تھیں جو دجلہ سے آ ملتی تھیں۔ دجلہ سے بھی نہریں نکالی گئی تھیں جو اس کے مشرقی حصہ کو سیراب کرتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی "نہروان" تھی۔ لیکن خلافت عباسیہ میں دجلہ سے دو ایسی نہریں نکلتی تھیں جو بغداد کی مغربی حصہ کو پانی دیتی تھیں۔ نہر عیسیٰ۔ نہر دجیل۔ نہر صرصر۔ نہر مالک۔ نہر کوثیٰ دریائے فرات کا پانی دجلہ میں لاتی تھیں۔ ان میں سے نہر عیسیٰ سب سے بڑی تھی۔ اور قریباً تمام مغربی بغداد کو سیراب کرتی تھی۔ مدینۃ المنصور کی تعمیر کے دنوں میں نہر دجیل فرات سے نکل کر نہر عیسیٰ کے متوازی بہتی ہوئی دجلہ میں گرتی تھی۔ نہر دجیل کی نسبت مختلف روایتیں ہیں غالباً دجیل بھی اُنہی ایام سے عراق میں بہتی تھی جب اس جگہ کسریٰ کی حکومت تھی۔ غرض اس وقت مغربی بغداد صرف فرات کے پانی سے سیراب ہوتا تھا۔ چوتھی صدی کے اختتام پر یہ ایرانی نہر بند ہوگئی تھی اس کی جگہ اور چھوٹی سی نہر کھودی گئی تھی جو "حربیہ" کو پانی دیتی تھی۔

نہر عیسیٰ فرات سے جدا ہو کر عین مشرق کی طرف بہتی۔ قصبہ محول مدینۃ المنصور سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس جگہ پہنچ کر نہر عیسیٰ سے ایک شاخ نکلتی جسے صرات کہتے تھے۔ نہر عیسیٰ جنوب کو اور پھر شمال مشرق کی سمت نصف دائرہ بناتی ہوئی کرخ کے مضافات کو طے کر کے مدینۃ المنصور کے قریب دجلہ میں گرتی۔ نہر صرات۔ نہر عیسیٰ کے بائیں جانب سے نکلتی اور کچھ دور قریباً اس کے متوازی بہتی ہوئی مدینۃ المنصور کے جنوب مغرب میں باب کوفہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر آ کر مدینۃ المنصور کے گرد چکر لگا کر پھر باب کوفہ پر نمودار ہوتی اور بعد ازاں باب خراسان کے باہر قصر خلد کے باغات کے نیچے دجلہ میں گرتی۔

مدینۃ المنصور چار اضلاع میں واقع تھا۔ دو ضلعے دجلہ کے مغربی اور دو مشرقی

جانب تھے۔ بغداد کے دونوں حصوں نے ان اضلاع کو ملا دیا تھا۔ مضافات کرخ اور مدینۃ المنصور ضلع "بادوریا" اور "قُطربُلّ" میں واقع تھے۔ نہر صرات ان دونوں اضلاع کے درمیان بہتی اس کے بائیں جانب قُطربُلّ اور دائیں طرف بادوریہ تھا۔

نہر صرات مدینۃ المنصور سے ایک میل کے فاصلہ پر دو شاخوں میں منقسم ہوتی بائیں شاخ کو "خندق طاہر[1]" کہتے تھے۔ خندق طاہر حربیہ کے قریب زاویہ قائمہ بناتی ہوئی پھر مدینۃ المنصور سے ایک میل کے فاصلہ پر دجلہ میں گرتی۔ خندق طاہر سے ایک شاخ نکلتی جو دائیں جانب کو بہتی ہوئی پھر لوٹ کر نہر صرات میں آملتی اسے صرات خورد کہتے تھے۔ نہر صرات خورد و کلاں کا اتصال باب کوفہ کے سامنے ہوتا۔

محول سے ایک میل کے فاصلہ پر نہر عیسیٰ سے ایک شاخ بائیں جانب نکلتی جسے "نہر کرخایا" کہتے تھے۔ یہ نہر کرخ میں بہتی تھی۔ اس سے چار شاخیں بائیں طرف اور ایک شاخ دائیں جانب کو بہتی۔ نہر کرخایا نہر عیسیٰ ہی میں گرتی۔

---

[1] خندق طاہر کی نسبت بالتحقیق معلوم نہیں کہ کس نے کھدوائی۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا نام طاہر ذوالیمینین کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ خندق طاہر طاہر کے زمانہ سے پہلے کی تھی۔ طاہر کی نسبت ہم حصہ اول میں لکھ چکے ہیں کہ مامون الرشید کی فوج کا سپہ سالار تھا اور اسی کے ہاتھ سے امین قتل ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے مامون رشید کو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں سنہ ۲۰۵ھ میں اسے اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا۔ یعنی خراسان کی حکومت پر تقرر ہوگیا۔ مگر درحقیقت اس کی تباہی کا زمانہ قریب آگیا تھا۔ ایک دن مامون کی بزم عیش میں حاضر تھا دور شراب چل رہا تھا۔ مامون نے اس کی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ طاہر حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے آخر اسے بذریعہ حسین جو مامون کا ندیم خاص تھا معلوم ہوا کہ اسے دیکھ کر مامون کو بیکس امین کے قتل کا واقع یاد آتا ہے۔ اور یہ کہ مامون کے ہاتھ سے کسی نہ کسی دن ضرر ضرور پہنچیگا۔ اس لئے مناسب یہی خیال کیا کہ مامون کی نظروں سے دور رہے۔ وزیر اعظم کی سفارش سے خراسان کی حکومت عنایت ہوئی۔ مامون نے ایک غلام ساتھ کر دیا اور در پردہ کہہ دیا کہ موقع ملے تو زندہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ سنہ ۲۰۷ھ مقام مرو میں طاہر کو زہر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مامون کو اور بھی شکایت تھی۔ طاہر کے خیالات باغیانہ تھے۔ اس لئے اس کے درپے آزار ہوا۔ بیکس امین کے قاتل کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔

ان چار شاخوں میں سے ایک "نہر زرین" تھی۔ یہ بھی کرخ میں بہتی اور نہر صرات سے جا ملتی۔ دوسری جو دست چپ کو جاتی تھی "بزازین" کہلاتی۔ یہ نہر کرخایا "محلہ بزازوں" سے گذرتی اور شرقیہ کو جو "باب بصرہ" کے باہر تھا قطع کر کے دجلہ میں گرتی۔ تیسری شاخ بھی جانب چپ "بزازین" کے متوازی بہتی تھی۔ چونکہ مرغ بیچنے والوں کی منڈی سے گذرتی اس لئے اس کا نام "الدجاجہ" تھا۔ یہ بھی دجلہ سے ملتی۔ کرخایا کے داہنی جانب سے "نہر الکلاب" نکلتی اور "قنطرہ شوک" کے نیچے نہر عیسیٰ سے ملتی۔ کرخایا کی پانچویں شاخ "نہر القلایین" "نہر الدجاجہ" میں گرتی۔ خود کرخایا نہر عیسیٰ سے ملتی اس کے زیریں حصہ کو "نہر طبیق" کہتے تھے۔

مغربی بغداد کا شمالی حصہ محلہ "حربی" تھا۔ اس میں ایک نہر بہتی تھی اسے "نہر باب الشام" کہتے تھے۔ یہ کرخایا کی شاخ "نہر زرین" کی شاخ تھی۔ یہ نہر بہ نسبت نہر صرات کے بلند سطح پر بہتی تھی۔ اور "شارع کوفہ" کے ساتھ ساتھ باب کوفہ کے قریب آکر داہنی جانب کو جاتی اور مدینۃ المنصور کی دیوار کے گرد بہتی ہوئی باب شام پر آتی۔ لیکن اس جگہ پہنچنے سے پیشتر اس کی ایک اور شاخ داہنی طرف نکلتی اور دائرہ کی شکل میں بہتی ہوئی مدینۃ المنصور کے کھنڈرات میں غائب ہو جاتی۔ نہر باب شام میں باب شام پر "حربی" کی دو اور نہریں آملتیں اس کا رخ اس جگہ شمال کو بدل جاتا اور شارع شام کے ساتھ ساتھ "زبیدیہ" کے قریب پہنچ کر بالکل خشک پڑ جاتی۔

غرض حربی میں نہریں شمال کی طرف سے آتی ہوئی نہر باب شام کی سطح مرتفع پر بہتی تھیں۔ ان میں سے بڑی کا نام "بطاطیا" تھا۔ یہ باقی دونوں اس کی شاخیں تھیں۔ نہر "بطاطیا" دجیل کی شاخ تھی۔

ان شاخوں میں سے ایک بطاطیا کے بائیں طرف سے نکل کر دجلہ کے قریب بہتی۔ اور خندق طاہر کو جو باب حربی کے نزدیک تھی قطع کر کے مضافات حربیہ میں سانپ کی طرح پیچ و خم کھاتی ہوئی گذرتی اور پھر نہر باب شام سے جا ملتی۔

دوسری شاخ باب حربی اور "باب الحدید" کے درمیان خندق طاہر کو عبور کرتی اور باب شام کے مغربی طرف نہر باب شام سے ملحق ہو جاتی۔ تیسری شاخ "قنطرہ باب انبار" کے نیچے ہو کر شمالی مضافات میں داخل ہوتی۔ اور "شارع باب انبار" کے قریب بہتی ہوئی خشک ہو جاتی۔ غرض حربی کی نہریں دور و نزدیک چل کر خشک پڑ جاتیں ؛

ان تمام نہروں میں سے نہر عیسیٰ۔ صرات۔ طاہر بہت بڑی تھیں ان پر بے شمار پل تھے۔ باقی نہریں انہی کی شاخیں تھیں۔ اگرچہ نہر کرخایا بھی بہت بڑی نہر تھی لیکن کرخ میں آکر اس کی بہت سی شاخیں ہو جاتیں اس لئے انبار سے ہمسری کا دعوے نہ رہتا ؛

مغربی بغداد

ہم بیان کر آئے ہیں کہ خلیفہ منصور نے کس طرح بغداد کی بنیاد رکھی اور یہ کہ اس کی ابتدائی عمارات کو مدینۃ المنصور کہتے تھے۔ اس میں چار دروازے تھے جن سے چار سڑکیں یعنی باب کوفہ سے شارع کوفہ جنوب مغرب اور باب بصرہ سے شارع بصرہ جنوب مشرق اور باب شام سے شارع شام شمال مغرب اور باب خراسان سے شارع خراسان شمال مشرق کو جاتی تھی۔ اس وقت تک آبادی صرف مدینۃ المنصور کے دائرہ ہی میں محدود تھی رفتہ رفتہ اس کے

باہران سڑکوں کے کنارے کنارے مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ اور یہی سڑکیں بازار کی صورت میں ہوگئیں۔ علاوہ ازیں خلیفہ نے اپنے رشتہ داروں اور دیگر جانثاروں کو مدینۃ المنصور کے باہر زمینیں جاگیر میں دے رکھی تھیں۔ انہوں نے وہاں قصر تعمیر کئے۔ باغ لگوائے۔ پھران کے لواحقین نے مکانات بنوائے۔ یہاں تک کہ ان جاگیروں میں اور لوگ بھی آ آکر آباد ہوتے اوران کی شکل بھی ایک چھوٹے سے قصبہ کی ہو گئی۔ مذکورہ بالا سڑکوں اوران کی شاخوں کے ذریعہ ان کا تعلق مدینۃ المنصور سے قائم رہا ہوتے ہوتے آبادی اس قدر بڑھ گئی کہ یہی زمینیں جو جاگیروں میں دی گئی تھیں بغداد کے آباد محلے بن گئے۔ ان میں بازار تھے جہاں دو رویہ سوداگروں کی دکانیں تھیں۔ مختلف قسم کی منڈیاں تھیں جہاں خرید و فروخت کا بازار خوب گرم رہتا۔ عالیشان مسجدیں اور دیگر عمارتیں تھیں۔ غرض یہ محلے بھی بجائے خود آباد شہروں کی طرح تھے۔ مگر ان کا وہی پرانا نام جن کے پہلے "دار" "قصر" یا "قطیعہ" آتا تھا آخر تک قائم رہا۔

اب ہم مذکورہ بالا سڑکوں اور عمارتوں کا حال کسی قدر مفصل بیان کرتے ہیں اور چونکہ بغداد پہلے پہل مغربی کنارہ دجلہ پر آباد ہوا اس لئے اول ہم صرف اسی کے متعلق لکھتے ہیں۔

باب کوفہ سے ایک سڑک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو جاتی تھی حج کے دنوں میں اس پر کثرت سے آمدورفت رہتی۔ یعقوبی نے بغداد کی سڑکوں کا مفصل حال لکھا ہے اور شروع میں اسی سڑک شارع کوفہ کا تذکرہ کرتا ہے۔

باب کوفہ سے نکل کر شارع کوفہ مربع باب کوفہ سے گذرتی۔ اس کے بائیں جانب جنوب مشرق کی طرف ایک قطعہ زمین تھا جو خلیفہ منصور نے ایک امیر مسمی "مسیب" کو جاگیر میں عطا فرمایا تھا۔ مسیب خلیفہ کے عہد میں پولیس افسر تھا۔ خدمات کے صلہ میں یہ جاگیر ملی۔ اس جگہ اس نے ایک

قصر بنوایا جو قصر مسیّب کے نام سے مشہور ہوا اس کے پہلو میں ایک مسجد تھی جس کے بلند منار دور سے نظر آتے تھے۔ اس کے آگے دیگر جاگیروں کا سلسلہ جو باب بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع تھیں شروع ہو جاتا۔ انہی جاگیروں کے ساتھ ساتھ نہر صرات بہتی تھی۔ اسی جگہ شارع کوفہ کے کنارہ پر ایک منڈی تھی جسے "سوق عبد الواحد" کہتے تھے۔ اور اس کے قریب "زہیریہ" یا "رباط زہیریہ" تھا۔ زہیر مسیّب[1] کا بیٹا تھا۔

مربع کے دائیں جانب خاندان شروانی کی جاگیر تھی۔ خلیفہ منصور کے عہد میں اس خاندان کا ایک رکن دربان تھا۔ اس جاگیر کے پیچھے قصر عبد الواحد واقع تھا۔ اس کے نیچے ایک سڑک تھی اور اس کے ساتھ ساتھ نہر صرات خورد بہتی تھی۔ اس جاگیر کے قریب "دیوان الصدقہ" تھا۔ اور اس کے پہلو میں "مہاجر" کی جاگیر تھی۔ مہاجر خلیفہ منصور کا سیکرٹری تھا۔ "دیوان الصدقہ" کے قریب "اصطبل المولی" تھا۔

شارع کوفہ مربع باب کوفہ سے گذر کر پرانے پل کی طرف جاتی۔ اس پل کے نیچے نہر صرات کلاں بہتی تھی۔ اس پل کو "قنطرہ العتیقہ" کہتے تھے۔ یہ پل خشت پختہ کی محرابوں پر کھڑا تھا۔ اس پل سے گذر کر یہ سڑک کئی ایک شاخوں میں منقسم ہو جاتی۔ ایک شاخ دائیں جانب مغرب کی طرف قصبہ محول کو

---

[1] زہیر بن المسیّب مامون الرشید کے زمانہ میں فوج کا جرنیل تھا۔ اور وقتاً فوقتاً جو بغاوتیں ہوئیں ان کے فرو کرنے میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا۔ ۱۹۹ھ میں ابن طباطبا یعنی اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن بن علی بن ابی طالب نے خروج کیا تو زہیر بن المسیّب دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ لیکن شکست فاش کھائی۔ ۲۰۱ھ میں ہرثمہ مامون الرشید کی فوج کا نامور اور مشہور افسر مامون کے حکم سے قید کیا گیا۔ وزیر اعظم فضل اس کا دشمن تھا قتل کروا دیا اہل بغداد اس سے بہت مانوس تھے بغاوت کی۔ مامون اس وقت خراسان میں تھا۔ اس کی طرف سے حسن بغداد کا گورنر تھا۔ زہیر کو باغیوں کے مقابلہ کے واسطے بھیجا۔ باغیوں نے اسے زندہ گرفتار کر کے بازنجیر بغداد میں بھیج دیا۔

جاتی۔ بائیں طرف اور عین جنوب کی جانب شارع کوفہ کے راستہ میں
"سوق عبدالورد" پڑتی۔ "عبدالورد" خلیفہ منصور کے عہد میں "بیت المال"
کا افسر تھا۔ خلیفہ مہدی کے عہد میں قاضی رہا۔ اس جگہ جاگیر عطا ہوئی۔ کہتے
ہیں کہ اس جگہ کی زمین بہت سرسبز تھی۔ پانی کی کسی طرح کمی نہ تھی۔ اس کے
پرے دریا کی جانب اور بہت سی جاگیریں تھیں۔ اس جگہ دو مسجدیں تھیں۔
ایک تو بانی کے نام پر ابن رغبان کہلاتی اور دوسری اہل انبار نے تعمیر کروائی
تھی۔ ابن رغبان اصل میں "حبیب ابن مسلمہ" کا غلام تھا اور حضرت عثمانؓ اور
امیر معاویہؓ کے عہد میں اس جگہ کا عامل تھا۔ یہ مسجد عہد عباسیہ میں مشہور
تھی۔ علماء و فضلا کا اس جگہ مجمع ہوتا اور علمی بحث ہوتی۔

"سوق عبدالورد" اسی مسجد کے قریب تھی۔ کچھ فاصلہ پر "نہر زربی" تھی۔
اس کے بعد "زلزل[1] کا تالاب" تھا۔ "زلزل" موسیقی کا مشہور استاد تھا۔
اور اسحاق ابراہیم کا رشتہ دار تھا جس کے نغموں پر ہارون الرشید شیفتہ
تھا۔ زلزل نے یہ تالاب اس جگہ بنوایا۔ مرتے وقت اہل بغداد کے لئے
وقف کر دیا۔

شارع کوفہ مغرب کی طرف جاتی ہوئی "قنطرہ بیمارستان" سے گذرتی۔
اس کے نیچے "نہر زربی" بہتی۔ اس جگہ اس کا نام "العمود" تھا۔ "العمود" اس
مشہور و معروف شفا خانہ کے پاس بہتی جسے "بیمارستان" کہتے تھے۔
اسے عضد الدولہ دیلمی نے دجلہ کے کنارہ بنوایا تھا۔ اسی شفا خانہ میں "حکیم
محمد زکریا الرازی" علم حکمت پر لکچر دیا کرتا تھا۔ یہ میڈیکل کالج تھا جہاں بغداد
کے حکما جمع ہوتے اور طلبا کے سامنے لکچر دیں کرتے۔ "رازی" کا سن [illegible]

زلزل کا تالاب

---

[1] خلافت عباسیہ کے دور میں موسیقی کو خوب ترقی ہوئی۔ زلزل ان مشہور استادوں میں تھا
جنہوں نے بہت سی راگنیاں ایجاد کیں۔ اس کا شاگرد اسحاق خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں
منشی تھا۔ زلزل خود بھی اس فن میں کمال رکھتا تھا۔

میں انتقال ہوا ؀

نہر کرخایا یا "نہر العمود" کے کناروں پر "الانصاریات" یا گویا عورتوں کے گھر تھے۔ اور قریب ہی ابوالقاسم کا کارخانہ تھا۔ اس کے بعد اہل "واسط" کے مکانات تھے۔ پھر ایک اور عمارت آتی جسے "الخفقان" کہتے تھے ؀

نہر کرخایا سے وہ تمام نہریں کاٹی گئی تھیں جو کرخ اور اُس کے مضافات میں بہتی تھیں۔ سوق الورد کے جنوب میں اور نہر "برازیں" کے کنارہ پر باب کرخ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ کرخ اسلام[لہ] کے زمانہ سے بھی پہلے کا آباد تھا۔ بقول حمداللہ مستوفی ایرانی جغرافیہ دان اسے ساسانی بادشاہ شاپور (۳۰۹ء سے ۳۷۹ء تک) نے بسایا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ کرخ ایک شامی لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی "کسی جگہ پانی جمع کرنا" ہیں ؀

ممکن ہے کہ اس جگہ پہلے بھی کچھ آبادی ہو مگر جو رونق اور شہرت اسے خلافت عباسیہ میں ہوئی وہ کسی زمانہ میں نہ ہوئی ہوگی۔ کرخ باب کوفہ اور باب بصرہ یا نہر عیسیٰ اور نہر صراۃ کے درمیان تھا۔ ایک صدی کے اندر اندر اس کی آبادی اس قدر پھیلتی گئی کہ نہر عیسیٰ کو درمیان میں لے لیا۔

لہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں نے ایران پر فوج کشی کی تو سعد وقاص سپہ سالار تھے۔ اور ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم تھا۔ دونوں لشکر قادسیہ کے میدان میں ایک دوسرے کے سامنے ہوئے فردوسی شاہنامہ میں جنگ قادسیہ اور دونوں سپہ سالاروں کا مقابلہ کا حال بیان کرکے لکھتا ہے کہ جب رستم سعد بن وقاص کے ہاتھ سے مارا گیا تو ؎

سوئے شاہ ایراں بیامد سپاہ — شب تیرہ و روز تازاں براہ
چو رستم بجنگ اندروں کشتہ شد — سر نامداراں ہمہ گشتہ شد

چہ مایہ بکشتند از ایراں سپاہ — بسے بازگشتند از آوردگاہ
سپاہ مسلماں پس اندر دواں — ہمیشہ بکردار شیر ژیاں

بر بغداد بود آں زماں یزدگرد — کہ او را سپاہ اندر آمد بگرد
بگفتند با او کہ رستم نماند — ازاں غم بدریا دروں نم نماند

بکشتند چندے ز ایراں سپاہ — دگر بازگشتند ازاں رزمگاہ
از آنجا بکرخ اندر آمد سپاہ — ہم از پارسی ہم ز تازی براہ

بکرخ اندر آمد یکے حملہ برد — کہ از نیزہ داراں نماند ایچ گرد

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں کرخ نہر عیسیٰ کے جنوب کی طرف دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اور شارع کوفہ کے قرب وجوار کی زمین اس میں شامل ہو گئی تھی ؛

یعقوبی لکھتا ہے کہ کرخ طول میں چھ میل اور عرض میں تین میل تھا۔ اس مورخ کا بیان کرخ کی نسبت بہت صحیح ہے کیونکہ وہ اس کے عین عروج کے زمانہ میں تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کرخ کے بازار مختلف پیشوں اور تجارت کی وجہ سے مشہور تھے۔ اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو اُسی بازار سے ملتی جہاں اس کی منڈی تھی۔ کسی دوسرے بازار میں تلاش سے بھی دستیاب نہ ہوتی۔ بزازوں کے بازار میں صرف کپڑا ہی ملتا اگر سبزی کی ضرورت ہو تو اس کی بھی خاص منڈی تھی۔ غرض ہر ایک چیز کی خرید و فروخت اُسی جگہ ہوتی جہاں اُس کی عام منڈی تھی۔ اور اسی طرح بزازوں اور جواہریوں وغیرہ کے علیحدہ محلے تھے جہاں صرف انہی اشخاص کے مکان تھے ؛

کرخ مغربی بغداد کی تجارت کا مرکز تھا۔ اگرچہ اس کی بنیاد بھی خلیفہ منصور نے ہی رکھی تھی۔ لیکن اس کے آباد کرنے کا خیال اُسے بعد میں پیدا ہوا۔ کیونکہ ابتدائی شہر کے نقشہ میں کرخ کے واسطے کہیں جگہ نہ تھی۔ شروع میں تمام تجارتی منڈیاں مدینۃ المنصور میں تھیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خلیفہ کے حکم سے تجارت کرخ میں منتقل ہو گئی طبری لکھتا ہے کہ ایک دفعہ قسطنطنیہ کا ایک سفیر خلیفہ منصور کے دربار میں آیا۔ حاجب کو حکم ہوا کہ سفیر کو شہر کی سیر کراؤ“ حکم کی تعمیل خاطر خواہ ہوئی۔ تمام بازار اور عمارتیں دکھائی گئیں۔ رخصت کے وقت خلیفہ نے دریافت کیا کہ ”شہر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے“ عرض کی کہ ”شہر تو بہمہ وجوہ اچھا ہے۔ لیکن اسی شہر میں خلیفہ کے دشمن بھی رہتے ہیں اور بے کھٹکے اپنا کام کرتے ہیں“ جب اس فقرہ کا مطلب پوچھا گیا تو کہا کہ تجارتی منڈیاں جو شہر میں ہیں غیر ممالک کے باشندوں اور

سوداگروں کی رہائش کی جگہ ہیں۔ کیا معلوم وہ سوداگر ہیں یا سوداگروں کے لباس میں خلیفہ کے دشمنوں کے جاسوس ہیں۔ اس جگہ سوداگر بن کر آتے ہیں اور اپنے ملک میں یہاں کے حالات پہنچاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ تمام منڈیاں شہر کے دروازوں کے قریب ہیں اس لئے یہی تا خانہ بدوش گندم نما جو فروش آسانی سے دروازہ کھول سکتے ہیں۔" خلیفہ پر سفیر کی بات اثر کر گئی منڈیاں شہر سے اٹھا دی گئیں۔ چنانچہ اس طرح تجارت کرخ میں منتقل ہو گئی۔

کرخ میں پہلی منڈی ۲۰ گز مربع تھی۔ لیکن یہ مختصر سی منڈی اس قدر پھیلی کہ اس کے سامنے تمام روئے زمین کی تجارتی منڈیاں اور شہر ماند پڑ گئے۔ ایک سو سال کے بعد اس جگہ ایک دفعہ آگ لگ گئی۔ خلیفہ واثق کا عہد تھا۔ از سر نو تعمیر کروا دیا۔ اور جیب خاص سے دس لاکھ درہم امدادی فنڈ میں دئیے۔

کرخ اور مغربی بغداد کے دیگر محلوں کے رونق مدینۃ المنصور کی بے رونقی کی وجہ تھی۔ مگر در اصل اس کی ویرانی کا بسبب شرقی بغداد کی روز افزوں ترقی تھی۔ کیونکہ تیسری صدی کے اختتام پر خلفا کی رہائش اسی حصہ بغداد میں تھی۔ لیکن کرخ کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچا وہ ہمیشہ تجارتی منڈی رہی اور آج تک اگرچہ وہ حال نہیں مگر جہاں مغربی بغداد کے دیگر بارونق محلے غیر آباد ہو گئے کرخ موجود ہے۔

کرخ کے حدود میں ربیع کی جاگیر تھی۔ ربیع خلیفہ منصور کا حاجب تھا۔ ابتدا میں یہ جاگیر بہت وسیع تھی۔ اس میں وہ تمام زمین شامل تھی جو "نہر رزین" اور شارع کوفہ کے کنارے کے ساتھ ساتھ مغربی جانب نہر کرخا یا تک تھی۔ "مقدسی" کے زمانہ ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) میں یہ جاگیر کرخ میں سب سے زیادہ آباد تھی۔ ایک سو سال تک اس جاگیر پر ہر طرف لوگوں کے مکان ہی مکان نظر آتے تھے۔

شارع کوفہ باب کرخ سے گزر کر ایک اور دروازہ کی طرف جاتی تھی۔ اس کو "باب النخاسین" کہتے تھے۔ اس جگہ سے سوداگروں کی منڈیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ اور مختلف بازاروں کی سڑکیں کرخ کے حدود تک یعنی نہر عیسیٰ کے جنوب میں دور تک چلی گئی تھیں۔ کرخ کی انتہا "سوق الثلثا" تک تھی*

کرخ کی نہروں کا بالاجمال بیان مغربی بغداد کی نہروں میں ہو چکا ہے ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ نہر کرخایا نہر عیسیٰ کی شاخ تھی۔ اور اس سے دو اور نہریں نکلتی تھیں انہیں "نہر الکلاب" اور "نہر طبیق" کہتے تھے۔ نہر کرخایا۔ بزازین۔ وجاجہ رزیں اور صرات کا پانی دجلہ میں گرتا تھا*

کہتے ہیں کہ نہر کرخایا کو بغداد کی تعمیر کے وقت خلیفہ منصور کے چچا عیسیٰ نے کھدوایا تھا وہ اس وقت نہر صرات خورد وکلاں کے اتصال پر چکیاں بنوا رہا تھا*

کرخایا شفاخانہ کے پل قنطرہ المارستان کے پاس کئی شاخوں میں منقسم ہو جاتی۔ اگرچہ نہر کرخایا پر ایک نہایت پختہ پل بندھا ہوا تھا اور یہ تھی بھی بڑی فراخ لیکن اس کی شاخوں پر کوئی پختہ پل نہ تھا۔ اکثر تو بالکل پایاب تھیں اور کچھ عرصہ بعد مٹی سے بھر گئیں اور ان کا نشان تک مٹ گیا۔

اگرچہ یاقوت جو ساتویں صدی ہجری میں گذرا ہے لکھتا ہے کہ میرے زمانہ میں کوئی شخص نہ جانتا تھا۔ کہ نہر کرخایا کہاں اور کس کس جگہ بہتی تھی۔ لیکن ایک اور مورخ جو یاقوت سے ایک سو سال بعد ہوا اور جس نے یاقوت کی تحریروں کا خلاصہ لکھ کر کچھ نوٹ بھی دئیے ہیں بیان کرتا ہے کہ یاقوت کا یہ بیان کہ اب کرخایا کا پتہ نہیں چلتا غلط ہے۔ کیونکہ اب بھی پہلے کی طرح بہتی ہے۔ اور قرب و جوار کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے غالباً یاقوت کرخایا کی نہیں بلکہ اُس کی چھوٹی چھوٹی شاخوں کی نسبت لکھتا ہے کہ اب اُس کا کچھ نشان باقی نہیں ❊

نہر کرخایا نہر عیسیٰ اور نہر عیسیٰ "فرات" کی شاخ تھی۔ نہر عیسیٰ اس قدر چوڑی تھی کہ جہازوں کی آمد و رفت باآسانی ہوسکتی تھی۔ یہی نہر دریائے فرات کو دجلہ سے ملاتی تھی۔ فرات کے کنارہ پر جس قدر زمینیں تھیں ان کی پیداوار کے ساتھ کارواں مصر کا اناج اور دمشق کی اشیاء تجارت اول "رقہ" میں اور پھر نہر فرات اور بعد ازاں نہر عیسیٰ کے راستے کشتیوں پر کرخ کے بندرگاہ پر اتارتے ❊

کہتے ہیں کہ خلیفہ عمرؓ کے عہد میں جب عربوں نے عراق کو فتح کیا تو اس جگہ ایک نہر بہتی تھی۔ اسے "نہر رفیل" کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ یہ تھی کہ رفیل ایک ایرانی امیر کا نام تھا۔ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ ایک دفعہ ملاقات کے واسطے آیا۔ ریشمی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ اور دامن زمین سے لگتا تھا۔ خلیفہ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ "یہ چھوٹا سا آدمی کون ہے۔ جس کا دامن دراز زمین پر گر رہا ہے"! اسی سے اس کا نام رفیل پڑ گیا۔ اور چونکہ اس کی اقامت اسی جگہ تھی نہر کا بھی یہی نام ہوگیا بعض اقوال کے بموجب یہ نہر عیسیٰ کا اور بعض کے مطابق نہر کرخایا کا حصہ تھی۔ غرض کچھ ہو اس وقت تو اس کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا ❊

ایک مورخ کا قول ہے کہ عیسیٰ خلیفہ منصور کے بھائی موسیٰ کا بیٹا تھا۔ لیکن تمام مورخ متفق الرائے ہیں کہ خلیفہ کا چچا تھا اور خلیفہ کے جد علی کا بیٹا تھا۔ شاید یہ مغالطہ اس وجہ سے ہوا کہ خلیفہ کے بھائی × × × × موسیٰ کے بیٹے کا نام بھی عیسیٰ تھا۔ اور شاید اُس نے بھی اس نہر کے بنوانے میں کچھ حصہ لیا ہو۔

وہ عمارتیں جو مدینۃ المنصور کی تعمیر سے پہلے کی تھیں عیسیٰ کے نام پر مشہور تھیں۔ اور ضرور اسی عیسیٰ ابن علی کی بنوائی ہوئی تھیں۔ یہ عیسیٰ اوّل مدینہ منورہ اور پھر بصرہ کا گورنر رہا ہے اور خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اسی جگہ اُس کا انتقال ہوا۔ عیسیٰ ابن موسیٰ اوّل رہواز اور پھر کوفہ کا گورنر رہا اور ایک دفعہ ولی عہد سلطنت مقرر کیا گیا تھا۔ یہ وہی عیسیٰ ہے جو مدینۃ المنصور کی تعمیر کے وقت دو فاطمیہ باغیوں محمد اور ابراہیم کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا۔ شاید عیسیٰ مہدی کی ولادت سے پہلے ولی عہد مقرر ہوا ہوگا۔ اور بعد ازاں اُس کے حقوق کو نظر انداز کر کے مہدی کو مقرر کیا گیا۔ مگر عیسیٰ اُسی طرح کوفہ کا گورنر رہا اور یہیں اس نے وفات پائی۔

عیسیٰ ابن علی اور عیسیٰ ابن موسیٰ کے نام پر حمد اللہ مستوفی ایرانی نے سخت غلطی کھائی ہے۔ یہ شخص آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نہر عیسیٰ کو عیسیٰ ابن موسیٰ نے کھدوایا تھا اور آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہ نہر عیسیٰ ابن مریم کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حمد اللہ عام جہلا کی باتیں نقل کرتا ہے۔ عیسیٰ ابن موسیٰ کی نسبت جو کچھ اسے مغالطہ ہوا اتنا عجیب نہیں جتنا یہ امر کہ یہ موسیٰ خلیفہ منصور کا چچا تھا۔ حالانکہ وہ اُس کا بھائی تھا۔

قصبہ انبار کے قریب نہر عیسیٰ دریائے فرات سے نکلتی۔ اور ایک پل کے نیچے بہتی ہوئی محول کے قریب مشرق کی طرف سے آتی محول مدینۃ المنصور سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ محول پہ پہنچنے سے پیشتر نہر عیسیٰ سے نہر صراۃ

اور تھوڑے سے فاصلہ پر نہر کرخایا جدا ہو کر بائیں طرف کو جاتی - چونکہ محول بندرگاہ تھا کشتیاں یہاں آکر ٹھہرتیں اور سوداگروں کو اس جگہ مال حوالہ کیا جاتا اس لئے اس جگہ کا نام محول ہو گیا۔

نہر عیسیٰ کی نسبت مورخ لکھتے ہیں کہ بغداد میں اس نہر پر بند لگے ہوئے تھے - پانی کی چکیاں چلتی تھیں - پل بندھے ہوئے تھے اس لئے جہازوں کا گذر نہ ہو سکتا تھا - چونکہ اس کا تعلق براہ راست دریائے فرات سے تھا اس لئے کبھی خشک نہ ہوتی - ندی کی صورت میں شہر میں بہتی اور دریائے دجلہ میں جا گرتی۔

قصبہ محول سے دجلہ کے کنارے تک نہر عیسیٰ پر دس پل تھے ان میں ایک "قنطرۃ الشوکہ" تھا - اس پر سے شارع کوفہ گذرتی - اس سے اوپر پانچ اور اس کے بعد چار اور پل تھے - سب سے پہلا پل جو نہر عیسیٰ کو ملتا "قنطرہ یاسریہ" تھا - اس جگہ "رباط یاسریہ[1]" تھا - یہاں پانی کثرت سے موجود تھا - بہت سے گنجان باغ تھے - اور نہر کے کنارے کے ساتھ ساتھ واقع تھے - "یاسریہ" طول میں ایک میل اور بقول یاقوت پرانے بغداد سے دو میل تھا - اس کے بعد "قنطرۃ الزیاتین" (تیلیوں کا پل) تھا - پھر "قنطرۃ الاشنان" آتا - اشنان اسی جگہ ایک منڈی میں بکا کرتی - اس کے بعد "قنطرۃ الشوکہ" تھا - اس جگہ ایک منڈی تھی - یہاں حماموں کے واسطے

---

[1] مامون کی خلافت کا زمانہ ۱۹۸ھ سے شروع ہوتا ہے لیکن ۲۰۴ھ تک بغداد میں داخل نہ ہوا - اس عرصہ تک مامون خراسان میں ہی رہا اور بغداد پر حسن بن سہل گورنر تھا - امین کے قتل کے بعد ملک میں جابجا بغاوتیں شروع ہو گئیں اور مامون کو ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا - ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خلیفہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا اور عراق کے ایک حصے پر قابض ہو گیا - حمید کے مقابلہ میں شکست کھائی ۲۰۳ھ میں حمید بمقام یاسریہ مع فوج کے ٹھہرا - اس جگہ مامون کا خطبہ پڑھا گیا اور ابراہیم معزول کیا گیا ابراہیم کی خلافت کل ایک برس گیارہ مہینے اور ۱۲ دن رہی - آخر گرفتار ہوا مگر مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا۔

ایندھن فروخت ہوتا۔ اس کے قریب ہی بزازوں کی منڈی تھی۔ اس کے بعد "قنطرہ الرّمان" تھا۔ یہاں انار بکا کرتے۔ کچھ فاصلہ پر "قنطرہ المنفید" اور پھر "قنطرہ بستان"، اور پھر قنطرہ المعیدی" تھا۔ آخر الذکر "عبداللہ ابن محمد المعیدی" کی وجہ سے مشہور ہوا۔ معلوم نہیں کہ یہ شخص کس زمانہ میں ہوا۔ بہرحال خلیفہ معتصم (۲۱۸-۲۲۷ھ / ۸۳۳-۸۴۲ء) سے پہلے تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کی تمام جاگیر خلیفہ کے وزیر "محمد زیاد" کے قبضہ میں تھا۔ آخر میں "قنطرہ بنی زریق" تھا۔ بنی زریق ایرانی الاصل تھے اور صنعت وحرفت کے باعث مشہور تھے۔ یہ پل سنگ مرمر کا تھا۔

یاقوت لکھتا ہے کہ ابتدا میں ہر ایک پل پر ایک منڈی تھی۔ لیکن چونکہ اس کی آبادی کا اکثر حصہ مشرقی بغداد میں نقل مکان کر چکا تھا اور دیگر اسباب بھی تھے جن سے کرخ تباہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کے زمانہ یعنی ساتویں صدی کے شروع میں صرف دو ہی پل نظر آتے تھے۔ ایک تو "قنطرہ زیاتین" اور دوسرا قنطرہ بستان تھا جس کا دوسرا نام "قنطرۃ المحدثین" بھی تھا۔ لیکن وہی مورخ جس نے اس کی تحریروں کا خلاصہ لکھا ہے۔ پھر ایک دفعہ اس کی تردید کرتا ہے اس کے نزدیک یہ دونوں پل یاقوت کے زمانہ سے پہلے معدوم ہو چکے تھے۔ اگر اس وجہ سے کہ اس کے اپنے زمانہ میں نہ تھے تو ممکن ہے کہ یاقوت کے وقت ہوں کیونکہ دونوں میں ایک سو سال کا عرصہ ہے۔ اور عرصہ میں بہت کچھ تغیر وتبدل ہو جایا کرتا ہے لیکن وہ لکھتا ہے کہ "قنطرہ الشوک"، یاسریہ اور "بنی زریق" ابھی تک ہیں۔

نہروں کے بیان کے بعد ہم پھر ایک دفعہ کرخ کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ کرخ نہر صراۃ اور نہر عیسیٰ کے درمیان واقع تھا۔ جوں جوں اس کی آبادی بڑھتی گئی یہ نہر عیسیٰ کے جنوب کی طرف پھیلتا گیا۔ اور شارع کوفہ کے دونوں

کناروں کے ساتھ بڑھتا گیا۔ نہر کرخایا کی ایک "شاخ بزازین" تھی جو خراسانی بزازوں کی منڈی کے پاس بہتی۔ ایک اور شاخ "دجاجہ" تھی جو مرغ بیچنے والوں کی منڈی سے گذرتی۔ یہ دونوں نہریں براہ راست دجلہ میں گرتیں۔ چوتھی صدی ہجری کے شروع میں نہر بزازین ایک ایسے بازار کے پاس ہوکر گذرتی جس کا راستہ باب کرخ کو جاتا تھا اسے "شارع المصور" کہتے تھے۔ اس میں ایک گھر "دار کعب" کے نام سے مشہور تھا۔ بزازوں کی منڈی کے ساتھ اور نہر کے نیچے اور باب کرخ کے مغربی جانب موچیوں یا قصابوں کی منڈی تھی۔ اور غالباً قصابوں ہی کی تھی۔ کیونکہ خلیفہ منصور نے جب مدینۃ المنصور کو بسایا تو قصابوں کو شہر کے باہر آباد کیا۔ غالباً یہ جگہ کرخ کا بیرونی حصہ تھی بزازوں کی منڈی سے گذر کر کئی ایک منڈیاں مع دورویہ دکانوں کے آتے۔ ان بازاروں کا راستہ کسی ایک نہ ایک پل کو جاتا۔

نہر کرخایا کی شاخ "العمود" پر جو نہر بزازین اور دجاجہ کے درمیان واقع تھی تیل بیچنے والوں کا چوک تھا جسے "مربعۃ الزیات" کہتے تھے۔ غالباً یہ اُسی جگہ کے قریب ہوگا جہاں "قنطرہ الزیاتین" تھا اور جس کے نیچے نہر عیسیٰ بہتی تھی۔ نہر دجاجہ دجلہ کو جاتی ہوئی کئی ایک محلوں اور منڈیوں سے گذرتی۔ ان میں سے کوئی نہر کھودنے والوں کا محلہ تھا اور کوئی برتن بنانے والوں کا اور کسی جگہ طباخیوں کی منڈی تھی۔ "دارۃ الحمیر (گدھے کا ٹیلا) سے گذر کر نہر کرخایا کی ایک اور شاخ جسے "نہر الکلاب" کہتے تھے دائیں جانب کو نکلتی اور قنطرۃ الشوک کے نیچے نہر عیسیٰ سے جا ملتی۔ نہر الکلاب کے کنارہ پر قطیعۃ الکلاب یعنی کتوں کی جاگیر تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہنستے ہنستے خلیفہ منصور نے اس کا یہ نام رکھا۔ وجہ یہ کہ یہاں کتے بہت رہتے تھے۔

"قنطرۃ الشوک" کے پرے ایک قبرستان تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یاقوت لکھتا ہے کہ اس جگہ ایک مقبرہ نیلے رنگ کا ایک صوفی بزرگ العبادی

کا تھا۔ ۱۱۵۲ء / ۵۴۷ھ میں اس جگہ انتقال کیا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ المستقی باللہ ابو محمد حسن کے عہد خلافت (۱۱۷۰ء–۵۶۶ھ) میں خلیفہ کی ایک کنیز "بنفشہ" نامی سخاوت میں مشہور تھی۔ اس جگہ ایک پل تعمیر یا مرمت کروایا اور یہ خانقاہ بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے ؃

اسی گورستان میں اور مقبرے بھی تھے۔ ان میں سے ایک مقبرہ سری سقطیؒ کا تھا۔ خواجہ عطارؒ فرماتے ہیں کہ بغداد میں سری سقطیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سخن حقایق اور نکات توحید کا اظہار کیا۔ مشایخ عراق بیشتر آپ کے مرید تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے خال تھے اور حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔ بعض اقوال کے مطابق کریوے کی تجارت کرتے تھے اور بعض کے بموجب بادام وغیرہ کی۔ ابتدا میں سقط فروشی کرتے۔ ایک دفعہ اس بازار کو جس میں آپ کی دوکان تھی آگ لگ گئی مگر آپ کی دوکان بچ گئی۔ آپ نہایت خدا ترس رحم دل بزرگ تھے۔ عام تجارت میں دس دینار پر نیم دینار فائدہ اٹھاتے۔ اس سے زیادہ نہ لیتے اور منافع کا اکثر حصہ غریبوں۔ یتیموں اور مسکینوں پر ایثار کرتے۔ ۸۶۷ء / ۲۵۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ علامہ ابن خلکان حضرت سری سقطیؒ کے مقبرہ کی نسبت لکھتا ہے کہ میرے زمانہ میں اس جگہ خوب رونق تھی اور حضرت جنید کے مقبرہ کے قریب تھا ؃

باب بصرہ

مضافات شرقیہ باب بصرہ کا دوسرا نام ہے۔ لیکن یہ نام رفتہ رفتہ تیسری صدی ہجری / نانویں صدی عیسوی تک بالکل مفقود ہو گیا۔ درحقیقت شرقیہ نے اپنا نام "مشرقی بغداد" سے بدل لیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد شرقیہ میں "نستریین" اور مضافات قصر عیسی کی زمین اور قطفتہ کی ملحقہ اراضی شامل ہو گئی۔ مضافات قصر عیسی دریائے دجلہ کے کنارہ کے ساتھ ساتھ دہانہ نہر عیسی اور نہر صرات تک پھیلا ہوا تھا۔ اور "قصر خلد" کے باغات پر ختم ہوتا ؃

یعقوبی کا بیان ہے کہ جسر الاول کشتیوں کا پل تھا جو دریائے دجلہ پر بیرون "باب بصرہ" واقع مغربی بغداد اور "سوق الثلاثہ" واقع مشرقی بغداد اور مخرم کی دیوار کے درمیان تھا۔ اور خلیفہ منصور کے عہد سے پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) کے وسط تک قائم تھا۔ جسر الاول کے مغربی حد پر باب الشعیر (جو کا دروازہ) تھا جہاں بعد میں "قصر حمید" تعمیر ہوا۔ باب الشعیر کی نسبت صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے کہ کہاں واقع تھا۔ غالباً "باب الشعیر" (بازار جو) کے ایک سرے پر ہوگا۔ اس جگہ چند ایک منڈیاں بھی تھیں اور غالباً اسی وقت سے قائم ہوئی ہونگی جب خلیفہ منصور کے حکم سے تجارت کرخایا میں منتقل ہوگئی۔ مورخین نے ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) اور ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) اور ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) کی بغاوتوں کے ساتھ باب الشعیر اور "کرخ" کا ایک ہی جگہ ذکر کیا ہے۔ ان بغاوتوں نے مغربی بغداد کا اکثر حصہ تباہ کر دیا تھا۔ یاقوت باب الشعیر کی نسبت لکھتا ہے کہ مضافات عتیق کے قریب تھا۔ اور مضافات عتیقہ "مسجد منطقہ" کے نزدیک تھا اور اور یہ مسجد "طاق الهرانی" سے کچھ بہت دور نہ تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ باب الشعیر کھنڈرات کے درمیان ایک بیکسی اور تنہائی کے عالم میں اب بھی (شروع تیرھویں صدی عیسوی) کھڑا نظر آتا ہے ؛

ایک اور عمارت جس سے "جسر الاول" کی نسبت مزید حالات معلوم ہوتے ہیں "قصر حمید" تھی۔ یہ قصر دریائے دجلہ کے کنارے اُس دیوار کی جنوبی حد پر واقع تھا جو ۲۵۱ھ میں خلیفہ مستعین کے حکم سے مغربی بغداد کی حفاظت کے واسطے کھینچی گئی تھی۔ حصہ اول میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ خلیفہ مذکور کو اس دیوار کی کیوں ضرورت پیش آئی اور یہ کہ وہ کس طرح سُرمن رائے (سامرہ) سے بھاگا اور بغداد میں آیا اور کس طرح سپاہ نے بغاوت کی اور اس کے مقابلہ میں ایک اور خلیفہ بنایا اور کس طرح بغداد کا دوسرا محاصرہ شروع ہوا۔ اور کس طرح مستعین نے یہ دیوار شہر پناہ تعمیر کی۔ جسر الاول بھی

غالباً اسی دیوار کے حلقہ میں ہوگا یہ دیوار مشرقی بغداد کی شمالی دیوار سے ملحق تھی جو دریا تک سوق الثلاثہ کے ساتھ ساتھ برابر چلی آتی تھی۔ اس دیوار کی تعمیر سے پچاس سال پیشتر قصر حمید بنا۔ اس قصر کی تعمیر حمید ابن الحمید نے کی۔ حمید خلیفہ ماموں کی فوج میں ایک افسر تھا۔ اسی نے ابراہیم (ماموں کے چچے) کی بغاوت فرو کی۔ خلیفہ امین کے بعد لوگ ابراہیم کو اس کا جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے۔ اس پر ایک دفعہ اہل بغداد نے شورش برپا کی مگر ماموں حمید کی حسن سعی سے غالب آیا۔ حمید ماموں کے وزیر حسن ابن سہل کا دوست تھا۔ وزیر کی لڑکی سے خلیفہ کی شادی بھی ہوچکی تھی۔ اس لئے حمید کچھ تو ذاتی خدمات کے لحاظ سے اور کچھ وزیر کے رسوخ کی وجہ سے عراق کا گورنر مقرر کیا گیا۔ حمید کا انتقال سنہ ۲۱۰ھ / ۸۲۵ء میں ہوا۔ بقول خطیب بغدادی قصر حمید کے آثار سنہ ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء تک پائے جاتے تھے۔

حمید کی مدح میں شاعر علی ابن جبلہ نے جو شعر لکھے ہیں ان میں قصر حمید کا بھی ذکر آتا ہے اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصر دریائے دجلہ پر واقع تھا۔

قطفتہ کا تذکرہ جو بعد میں شرقیہ میں شامل ہوگیا تھا ابن اثیر نے مختلف مقامات پر کیا ہے (چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی) میں اس جگہ کئی ایک منڈیاں تھیں۔ اور جنوب سے شمال کی طرف نہر عیسیٰ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس جگہ اس کے مکانات کرخ کی دیواروں سے ملحق تھے۔ اور مغرب سے مشرق کی طرف شارع باب بصرہ کے ساتھ ساتھ دریائے دجلہ تک چلا گیا تھا۔ اس جگہ دریائے دجلہ کا پاٹ ایک میل کے قریب تھا۔ اسی جگہ سنہ ۵۶۹ھ میں خلیفہ مستضی کے وزیر نے اپنا قصر تعمیر کروایا اور اسی جگہ سنہ ۵۷۳ھ میں ایک شخص نے اسے خنجر سے مار ڈالا۔ سنہ ۶۰۱ھ / ۱۲۰۵ء میں کرخ اور اس جگہ کے باشندوں میں لڑائی ہوئی۔ کرخ والوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سنہ ۶۱۴ھ / ۱۲۱۷ء میں دریائے دجلہ کی طغیانیوں نے رہی سہی عمارتیں غارت کردیں۔

باب بصرہ اور دریائے دجلہ کے درمیان "تستریین" واقع تھا جو بعد میں شرقیہ میں شامل ہو گیا۔ اسے اہل تستر نے آباد کیا تھا۔ "تستر" یا "شستر" خوزستان میں واقع ہے۔ اہل تستر بغداد کے اس حصہ میں آکر آباد ہوئے۔ اسی لئے اسے تستریین کہنے لگے۔ یہ لوگ اس جگہ اپنے وطن کے مشہور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

خلیفہ امین کے عہد میں ماموں کے محاصرہ نے مدینۃ المنصور کو بہت کچھ خستہ حال بنا دیا تھا۔ بعد ازاں جب اس کی دیواریں گرائی گئیں تو گویا اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ باب بصرہ کے اس حصہ میں جو مکانات تھے وہ تو آباد رہے اور جامع مسجد میں جمعہ کے روز رونق بھی خوب ہو جایا کرتی تھی۔ ابن جبیر ۵۸۱ھ میں بغداد میں آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ باب بصرہ کا یہ حصہ ایک بے تعلق چھوٹے سے شہر کی مانند ہے اس میں ایک جامع مسجد ہے اور ایک مضبوط عالیشان قصر ہے۔ یہ حصہ جس میں سے نہر صرات گذرتی تھی مغربی بغداد کے چار حصوں میں سے جیسا کہ اس زمانہ میں اس کی تقسیم ہوئی تھی ایک تھا۔

باب بصرہ اور دریائے دجلہ اور غالباً نہر صرات کے زیرین حصہ کے درمیان مقبرہ "باب الدیر" تھا۔ اس میں مشہور و معروف خانقاہ حضرت معروف کرخی کی تھی۔ اسی خانقاہ کی وجہ سے ہمیں اسی حصہ بغداد کے بہت کچھ حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ خانقاہ اور باب الدیر قطفتہ کے بالائی حصہ میں واقع تھے۔ لیکن اسے باب الدیر کس وجہ سے کہتے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس جگہ کونسے دیر تھے۔ غالباً "دیر الثعلب" (لومڑی کی خانقاہ) تو نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ دیر خانقاہ حضرت معروف کرخی سے ایک میل کے فاصلہ پر اور بغداد سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ شاید یہ وہی دیر ہوں جو دہانہ صرات پر واقع تھے اور جہاں خلیفہ منصور نے بغداد کی تعمیر سے پیشتر کچھ عرصہ رہایش اختیار کی۔

حضرت معروف کرخی کی نسبت مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے آپ خلیفہ ہارون رشید کے ہمعصر تھے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے سنہ ۲۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ خطیب انہیں ان چار بزرگوں میں شمار کرتا ہے جن کی وجہ سے "مدینۃ السلام" پر کوئی آفت نازل نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں کہ حضرت معروف اصل میں عیسائی تھے امام علی رضا کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور آپ کے مرید ہو گئے۔ سری سقطی جن کا ذکر گذشتہ فصل میں ہو چکا ہے حضرت معروف ہی کے مرید تھے۔ سیاح ابن جبیر حضرت معروف کی نسبت لکھتا ہے کہ نہایت مشہور و معروف نیک آدمی تھے۔ ان کے زہد تقویٰ اور نیکی کی بہت حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

کسے راہِ معروف کرخی نہ جست — کہ نہناد معروفی از سر نخست
شنیدم کہ مہمانش آمد یکے — ز بیماریش تا بمرگ اندکے
سرش موئے در ریش صفا ریختہ — بموئیش جاں در تن آویختہ
شب آنجا بیفگند و بالش نہاد — رواں دست در بانگ و نالش نہاد
نہ خوابش گرفتی بشب یک نفس — نہ از دست فریاد او خواب کس
نہادی پریشان و طبعے درشت — نمے مرد و خلقے بحجت بکشت
ز فریاد و نالیدن و خفت و خیز — گرفتند از و خلق راہ گریز
ز دیار مردم دراں بقعہ کس — ہماں ناتواں ماند و معروف و بس۔
شنیدم کہ شبہا ز خدمت نہ خفت — چو مرداں میاں بست و کرد آنچہ گفت
شبے بر سرش لشکر آورد خواب — کہ چند آورد مرد ناخفتہ تاب
بہ یکدم کہ چشمانش خفتن گرفت — مسافر پراگندہ گفتن گرفت
کہ لعنت بریں نسل ناپاک باد — کہ نامند و ناموس و زرق اند و باد
بلند اعتقادان و پاکیزہ پوش — فریبندہ پارسائی فروش

چو دانند لت ابنائے از خواب مست کہ بیچارۂ دیدہ برہم نہ بست
سخنہائے منکر بہ معروف گفت کہ یکدم چرا غافل از وے بخفت
فرو خورد شیخ این حدیث از کرم شنیدند پوشیدگانِ حرم
یکے گفت معروف را در نہفت ندیدی کہ درویش نالاں چہ گفت
بروزیں سپس گو سر خویش گیر تغنت ببر جائے دیگر بمیر
نکوئی و رحمت بجائے خود ست ولے با بداں نیک مردی بد ست
سر سفلہ را گرد بالش منہ سر مردم آزار بر سنگ بہ
مکن با بداں نیکی اے نیک بخت کہ در شورہ ناداں نشانند درخت
نگویم مراعات مردم مکن کرم پیش نامردماں کم مکن
باخلاق نرمی مکن با درشت کہ سگ را نمالند چوں گربہ پشت
گر انصاف خواہی سگ حق شناس بسیرت بہ از مردم ناسپاس
بہ برف آب رحمت مکن بر خسیس چو کردی مکافات بریخ نویس
ندیدم چنیں پیچ بر پیچ کس مکن ہیچ رحمت بریں ہیچ کس
بخندید و گفت اے دلارام جفت پریشاں مشو زیں پریشاں کہ گفت
گر از ناخوشی کرد بر من خروش مرا ناخوش از وے خوش آمد بگوش
جفائے چنیں کس بباید شنود کہ نتواند از بیقراری غنود
چو خود را قوی حال بینی و خوش بشکرانہ بار ضعیفاں بکش
اگر خود ہمیں صورتی چوں طلسم بمیری و اسمت بمیرد چو جسم
وگر پرورانی درختِ کرم بر نیکنامی خوری لاجرم
نہ بینی کہ در کرخ تربت بسے است بجز گور معروف معروف نیست
بدولت کسانے سر افراختند کہ تاج تکبر بینداختند
تکبر کند مرد حشمت پرست نداند کہ حشمت بحلم اندر است

حضرت معروف کے مقبرہ کو ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) میں آگ لگ گئی۔ لیکن خلیفہ قائم کے

حکم سے زیر اہتمام شیخ الشیوخ ابو سعد نیشا پوری از سرِ نو تعمیر ہوا۔ ۴۷۹ھ میں ملک شاہ سلجوقی اور اس کے وزیر نظام الملک نے اس مقبرہ کی بھی زیارت کی تھی *

سنہ ۶۱۱ھ ۱۲۱۴ء میں خلیفہ ناصر کے چھوٹے بیٹے کا باپ کے سامنے انتقال ہو گیا اور اسی مقبرہ کے نزدیک دفن کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۶۱۱ھ میں خلیفہ ناصر نے بھی کچھ نہ کچھ اس کی مرمت کی ہو گئی۔ کیونکہ فی زمانہ بھی ایک کتبہ موجود ہے جس پر سنہ ۶۱۱ھ کندہ ہے۔ سنہ ۱۲۵۸ء میں مغلیہ محاصرہ کی غارتگری کا اثر اس پر بہت ہی کم ہوا ہو گا۔ کیونکہ ابن بطوطہ جو بغداد میں سنہ ۱۳۲۶ء میں آیا اسی مقبرہ کی نسبت بیان کرتا ہے کہ باب بصرہ کے حصہ میں ہے اور اس کے چند سال بعد یعنی سنہ ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء کے قریب حمد اللہ مستوفی بھی اسے مغربی بغداد کے مشہور مقبروں میں ذکر کرتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ وہی مقبرہ ہے اور اسی جگہ واقع ہے جہاں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھا *

اسی جگہ "مقبرہ زبیدہ" بھی تھا۔ اب بھی یہی مقبرہ حضرت معروف کے مقبرہ کے جنوب میں تھوڑے سے فاصلہ پر موجود ہے۔ اس مقبرہ کی نسبت ہم آیندہ فصل میں کچھ لکھینگے بالفعل یہی کہنا کافی ہے کہ یہ مقبرہ زبیدہ زوجہ خلیفہ ہارون الرشید کا نہیں۔ کیونکہ وہ کاظمین میں دفن ہوئی تھی *

نہر صراۃ نصف دائرہ کی شکل میں مدینۃ المنصور کی دیواروں کے گرد بہتی تھی۔ لیکن باب کوفہ پر یہ نہر بہت فاصلہ پر تھی اور باب بصرہ پر شہر کی دیوار کے نیچے بہتی تھی اور وہ مقام جہاں پر نہر دریائے دجلہ سے جا ملتی قران الصراۃ کہلاتا۔ اسی جگہ وہ سوق یا منڈی لگا کرتی تھی جس پر حضرت خالد نے صدیق اکبر کے عہد خلافت میں حملہ کیا۔ اسی جگہ کے قریب وہ دیر واقع تھے جہاں خلیفہ منصور نے بغداد کی بنیاد رکھنے سے پیشتر چند روزہ رہائش اختیار کی اور غالباً انہی دیر کی وجہ سے مقبرہ کا نام باب الدیر پڑا *

قران الصراۃ سے جسر الاول تک اور باب خراسان کے سامنے اور مدینۃ المنصور
اور دریائے دجلہ کے درمیان ایک قطعہ زمین تھا جس کا طول ایک میل اور
عرض اس سے کچھ کم تھا چونکہ دریا سے باب بصرہ اور خراسان کے درمیانی دیوار
کے ساتھ چکر کھاتا ہوا جاتا تھا اس لئے اس قطعہ زمین کا بالائی حصہ بہ نسبت
زیرین حصہ کے زیادہ فراخ ہونا چاہیئے اس جگہ قصر خلد اور اس کے متعلقہ
باغات تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے قصر خلد بھی منصور ہی نے بنایا تھا۔ اور
۱۵۸ھ میں اس جگہ رہایش اختیار کی +

قصر خلد

قصر خلد دریائے دجلہ کے کنارہ پر بیرون باب خراسان جسر الاول سے تھوڑے
فاصلہ پر واقع تھا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ نے یہ قصر اس لئے تعمیر کیا تھا کہ دجلہ پر
گرد و نواح کی زمین سے بلند جگہ پر تھا اور مچھر پر اس جگہ نہ تھے۔ بعض اقوال کے
بموجب دیر مذکور جہاں منصور نے شروع میں چند روزہ رہایش اختیار کی
اسی محل کے قریب تھے۔ لیکن یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہم
ظاہر کر چکے ہیں کہ مقبرہ کا نام باب الدیر اسی دیر کی وجہ سے ہوا اور یہ اسی صورت
میں متصور ہو سکتا ہے جب دیر اس مقبرہ کے قریب ہو اگر تسلیم کیا جاوے
کہ باب الدیر کی وجہ تسمیہ کچھ اور ہے تو شاید دیر قصر خلد کے پاس ہی ہو +
خلیفہ منصور اور خلیفہ مہدی نے قصر خلد ہی میں زیادہ تر رہنا پسند کیا
اگرچہ مہدی نے بعد میں رصافہ ہی میں اقامت اختیار کی قصر خلد میں خلیفہ
ہارون الرشید آخر دم تک رہا۔ قصر خلد فی الواقع اسم بامسمی تھا۔ اس کے
باغات دریا کے کنارے کنارے دور تک چلے گئے تھے۔ نظارہ ایسا دلکش
تھا کہ ممکن نہ تھا کہ ہارون رشید جیسا زندہ دل بادشاہ کسی اور جگہ رہایش
اختیار کرتا۔ ہارون کی وفات کے بعد بد قسمت امین اسی قصر میں محصور رہا۔
جب مشرقی اور مغربی بغداد پر طاہر کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا تو امین رات کے
وقت باب خراسان سے نکل کر دریائے دجلہ کے کنارہ کی طرف آرہا تھا۔

غلام کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جس کی مدہم روشنی میں دجلہ کی تاریک موجیں کناروں کو تھپیڑے دیتی نظر آتی تھیں اور خوف زدہ بدحواس امین سہما جاتا تھا۔

قصر القرار یا قصر زبیدہ

قصر خلد کے نیچے لیکن قران الصراۃ کے کسی قدر اوپر ایک اور محل قصر القرار تھا۔ مورخین اس قصر کا تذکرہ بھی اسی محاصرہ کے واقعات میں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ شاید یہی ہو کہ اس جگہ ایک تالاب تھا جس کا پانی ساکن تھا۔ اس کا دوسرا نام قصر زبیدہ ہے۔ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید کی چاہتی بیوی اور امین کی ماں تھی۔ ہارون کے بعد اس کے ایام زندگی جس تلخکامی سے بسر ہوئے اُس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اپنے بیٹے کے دلخراش مصائب اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس قصر کا تیسرا نام قصر ام جعفر بھی جو زبیدہ ہی کا نام ہے محاصرہ میں منجنیق نے "قصر خلد" اور "القرار" پر وہ پتھر برسائے کہ جنگ کے خاتمہ پر دونوں قصر نہایت ہی خستہ حالت میں تھے۔ بعض اقوال کے بموجب جب خلیفہ مامون سنہ ۲۰۴ھ ۸۱۹ء میں بغداد میں داخل ہوا تو قصر خلد ہی میں اترا اس وقت اس کا وزیر حسن بن سہل قصر حسنی مامون کے واسطے تیار کر رہا تھا۔

خلیفہ معتصم نے بغداد کی جگہ سامرا کو پایہ خلافت بنایا۔ ۶۰ سال تک خلافت سامرا میں رہی اس لئے قصر خلد اگر محاصرہ کی دستبرد سے کچھ بچ رہا ہوگا تو اس عرصہ میں ضرور ویران ہو گیا ہوگا۔ سنہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں خلیفہ معتضد نے پھر بغداد کو دار الخلافت قرار دیا لیکن رہائش دریا کے مشرقی کنارہ کے قصر میں اختیار کی۔

بیمارستان

سنہ ۳۶۸ھ ۹۷۹ء تک خلد اُسی کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ آخر عضد الدولہ نے اس جگہ اپنا شفاخانہ جو بیمارستان کے نام سے مشہور ہے تعمیر کروایا۔ بقول یاقوت بیمارستان قصر خلد کی جگہ نہ تھا بلکہ اُس کے قریب تھا۔ مقدسی جو

سنہ ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء میں گذرا ہے یاقوت کی تائید کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ بیمارستان حال ہی میں جسر الاول کے قریب تعمیر ہوا ہے۔ ایک مورخ کے قول کے بموجب اس شفاخانہ کی تکمیل عضد الدولہ کی موت سے ایک سال پہلے یعنی سنہ ۳۷۱ھ میں ہوئی۔ اس کی تعمیر سے ایک سو برس بعد یعنی سنہ ۴۶۶ھ / ۱۰۷۴ء میں دجلہ میں سخت طغیانی آئی۔ پانی بیمارستان کی کھڑکیوں کے راستہ تمام مکان میں بہ نکلا اور اس عالی شان عمارت کو سخت نقصان پہنچایا۔ سنہ ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء میں ایک دفعہ پھر ویسا ہی طوفان آیا اور پھر سنہ ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء میں ایک ایسا سیلاب عظیم آیا کہ اس سے پیشتر کسی نے نہ دیکھا تھا۔ چالیس دن تک متواتر بارشیں ہوتی رہیں اور دریائے دجلہ کا پانی اس قدر چڑھ آیا کہ بغداد میں ہر طرف عالم آب نظر آتا تھا۔ اکثر مکانات گر گئے۔ بیمارستان کے کیواڑ پہلے سے ہی اترے ہوئے تھے۔ دریا کا پانی بغیر کسی رکاوٹ کے چلا آیا۔ کہتے ہیں کہ شفاخانہ میں دجلہ کی کشتیاں بہ کر آ گئیں۔ باوجود اس نقصان کے جس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے شفاخانہ کی پھر مرمت کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں جب ابن جبیر سیر و سیاحت کی غرض سے بغداد میں آیا یہ عظیم الشان شفاخانہ اُسی طرح قائم تھا اسی طرح علاج معالجہ اور حکما کا مجمع ہوتا۔ ابن جبیر کہتا ہے کہ دجلہ کے کنارہ پر بیمارستان واقع ہے اور ایسی عالی شان عمارت ہے کہ قصر شاہی کا گمان ہوتا ہے بے شمار کمرے بیماروں کی رہائش کے واسطے بنے ہیں۔ ہفتہ میں دو دفعہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روز شہر کے حکیم اس جگہ آ کر بیماروں کو دیکھا کرتے ہیں۔ بیماروں کے آرام اور آسائش کے سب سامان مہیا ہیں نوکر کھانا پکانے اور تیمارداری کرنے کیلئے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ دریا سے پانی بافراط مہیا ہو سکتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد اس جگہ ایک منڈی قائم ہو گئی اور بیمارستان کی وجہ سے اُس کا نام سوق المارستان مشہور ہوا۔ یہ منڈی مغربی بغداد میں بجائے

سوق المارستان

خود ایک چھوٹا سا شہر تھی۔ اور باب بصرہ اور الشارع کے درمیان تھی۔ کچھ عرصہ بعد قصر خلد کے باغات کی جگہ مکانات تعمیر ہو گئے اور بیمارستان ایک بارونق آباد جگہ ہو گئی۔ اس کے آس پاس بازار اور ان میں دوکانیں اور گلی کوچہ اور ان میں عوام الناس کی کثرت سے ایک میلا لگا رہتا تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں یاقوت اسی کی نسبت بہت کچھ بیان کرتا ہے ؛

سنہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بیمارستان پر ایک اور وبا نازل ہوئی۔ ہلاکو خان نے حملہ کا آغاز اسی جگہ سے کیا۔ اس محاصرہ میں مغلوں کی ترکتازی سے گویا بغداد کا خاتمہ ہو گیا۔ بیمارستان کا تو بہت ہی خستہ حال تھا۔ سنہ ۷۳۰ھ / ۱۳۳۰ء میں جب ابن بطوطہ بغداد میں آیا اس عظیم الشان شفا خانہ کی جگہ کھنڈرات کا ڈھیر تھا۔ اگر کچھ عمارت کے آثار باقی تھے تو وہ اس کی عمارتیں تھیں جو ایک عالم تحیر میں اس ویرانی کے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ اگرچہ بیمارستاں ہلاکو خاں کے ہاتھ سے ہلاک ہوا لیکن سچ تو یہ ہے اس سے کچھ عرصہ پیشتر ہی اس میں جان نہ تھی۔ خلیفہ مستنصر نے ایک اور شفا خانہ مستنصریہ شرقی بغداد میں قائم کیا تھا اس لئے بیمارستان عضدی کی رونق کا اکثر حصہ مستنصریہ میں منتقل ہو گیا ہو گا ؛

فصل چہارم

حربی

کرخ کی طرح "حربی" بھی بجائے خود ایک شہر تھا۔ کرخ اس کے جنوب میں اور مدینۃ المنصور کے شمال میں واقع تھا۔ اس کے مشرق میں الشارع تھا۔ ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں جب ابن جبیر بغداد میں آیا حربی کا اکثر حصہ غیر آباد تھا۔ زیادہ تر کھنڈرات ہی تھے۔ اور الشارع مغربی بغداد کے چاروں حصوں میں سے ایک حصہ بن گیا تھا۔ شارع درحقیقت ابتدا میں ایک سڑک تھی جسے خلیفہ منصور نے بنوایا تھا۔ یہ سڑک اُن جاگیروں سے گذرتی جو دریا کے کنارہ پر تھیں۔ ان جاگیروں میں سے جسر الاول کے متصل شہزادہ سلیمان اور اس کے بعد شہزادہ[1] صالح کی جاگیریں تھیں۔ دونوں خلیفہ منصور کے بیٹے تھے۔ اول الذکر جاگیر کے پاس ایک بازار درب سلیمان تھا۔ قصر سلیمان اسی درب سلیمان میں واقع تھا۔ بعض اقوال کے مطابق سلیمان خلیفہ منصور کا پوتا تھا۔ ۱۹۹ھ / ۸۱۵ء میں انتقال کیا۔ شہزادہ صالح کا لقب المسکین مشہور ہے۔ اس کے بھائی بند

الشارع

[1] قطیعہ صالح میں قصر صالح بھی تھا۔ بغداد کے اول محاصرہ کے وقت جبکہ تمام فوجی افسروں نے طاہر کی اطاعت قبول کرلی صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہ گئے۔ قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ طاہر کی بہت فوج ضائع ہوئی اور چند مشہور افسر مارے گئے طاہر کو اب تک اس قسم کی سخت خونریز لڑائی کا سامنا نہ ہوا تھا غصہ میں دجلہ سے دارالرقیق تک اور باب شام سے باب کوفہ تک جس قدر آبادی تھی اسکے بربادی کا حکم دیا۔

دنیا دی جاہ و حشمت سے غنی تھے اور صالح دولت فقر سے مالا مال تھا۔ باوجود اس کے کہ شاہی گود میں پرورش پائی اور عیش و عشرت کے سب سامان مہیا تھے لیکن صالح کا دل دنیا داروں سے بیزار تھا سب کچھ چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ فقیر اور صوفیوں کی صحبت میں رہنا۔ صالح اسم بامسمیٰ تھا۔ زہد و تقویٰ اور فقر و فاقہ میں عمر بسر کی ✤

یہاں سے گذر کر الشارع اور کئی ایک جاگیروں سے گذرتی اور جسر الاول کے قریب پہنچنے سے پیشتر "رباط بغیین" میں آتی۔ رباط بغیین کو حفص ابن عثمان کی اولاد نے آباد کیا تھا۔ قصر حفص اسی رباط میں تھا۔ یہ قصر آخر کار طاہر کی اولاد کو ملا۔ رباط بغیین درب سواد اور "رباط برجلانیہ" کے درمیان تھا۔ "برجلان" ایک گاؤں "واسط" کے قریب تھا وہاں کے لوگ اس جگہ آکر آباد ہوئے۔ اس لئے اسے برجلانیہ کہنے لگے۔ اس کے پرے ایک منڈی تھی جو "فرضہ" کے جنوب تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں قصر طاہر واقع تھا ✤

حربی الشارع کے مغرب اور باب شام کے شمال میں تھا۔
حرب ابن عبداللہ بلخ کا باشندہ تھا۔ خلیفہ منصور کے عہد میں بغداد پولیس کا افسر تھا۔ بعد ازاں موصل پولیس کا افسر مقرر ہوا۔ اس زمانہ میں جعفر خلیفہ منصور کا بیٹا موصل کا گورنر تھا۔ آخر کار حرب تفلس واقع جارجیہ میں بھیجا گیا اس جگہ ایک ترک نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۴۷ھ ۷۶۴ء کا ہے جبکہ ترکوں نے "مرانیہ" میں بغاوت کی تھی ✤

تیسری صدی ہجری / نانویں صدی عیسوی کے اختتام پر یعقوبی حربی کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس جگہ کے باشندے عموماً ایرانی اور ترک ہیں۔ اس کی وسیع اور فراخ منڈیوں میں یہی لوگ نظر آتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے اس جگہ اُن لوگوں کو جو بلخ۔ مرو۔ بخارا۔ کابل۔ خوارزم۔ سے آئے تھے زمینیں عطا کی ہوئی تھیں۔

اور ہر ایک قوم پر اُنہی میں سے ایک ایک افسر مقرر کیا ہوا تھا ۔

حربیؔ کا وہ حصّہ جو مغربی بغداد میں واقع تھا اور جس میں الشارع بھی شامل تھی شماسیہ کے بالمقابل تھا۔ یعنی حربیؔ کے مشرق میں دریاے دجلہ اور باب الشام تھا اور اس کی جنوبی حد مدینۃ المنصور کی دیوار بشکل نصف دائرہ تھی۔ اور شمال میں "خندق طاہر" اور مغرب میں وہ سڑک تھی جو "قصبہ انبار" کو جاتی تھی۔ اس سڑک پر صراۃ خورد بہتی جو خندق طاہر سے نکل کر باب کوفہ کے قریب صراۃ کلاں جا ملتی ۔

خندق طاہر

خندق طاہر نہر صراۃ کی شاخ تھی جو بغداد سے تین میل کے فاصلہ کے اس سے جدا ہوتی۔ خندق طاہر صراۃ خورد کو دائیں طرف چھوڑ کر حربیؔ کے گرد چکر لگاتی ہوئی آخرکار دریاے دجلہ میں گرتی۔ یاقوت خندق طاہر کی نسبت غلطی سے لکھتا ہے کہ باب بصرہ کے سامنے دریاے دجلہ سے جا ملتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے صراۃ اور خندق طاہر میں فرق نہیں کیا ہے۔ مصنّف "مراصد" نے یاقوت کی غلطی کو درست کیا ہے ۔

معلوم نہیں کہ یہ خندق پہلے پہل کس نے کھدوائی۔ اس کے نام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ طاہر کی بنوائی ہوئی ہے۔ طاہر خلیفہ مامون الرشید کا سپہ سالار تھا۔ خلیفہ امین اسی کے ہاتھ سے قتل ہوا اس نے خاندان طاہر کی بنیاد ڈالی۔ لیکن یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ محاصرہ کے وقت بھی یہ خندق موجود تھی۔ اور طاہر کا کیمپ ایک باغ کے پاس اسی خندق پر تھا شاید اسی کیمپ کی وجہ سے خندق طاہر نام پڑ گیا ۔

خندق طاہر سے تین نہریں شمال مغرب سے نکل کر حلبیہ میں بہتی تھیں انہی کے طاہر سے ہم بتلا سکتے ہیں کہ حربیؔ کے چار دروازے تھے۔ ان سے چار سڑکیں نکلتیں اور خندق طاہر کو پلوں کے ذریعہ عبور کرتیں۔ ان میں سے ایک سڑک مدینۃ المنصور کے باب شام سے نہر صراۃ اور نہر عیسیٰ کے

کنارہ کے ساتھ ساتھ قصبہ انبار کو جاتی باب انبار کے باہر ایک باغ تھا جہاں طاہر کا کیمپ تھا۔ اس جگہ ایک اور دروازہ کا ذکر بھی کرتے ہیں جسے باب البستان کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت طاہر مدینۃ المنصور پر ہلا کرنا چاہتا تھا۔ اہل بغداد نے پل پر باب انبار کو آگ لگا دی تھی۔ اور جب امین بغداد سے بھاگ کر جان بچانا چاہتا تھا طاہر نے اسی بستان میں اس بدبخت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ نہر بطاطیا سے ایک شاخ نکل کر اسی خندق کے ایک پل کے نیچے بہتی۔ یہ پل باب انبار کے سامنے تھا اور یہ نہر حربی میں داخل ہو کر باب انبار کے بازار سے گذرتی اور آخر خشک پڑ جاتی ؂

خندق پر ایک اور پل اور دروازہ باب الحدید تھا۔ اسی باب کو بعض نے غلطی سے باب الجدید لکھا ہے۔ اس دروازہ سے شارع دجیل گذرتی نہر بطاطیا سے ایک اور شاخ بغداد سے آتی ہوئی اسی سڑک کے نیچے بہتی لیکن یہ نہر مذکورہ بالا شاخ بطاطیا کی طرح خندق سے نہیں گذرتی تھی بلکہ اس کا ایک علیحدہ پل تھا۔ جسے "عبر الکوخ" کہتے تھے۔ یہ شاخ اُس نہر میں جا ملتی جو کرخ کی "نہر زریں" سے نکل کر شمال کی طرف بہتی تھی۔ طاہر کے محاصرہ اور امین کے قتل کے تذکروں میں باب الحدید (آہنی دروازہ) کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ یہی دروازہ پر امین کا سر لٹکایا گیا تھا۔ بعد ازاں یہی سر خراسان میں مامون کے پاس بھیجا گیا تاکہ حریف کا قتل کا یقین ہو ؂

خندق کا تیسرا پل اور دروازہ باب حرب کہلاتا تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حرب ابن عبداللہ کی وجہ سے اس کا یہ نام مشہور ہوا۔ ایک تیسری شاخ نہر بطاطیا سے نکل کر اس پل کے نیچے خندق طاہر کو قطع کر کے باب حرب کے بازار سے گذرتی اور آخر باب شام کی نہر میں جا گرتی۔ باب حرب سے پرے اور خندق طاہر کے شمال میں گورستان حرب تھا۔ اس جگہ کئی ایک بزرگوں اور مشہور اشخاص کی قبروں کے علاوہ ابن حنیفہ کا مقبرہ تھا۔ جب حربی کے

عروج کے دن ہو چکے اور اگلی سی رونق نہ رہی تو اسی باب حرب کے گرد ہی کچھ آبادی کی صورت تھی اور زیادہ تر خندق طاہر کے جنوبی طرف کچھ مکانات نظر آتے تھے ٭

چوتھا پل اور دروازہ باب قطربل تھا اور اس کے پل کو "قنطرہ ام جعفر" کہتے تھے۔ ام جعفر زبیدہ کا نام تھا۔ قطربل جس کی وجہ سے حربی کا باب قطربل موسوم ہوا مغربی بغداد کا شمالی حصہ تھا اور نہر صرات کے بائیں اور شمالی کنارہ کے ساتھ تمام زمین اس میں داخل تھی۔ حربی ضلع قطربل کا ایک حصہ تھا ٭

بغداد کا دوسرا محاصرہ خلیفہ مستعین کے عہد میں ہوا اس محاصرہ کے واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ قطربل کنار دجلہ سے کچھ بہت دور نہ تھا۔ خندق طاہر سے کچھ فاصلہ پر لیکن قطربل کے نزدیک ایک اور دروازہ تھا جسے "باب القطیعہ" کہتے تھے۔ یہ زبیدہ کی جاگیر پر واقع تھا۔ اس کا اکثر حصہ خندق طاہر اور دجلہ کے مقام اتصال کے قریب واقع تھا۔ اس مقام اتصال یعنی اُس زاویہ پر جو دجلہ اور نہر خندق نباتی ایک دیوار کھچی ہوئی تھی جس میں باب القطیعہ نصف تھا۔ جاگیر زبیدہ خندق طاہر سے گذر کر جنوب کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور دریائے دجلہ کے کنارے کے ساتھ "بغیین" کے قریب قصر طاہر کے نیچے ختم ہوتی ٭

۲۵۱ھ ۸۶۵ء یعنی بغداد کے دوسرے محاصرے کے وقت خلیفہ مستعین نے ایک دیوار بطور شہر پناہ بنوائی۔ اگرچہ اس کی تعمیر میں بہت ہی تعجیل سے کام لیا گیا۔ مگر پھر بھی بلحاظ طول اور تاریخی دیوار کے قابل ذکر ہے ٭

مغربی بغداد میں دریا کے کنارہ سے باب القطیعہ کے متصل یہ دیوار شروع ہوتی۔ واقعات محاصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرین نے باب القطیعہ اور باب قطربل کے درمیان خیمے ایستادہ کئے ہوئے تھے۔ بیرون باب قطربل حربی

کی بربادی کی یادگار صرف یہی ایک پل خندق طاہر پر رہ گیا تھا۔ سنہ ۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء یعنی مصنف مراصد کے وقت خندق طاہر کے تمام پل سوائے اس ایک کے بالکل معدوم ہو چکے تھے مصنف مذکور نے اس پل کو بچشم خود دیکھا تھا۔ دو بڑی بڑی خشت پختہ کی محرابوں پر کھڑا تھا آٹھویں صدی کے شروع میں اس کو گرایا گیا اور اس کا مصالحہ دوسری عمارتوں میں لگایا گیا۔

زبیدیہ

جاگیر زبیدہ کی زمین ابتدا میں خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے جعفر کو عطا فرمائی تھی۔ یہی جعفر موصل کا گورنر بنا اور اسی کے ماتحت حرب پولیس افسر تھا پھر یہ زمین زبیدہ کے نام منتقل ہوئی۔ زبیدہ نے اس جگہ ایک قصر بنایا۔ ام جعفر کی زندگی میں اس جگہ عموماً انہی کے غلام اور خدام رہا کرتے تھے۔ زبیدہ کی وفات کے ایک سو برس بعد خلیفہ مقتدر نے اس جگہ رہائش اختیار کی اس کے اہلکار جاگیر زبیدہ پر خیموں میں رہا کرتے تھے۔

ابتدا میں تو جاگیر زبیدہ خندق طاہر کے دونوں جانب واقع تھی لیکن زمانہ مابعد میں خندق کے شمال یعنی بائیں کنارہ پر دریائے دجلہ تک مشرق کی طرف اور "باب التبن" تک محدود تھی۔ "باب التبن" مغربی بغداد کی شمالی حد تھی زبیدیہ اس زمانہ میں خوب رونق پر تھا۔ اس جگہ ایک جامع مسجد بھی تھی۔ بقول خطیب بغدادی یہ مسجد ۳۸۳ھ/۹۹۳ء میں تعمیر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک پارسا عورت زبیدیہ یا القطیعہ میں رہتی اور زہد و ریاضت کے باعث مشہور تھی ایک رات اس نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ القطیعہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اس کے بعد اس نے ایک آواز سنی جو اس کی موت کی تاریخ اور وقت بتلاتی تھی۔ صبح اس خواب کی شہرت ہوئی۔ لوگ جوق جوق آتے اور مسجد مذکور میں نفل پڑھتے۔ خلیفہ طائع کے حکم سے یہ چھوٹی سی مسجد "جامع القطیعہ" بن گئی۔ جمعہ کے روز اس جگہ نمازیوں کا ہجوم ہوتا۔ بغداد میں یہ بھی ایک وسیع اور عالی شان مسجد تھی۔

دو دفعہ دجلہ کی طغیانیوں نے زبیدیہ کی عمارتوں کی بنیادیں ہلادیں اور اسی وجہ سے زبیدیہ ویران ہوگیا۔ مصنف مراصد کے وقت زبیدہ میں کھنڈرات ہی نظر آتے تھے۔ زبیدیہ کے ساتھ ایک اور جاگیر زہیریہ تھی۔ بغداد میں دو مقامات زہیریہ کے نام سے مشہور تھے۔ ایک تو باب کوفہ کے پاس جس کا ذکر ہوچکا ہے اور دوسرا یہ زبیدیہ کے متصل تھا۔ زہیریہ زہیر ابن محمد ابی وردخراسانی کی جاگیر تھی جو باب القطیعہ کی دیوار سے لے کر باب التبن اور باب قطربل تک پھیلی ہوئی تھی۔ زہیریہ میں "باب الصغیر" ایک آمد و رفت کا دروازہ تھا لیکن ۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء یعنی یاقوت کے زمانہ میں یہ دروازہ اور زہیریہ دونوں معدوم ہوچکے تھے۔ اور کوئی شخص نہیں بتلا سکتا تھا کہ کہاں تھے اور کیا ہوئے۔

کاظمیہ اور زبیدیہ کے درمیان ابتدا میں رباط خلیفہ یا رباط ابو حنیفہ تھا۔ ان ناموں کی نسبت مختلف اقوال ہیں معلوم نہیں کہ امام اعظم کا نام ہے یا کسی امیر کا جو خلیفہ منصور کے امرا میں سے بیان کیا جاتا ہے۔ رباط حنیفہ گورستان قریش اور حریم طاہر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس رباط میں دار عمارہ ابن حمزہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ ابتدا میں کسی ایرانی بادشاہ کا باغ تھا۔ ممکن ہے کہ نوشیرواں کا ہی "باغ داد" ہو۔ لیکن اس پر ہم مفصل بحث کرچکے ہیں "باغ داد" بغداد کی وجہ تسمیہ نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی باغ اس جگہ ہو بھی تو چونکہ اس کا مفصل حال معلوم نہیں اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیا تھا یا اس کا کیا نام تھا۔

مصنف مراصد کے وقت یعنی ۷۰۰ھ میں یہ حصہ بغداد بھی تباہ ہوچکا تھا۔ لیکن خلفائے عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں رباط حنیفہ ایسا ہی آباد تھا جیسا کہ کرخ یا بغداد کے دیگر جنوبی محلے۔

زبیدیہ کے شمال اور باب شماسیہ کے سامنے دریا کے کنارہ پر عیسائیوں کے دیر تھے جس میں اکثر راہب رہا کرتے تھے۔ ان میں "دیر القباب" ایک

زہیریہ

رباط حنیفہ یا رباط ابو حنیفہ

عیسائیوں کے دیر

مشہور عمارت تھی۔ اسی جگہ کچھ عرصہ کے واسطے خلیفہ مستکفی نے × × × × × × × رہائش اختیار کی تھی۔ مصنف مراصد کے وقت یہ عمارتیں بھی خاک میں مل چکی تھیں +

حریم طاہر یا قصر طاہر ذوالیمین

زبیدہ کے زیرین حصہ اور خندق طاہر کے جنوبی کنارہ پر قصر طاہر تھا طاہر کی نسبت ہم مختلف مقامات پر لکھ آئے ہیں کہ خلیفہ ماموں کی فوج کا سپہ سالار تھا اور کچھ شک نہیں کہ اسی کی حسن سعی سے ماموں کو خلافت ملی۔ خلیفہ نے اسے خراسان کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ مغربی بغداد میں قصر طاہر مشہور عمارت تھی۔ اور کئی سالوں تک گورنروں کا جو بغداد میں خلفا کے نائب السلطنت ہوتے محل رہی۔ اسے حریم طاہر اس وجہ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی مجرم اس جگہ پناہ ڈھونڈتا تو سیاست سے بچ رہتا۔ گویا "حرم" کی طرح اس جگہ بھی خون گرانا منع تھا۔ تیسری صدی میں خاندان طاہر کا ستارہ عروج پر تھا۔ طاہر کا بیٹا طلحہ خراسان پر حکمران تھا۔ دوسرا بیٹا عبداللہ بھی معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ معتصم کے عہد میں مصر کا گورنر تھا۔ نہایت شجاع۔ فیاض۔ ادیب۔ محدث۔ شاعر اور موسیقی دان تھا۔ اور اسی خاندان کا ایک رکن اسحاق ابن ابراہیم خلیفہ واثق اور متوکل کے عہد میں جبکہ پایہ خلافت "سر من رائے" (سامرا) میں تھا بغداد کا گورنر تھا۔ خلیفہ ماموں کے عہد میں اسحاق پولیس افسر تھا۔ ۲۳۵ھ مطابق ۸۵۰ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اسی خاندان کا ایک اور رکن محمدؐ ابن عبداللہ خلیفہ مستعین کے عہد میں بغداد کا گورنر تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس کے دادا نے بغداد کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اب وہ وقت تھا کہ محمد باغی فوج کے برخلاف بغداد کی حفاظت کر رہا تھا۔ خلیفہ مستعین سامرا سے بغداد میں آیا تو اس نے جانثاری کا ثبوت دیا۔ خلیفہ بغداد سے بھی بھاگا تو باغیوں نے تعاقب کیا اور سامرا میں گرفتار کر کے معزول کر دیا اور اس کی جگہ معتز کو خلیفہ بنا دیا +

خلیفہ معتضد کے زمانہ میں خاندان طاہر کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ اس وقت قصر طاہر شاہی محل تھا۔ خلیفہ معتضد کا انتقال ۲۸۹ھ ۹۰۲ء میں ہوا اور حریم طاہر کے دارالرخام میں دفن کیا گیا۔ خلیفہ علی مکتفی جس کا انتقال ۲۹۵ھ ۹۰۸ء میں ہوا اسی جگہ دفن کیا گیا اور غالباً مقتدر بھی اسی جگہ دفن ہوا۔ اسے ۳۲۰ھ ۹۳۲ء میں شرقی بغداد کے باب شماسیہ پر "باڈی گارڈ" نے اسے قتل کر دیا۔ لاش بے گور و کفن وہیں پڑی رہی۔ رات کے وقت اہل بغداد نے نہایت عزت و حرمت سے دفن کر دیا۔

حریم طاہر جس میں خلفا کے قصر تھے۔ جہاں عیش و عشرت کا ہر ایک سامان موجود تھا۔ اب ایک قید خانہ تھا۔ جس میں شاہی خاندان کے اعلٰی رکن مقید تھے ان میں ایسے شخص بھی تھے جو کچھ دن خلافت کا لطف اٹھا چکے تھے۔ اور ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہ بننا تھا۔ اسی قید خانہ میں معزول شدہ خلیفہ متقی اور قاہر جن کی آنکھیں نکلوا دی گئی تھیں تلخکامی سے باقی ماندہ ایام زندگی موت کے انتظار میں کاٹ رہے تھے۔ اسی جگہ مستکفی بھی تھا جو ۳۳۳ھ ۹۴۴ء میں متقی کی جگہ خلیفہ بنایا گیا۔

حریم طاہر صرف قید خانہ ہی نہ تھی بلکہ ان بد قسمت قیدیوں کا مدفن بھی تھی۔ گویا وہ زندہ درگور تھے۔ جو مصیبتیں ان پر نازل ہو رہی تھیں اُن کے جی ہی سے پوچھو۔ معلوم نہیں کہ زندگی میں بحالت قید ان پر کیا کچھ سختی ہوتی تھی۔ اور موت جس کے وہ سوجان سے خواہاں تھے کس شکل میں ان کے سامنے آتی — زہر کا پیالہ یا تیز خنجر۔

اس دردناک سین کا حال ہم اس سے زیادہ نہیں لکھتے۔ دو سو برس کے بعد ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء میں خلیفہ منصور راشد کا بگاڑ سلطان مسعود سلجوقی سے ہوگیا۔ سلجوقیوں نے بغداد کا دو ماہ تک محاصرہ رکھا۔ اس عرصہ میں حریم طاہر تباہ ہوگیا۔ ۶۱۴ھ ۱۲۱۷ء میں دریائے دجلہ کی طغیانی نے اس کی بربادی کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ ۶۲۳ھ میں یاقوت لکھتا ہے کہ حریم طاہر ویران اور غیر آباد جگہ ہے۔ پرانی عمارتوں کے کھنڈرات اب موجود ہیں جو گذشتہ شان و شوکت کی تصویر آنکھوں میں کھینچ دیتے ہیں۔

شارع باب شام جسر الاول پر سے ہو کر جو حریم طاہر کے قریب ہی دریائے دجلہ پر تھا حربی میں بشکل وتر گذرتی۔ بقول یعقوبی اس کے دونوں کناروں پر منڈیاں تھیں۔ ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ اس سڑک کے متوازی دریائے دجلہ اور اسی سڑک کے درمیان ایک نہر بہتی تھی۔ یہ نہر باب شام کے قریب نکل کر زبیدیہ تک آتی اور بعدازاں چھوٹی چھوٹی آبپاشی کی نہروں میں اس کا پانی مل جاتا۔ اس نہر کو نہر باب شام کہتے تھے۔ جہاں نہر "زریں" شارع کوفہ قطع کرتی اسی جگہ نہر باب شام نکلتی تھی۔ یہ نہر جنوب سے شمال کی طرف جسر الاول کے مغربی حد تک بہتی تھی اور اس میں دو اور نہریں آکر ملتی تھیں۔ ایک تو بطاطیا جو حربی میں براہ باب حرب داخل ہوتی اور دوسری شارع دجیل کی راہ حربی میں آتی۔

اگر شارع باب شام کے راستہ جسر الاول سے گذر کر حربی میں داخل ہوں تو حریم طاہر دائیں ہاتھ پر اور بائیں ہاتھ پر دار الرقیق جس میں سے شارع دار الرقیق گذرتا تھا۔ یہ دراصل شارع باب تبن واقع خندق طاہر کی شاخ تھی۔ دار الرقیق (غلاموں کے گھر) خلیفہ منصور نے اپنے غلاموں کے واسطے بنوایا تھا۔ یہ غلام اکثر ترک نژاد تھے۔ ان پر خلیفہ کا حاجب ربیع محافظ تھا۔ بقول یعقوبی اس جگہ حاجب مذکور کے اپنے غلاموں کے گھر بھی تھے۔ کچھ زمانہ گذرنے پر دار الرقیق کا نام گرد و نواح کی زمین پر بھی عاید ہو گیا۔ اور ساتویں صدی ہجری یعنی یاقوت کے زمانہ تک اس جگہ ایک منڈی بھی لگا کرتی تھی۔ اگرچہ ابتدائی مکانات اکثر خاک میں مل چکے تھے۔ مگر بقول خطیب زبیدیہ کا وہ حصہ جو خندق طاہر کے جنوبی طرف واقع تھا پانچویں صدی ہجری میں دار الرقیق ہی کے نام سے مشہور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کے اول محاصرہ کے وقت اسے بہت نقصان پہنچا طاہر کے حکم سے دار الرقیق کو برباد کر دیا گیا تھا۔

دار الرقیق کے پاس ابوعون کی جاگیر تھی۔ اور بقول یعقوبی دریائی کنارے اور الشارع کے قریب میں تھی۔ قصر ابوعون نہر بطاطیا کے کنارے پر جو حربی میں براہ باب حرب آتی واقع تھا۔ اس کے نیچے ایک سڑک بھی تھی جو شارع ابن ابوعون کہلاتی۔ غالباً یہ سڑک بھی شارع باب شام کی شاخ تھی جو جسر الاول سے گذر کر آئی۔ اور اس سڑک سے ملتی تھی جو باب حرب سے آتی اور جس کے نیچے نہر زبین بہتی اور جس پر شارع باب شام جسر الاول سے آتی ہوئی براہ قنطرۃ البتائیں گذرتی۔

ابوعون جرجان واقع خراسان کا باشندہ تھا۔ خلیفہ منصور کا غلام تھا۔ خلیفہ نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا ابن ابوعون دو دفعہ مصر کا گورنر ۱۳۴ھ و ۱۳۸ھ میں مقرر رہا۔ ۲۵۱ھ / ۸۶۵ء یعنی خلیفہ مستعین کے عہد میں اسی خاندان کا ایک رکن محمد ابن ابوعون خلیفہ کی فوج کا ایک افسر تھا۔ محاصرہ بغداد کے وقت مورخین اس کا بھی نام لیتے ہیں۔

شارع باب شام جسر الاول پر سے ہو کر حربی میں بصورت وتر گذرتی اس وقت حربی مدینۃ المنصور کے شمالی مضافات میں تھا۔ کچھ عرصہ بعد حربی وہی قطعہ اراضی کہلاتا تھا جو قنطرہ حرب کے قریب تھا اور جس میں سے شارع حرب گذرتی چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی میں حربی ایک جامع مسجد بھی تھی۔ ابتدا میں تو یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ خلیفہ مطیع نے اسے تعمیر کروایا تھا۔ کہ ربیع الثانی ۳۸۳ھ / ۹۹۳ء میں خلیفہ قادر کے عہد میں جامع مسجد بن گئی۔ خطیب لکھتا ہے کہ میں نے کئی ایک دفعہ جمعہ کی نماز اس مسجد میں پڑھی۔ ۶۲۳ھ / ۱۲۲۶ء یعنی یاقوت کے زمانہ میں اگرچہ حربی کے پرانے مکانات منہدم ہو چکے تھے۔ مگر نئے نئے عمارتوں کی وجہ سے خوب رونق پر تھا۔ اس کے گرد ایک دیوار بھی تھی اور کئی ایک مقامات پر منڈیاں بھی تھیں۔ الغرض بجائے خود ایک شہر تھا۔ ۶۲۳ھ میں یاقوت لکھتا ہے کہ دو دو میل تک اس کے نواح میں کھنڈرات

نظر آتے ہیں۔ حربی عالم تنہائی میں ان کے درمیان کھڑا ہے۔ ابن جبیر کے وقت حربی مغربی بغداد کے آباد محلوں سے اوپر واقع تھا۔ اور اس کے پرے نہر مرو کے جنوب میں چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے۔ جو حدود شہر سے باہر خیال کئے جاتے تھے ۔

مربع ابو العباس

نہر بطاطیا جو قنطرہ التبابین کے نیچے بہتی ہوئی رباط ابو عون مربع ابو العباس اور مربع شبیب سے گذر کر نہر باب شام سے جا ملتی۔ مربع ابو العباس کا نام ابو العباس طوسی کی وجہ سے پڑا۔ طوس خراسان کا ایک مشہور مردم خیز شہر ہے۔ ابو العباس خلیفہ منصور کے عہد میں طبقہ امرا میں تھا۔ اسی جگہ جہاں اب مربع ابو العباس واقع تھا بغداد کی تعمیر سے پیشتر ایک پرانا گاؤں "دردانیہ" تھا ۔

شبیب

شبیب "مردالروذیہ" کا باشندہ تھا۔ خلیفہ منصور کا ایک منہ چڑھا افسر تھا۔ ابو مسلم خراسانی جس نے خاندانِ عباسیہ کی بنیاد ڈالی اسی شبیب کے ہاتھ سے قتل ہوا ۔

شارع باب کوفہ کے متوازی ایک اور سڑک جسے شارع دجیل کہتے تھے پرانے حربی سے گذر کر باب الحدید کو آتی۔ نہر دجیل خندق طاہر کے بذریعہ عبر الکوخ گذر کر اسی سڑک کے ساتھ ساتھ باب حرب کی طرف باب الحدید کے قریب بہتی تھی ۔

مربعۃ الفرس اور دکان الابناء

شارع دجیل کے ساتھ ساتھ کچھ دور بہہ کر یہی "نہر مربعۃ الفرس" کے قریب پہنچتی۔ اس جگہ سے ایک شاخ دکان الابنا کی طرف بہتی۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ آیا یہ شاخ جانب راست یا جانب چپ بہتی تھی۔ غالباً اسی محلہ حربی میں کچھ دور بہہ کر خشک پڑ جاتی۔ ابتداً حربی میں وہی ایرانی رہتے تھے جنہوں نے خلفاء عباسیہ کو امیہ کے برخلاف امداد دی تھی۔ اس امر کی تائید مربعۃ الفرس اور دکان الابنا کے ناموں ہی سے ہوتی ہے۔

مربعتہ الفرس مربع ابوالعباس کے قریب واقع تھا اس جگہ خلیفہ منصور کے ایرانی رہا کرتے تھے۔ خلیفہ نے اس جگہ انہیں جاگیریں عطا کی ہوئی تھیں۔ انہی فارسیوں کی وجہ سے اسے مربعتہ الفرس کہا کرتے۔ مربعتہ الفرس کے گرد جو قطعہ زمین تھا اُسے رباط الفرس کہا کرتے اس کے ساتھ ہی خوارزمیہ تھا اس جگہ خلیفہ منصور کے خوارزمی (خیوا) سپاہی رہتے تھے۔ اس کے قریب جہاں اہل مرو رہتے تھے المراوزہ تھا۔

رباط عثمان محلہ خوارزمیہ میں شامل تھا۔ عثمان خلیفہ منصور کے عہد میں سواروں میں ایک افسر تھا۔ اس کے قریب رباط رشید تھا۔ رشید خلیفہ منصور کا ایک غلام تھا۔ ماسویٰ مذکورہ بالا اسما کے یاقوت اس جگہ اور بھی بہت سے رباطوں کا پتہ بتلاتا ہے جو انہی سرداروں کے نام پر مشہور تھے جنہیں خلیفہ منصور نے اس جگہ جاگیریں دے رکھی تھیں۔

لفظ دکان الابناء (ایرانی شرفا کی دکانیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ ایرانی تھے جنہوں نے عربی اوضاع و اطوار کو اختیار کر لیا تھا۔ ابناء جمع ہے ابن (بیٹا) کی اور اس جگہ دہقانوں کے بیٹوں سے مراد ہے۔ یہ دہقان ایرانی نژاد تھے۔ جو ابتدائی فتوحات اسلام کے وقت عراق عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ اور اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے رہے۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں انہی کی اولاد مختلف دفاتر میں ملازم تھی۔

نہر دجیل انہی ایرانی امرا کی جاگیروں سے گذر کر زاویہ قائمہ بناتی ہوئی لوٹتی اور باب شام کی طرف پہلے قنطرہ ابوالجون کے نیچے بہتی ابوالجون بھی ایک ایرانی دہقان تھا اور اس جگہ بغداد کی تعمیر سے پیشتر ایک گاؤں "شرفانیہ" ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) تک اسی پل کے قریب کچھ پرانے کھجور کے درخت ابوالجون کے وقتوں کے کھڑے تھے ان کے نزدیک دارالسعید تھا۔ قنطرہ ابوالجون غالباً شارع دجیل اور شارع باب شام کے جائے اتصال پر واقع تھا۔ اس جگہ

قنطرہ ابوالجون

سوداگروں کی دورویہ دکانیں تھیں جن میں ہر ایک قسم کا مال فروخت ہوتا تھا۔ اس بازار سے کئی ایک بازاروں اور گلی کوچوں کو راستے نکلتے تھے جن کے نام انہی لوگوں کے نام پر تھے یا ان شہروں پر تھے جہاں سے یہ لوگ یہاں آکر آباد ہوئے۔ قنطرابوالجون کے قریب یتیموں کا مکتب تھا۔ اسے مکتب الیتامیٰ کہتے تھے۔

طاق علی

جسر اول سے گذر کر شارع باب الشام کے قریب مربع شبیب اور باب شام کے درمیان طاقات یعنی محرابیں تھیں ان کے نام ان کے تعمیر کرنے والوں کے نام پر تھے۔ مربع شبیب کے قریب "طاق علی" تھا اس جگہ ایک بازار تھا جسے "سوق علی" کہتے تھے۔ اسے ایک شخص مسمیٰ مقاتل نے بنوایا تھا جو یمن کے قبیلہ "رکی" میں سے تھا۔ یہ شخص خلیفہ منصور کی فوج میں ایک جرنیل تھا خلیفہ نے اس جگہ زمین عطا کی تو یہ محراب بنوائی۔ رفتہ رفتہ اس جگہ وہ رونق ہوئی کہ بجائے خود ایک چھوٹا سا آباد قصبہ بن گیا۔ لکھتے ہیں کہ یہ بغداد میں سب سے پہلی محراب ہے جو اس وقت تعمیر ہوئی۔

طاق الغطریف

اس کے بعد طاق "الغطریف" تھا۔ غطریف ملکہ خیزران والدہ خلیفہ ہادی اور ہارون الرشید کا بھائی تھا۔ غطریف ایک وقت یمن کا عامل تھا۔ یہ محراب طاق الاکی کے بعد تعمیر ہوئی۔

طاق ابوسوید

تیسری محراب "طاق ابوسوید" تھی۔ یہ محراب ابوسوید کی جاگیر اور رباط ابوسوید ملقب بہ ابی ورد میں واقع تھی۔ اس میں قبرستان باب شام کا کچھ حصہ بھی شامل تھا۔

زندان باب شام

شارع باب شام کی تین شاخیں مغربی بغداد کے شمالی مضافات سے گذرتیں۔ ان میں سے دو کا ذکر ہو چکا ہے۔ جسر اول کے داہنی جانب شارع باب شام مذکورہ بالا طاقات کے ساتھ ساتھ جاتی۔ اس کے بعد وہ سڑک تھی جو حربیہ میں داخل ہوتی۔ اس کے بائیں طرف ایک سڑک

خندق طاہر سے باب انبار کی طرف جاتی۔ باب شام کے سامنے قید خانہ کی عمارت تھی جسے خلیفہ منصور نے بنوایا۔ یہ باب شام کا قید خانہ کہلاتا تھا۔ تیسری صدی ہجری (نانویں صدی عیسوی) کے آخر میں یہی عمارت مغربی بغداد کا "سنٹرل جیل" تھی ۲۵۵ھ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت خلفا نے سامرا میں رہائش اختیار کی سلیمان جو خاندان طاہر سے تھا بغداد کا گورنر تھا۔ اہل بغداد نے بغاوت کی اور قید خانہ کے دروازوں کو توڑ کر سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب شورش فرو ہوئی تو ان مجرموں کی دوبارہ گرفتاری میں سخت دقتیں پیش آئیں۔

قبرستان باب شام

خلیفہ منصور جب بغداد کی تعمیر سے فارغ ہوا تو آخری منزل یعنی قبرستان کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اسی جگہ کے قریب باب شام کے باہر ایک جگہ تجویز ہوئی جس کا اکثر حصہ کچھ عرصہ بعد حربیہ میں شامل ہو گیا۔ اور اس پر مکانات تعمیر ہو گئے۔ اگرچہ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) تک اس قبرستان میں مشہور و معروف اشخاص دفن ہوتے رہے۔

اس قبرستان سے گذر کر باب شام کے سامنے ایک نہر بہتی تھی جو باب کوفہ سے آتی تھی۔ یہ نہر کچھ دور چل کر زبیدیہ کے شمال میں خشک پڑ جاتی۔ اسی نہر میں نہر حربیہ کا جو باب شام کے داہنی جانب سے آتی زاید پانی ملتا۔ نہر وجیل کتاب الیتامیٰ قریب بہتی ہوئی ضرور شارع باب شام اور شارع باب انبار سے زندان باب شام کے شمال مغرب میں گذرتی ہو گی۔ اس کے قریب ہی "شارع قصر ہانی" بھی ہو گی۔ اس کے بعد اور نہر مذکور کے کنارہ پر "بستان القاس" واقع "رباط القاس" تھا۔ القاس کا دوسرا تلفظ القوس بھی لکھا ہے۔ القاس خلیفہ منصور کا ایک غلام تھا طبری لکھتا ہے کہ بغداد کے قریب اور اس کی تعمیر سے پیشتر ایک بستان القاس تھا۔ اور یہ کہ اس جگہ ایک دیر بھی تھا جس میں راہب رہتے تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو دار الخلافت کے واسطے یہ زمین بتائی تھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو بستان القوس کے معنی وہ باغ ہوگا

جورا ہبوں کے عبادت خانہ کے متعلق تھا اور اس لیئے القوس کسی خاص شخص کا نام نہیں۔ طبری ایک اور جگہ القوس کو انہی معنوں میں استعمال کرتا ہے ٭

وہ سڑک جو باب شام سے باب انبار کو جاتی تھی ضرور بستان القوس کے شمال میں گذرتی۔ اور غالباً بستان القوس اور قصر ہانی کے درمیان پڑتی ہوگی۔ باب کوفہ اور باب شام اور باب انبار کے درمیان ایک مثلث نما قطعہ زمین تھا۔ جس کے تین زاویہ یہی دروازہ تھے۔ نہر صراۃ خورد اور نہر باب شام اس مثلث کے دو اضلاع تھے اور اس کا قاعدہ محلہ حربی تھا۔ اس قطعہ زمین پر سے بے شمار سڑکیں ایک دوسری کو قطع کرتی ہوئی جاتی۔ اور مفصلہ ذیل ترتیب سے اس جگہ آتی تھیں ٭

شارع انبار باب انبار سے نکل کر سیدھی براہ باب شام مدینۃ المنصور کو جاتی نہر بطاطیا کی ایک شاخ قنطرہ باب انبار کے نیچے خندق طاہر کو عبور کر کے شارع انبار کے ساتھ ساتھ کچھ دور چل کر ایک طرف نکل جاتی۔ راستہ میں اُسے "شارع الکبش" ملتی جو شارع انبار کی ایک شاخ تھی اور باب انبار کے قریب جدا ہو کر نہر صراۃ خورد کی طرف جاتی تھی۔ اس جگہ ایک محلہ تھا جس کو "الکبش والاسد" (شیر اور مینڈھا) کہتے تھے پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی تک مغربی بغداد کی عمارتیں اس جگہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد جو کچھ حال تھا اُس کی نسبت خطیب لکھتا ہے کہ میرے ایام جوانی میں اس جگہ مکانات تھے اور بارونق منڈی بھی تھی لیکن جب سنہ ۴۵۰ھ میں اس جگہ اس کا گذر ہوا تو صرف سرسبز کھیت لہلہاتے نظر آرہے تھے ٭

کبش اور اسد واقعی عجیب نام ہیں۔ وجہ تسمیہ معلوم نہیں یاقوت لکھتا ہے کہ کبش اور اسد دو بازار تھے اور قریب ہی کے "رباط ناصریہ" کو جاتے تھے۔ لیکن اُس کے زمانہ میں یہ بازار اور محلہ تو نابود ہو چکا تھا صرف ہرے ہرے کھیت تھے ٭

ابراہیم الحربی

اسی جگہ باب انبار کے قریب سڑک کے کنارہ پر ابراہیم الحربی ایک مشہور و معروف بزرگ کا مقبرہ تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں مسعودی بھی اس کا تذکرہ کبش اور اسد کے بازاروں کے ساتھ کرتا ہے۔ اس جگہ لوگ کثرت سے زیارت کو آتے ابراہیم امام احمد حنبلؒ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ اور صوفی مشرب تھے۔ ۲۸۵ھ میں آپ کا انتقال اپنے ہی گھر میں ہوا اور وہیں دفن کئے گئے ۔ ۷۰۰ھ تک یہ مقبرہ آباد جگہ میں تھا۔ لیکن بقول مصنف مراصد پھر کھیتوں کے درمیان تھا۔ وہ آبادی اور مکانات سب خاک میں مل گئے ۔

درب القفاس

بقول یعقوبی دو اور بازار بھی اس جگہ تھے۔ ایک درب القفاس (قفس پنجرہ) اور دوسرا درب القساریں۔ اور ان کے متصل مسجد البخاریہ تھی جو سبز مناروں کی وجہ سے بغداد میں مشہور تھی۔ طبری لکھتا ہے کہ درب القفاس اُس جگہ تھا جہاں بغداد کی تعمیر سے پیشتر قصبہ الخطابیہ آباد تھا۔ اور جس کی حد درب النورہ تک تھی۔ دوسری صدی ہجری تک خلیفہ امین کے عہد میں اس پرانے قصبہ کی یادگار کچھ کھجوروں کے درخت باقی رہ گئے تھے۔ مراصد سے معلوم ہوتا ہے کہ خطابیہ صراط خورد کے کنارہ پر اُس جگہ واقع تھا جہاں کبش اور اسد کے بازار اور بعد میں مقبرہ ابراہیم تعمیر ہوا ۔

قصبہ خطابیہ

رملیہ

باب انبار کے شمال میں کچھ سفید زمین پڑی تھی جس کو رملیہ کہتے تھے۔ یعقوبی کے زمانہ یعنی تیسری صدی کے آخر "حربی" کی یہی حد تھی ۔
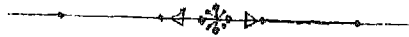
فصل پنجم

مغربی بغداد کے محلے

"بستان القوس" کے قریب ہی شارسوق تھی۔ یہ جگہ مغربی بغداد کے ایک آباد محلہ کا مرکز تھی۔ شارسوق یا شہارسوق عربی اور فارسی الفاظ کی ترکیب ہے۔ "شار" یا "شہار" فارسی "چہار" ہے۔

شارسوق کو الہیثم خراسانی نے بنوایا تھا۔ خلیفہ منصور کے عہد میں ایک فوجی افسر تھا۔ شارسوق کو اس لئے سوق الہیثم بھی کہا کرتے تھے۔ اس جگہ تجارت کو روز افزوں ترقی ہوئی۔ یہ چھوٹی سی منڈی ہوتے ہوتے اتنی بڑھی کہ اس کے گرد بازار گلی کوچے اور مکانات تعمیر ہو گئے اور بجائے خود ایک محلہ بن گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی میں اس کی از سر نو تعمیر ہوئی کیونکہ حمداللہ مستوفی عضد الدولہ بویہ کی تعمیرات میں اس کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ شارسوق کے قریب ایک منار تھا جسے بقول خطیب حمید ابن عبد المجید نے بنوایا تھا۔ بیان ہو چکا ہے کہ دریا کے کنارے جسر اوّل کے نزدیک قصر حمید اسی شخص نے بنوایا تھا۔ شارسوق کے گرد تین محلے اور بھی تھے۔ ان کا تذکرہ بغداد کی آخری ایام کی تاریخ میں اکثر کیا جاتا ہے۔ ان کو "نصریہ" "اتابیہ" اور "دار القض" کہتے تھے۔ ۶۲۳ھ یعنی یاقوت کے زمانہ میں بہت بارونق تھے۔ اور زیادہ تر ایک نہایت نفیس کاغذ کی ساخت کے واسطے مشہور تھے۔ ان محلوں کے چاروں طرف کھنڈرات تھے کہیں کہیں شکستہ مکانات اور غیر آباد بازاروں کے نشان اب بھی ملتے تھے۔

نصریہ جسے رباط نصر ابن عبداللہ بھی کہتے تھے بہت وسیع تھی اس محلہ سے ایک سڑک شارع دجیل کو جاتی تھی +

محلہ "اتابیہ" شارسوق کے شمال میں تھا۔ اس جگہ ایک قسم کا کپڑا بنتا تھا جسے "اتابی" کہتے تھے۔ یہ کپڑا مختلف قسم کے ریشم اور سوت کی ملاوٹ سے بنتا تھا۔ محلہ اتابیہ کا نام اتاب کی وجہ سے ہوا جو امیہ کی تیسری پشت سے تھا یا اُس صحابی کی وجہ سے جو خلیفہ اول کے زمانہ میں مکہ منورہ کا گورنر تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی بغداد کے اس محلہ میں اس بزرگ آدمی کی اولاد رہتی تھی۔ جنہوں نے اپنے مورث اعلیٰ کا نام زندہ رکھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ لوگ کب اور کس طرح اس جگہ آباد ہوئے۔ محلہ اتابیہ اسی اتابی کپڑے کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ ابن جبیر ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں اس محلہ کی نسبت لکھتا ہے کہ مغربی بغداد میں یہ نہایت ہی بارونق جگہ ہے۔ محلہ اتابیہ اور دار القطن کے درمیان ایک سڑک "شارع الغامش" کے نام سے مشہور تھی۔ اسی سڑک کے کنارے ایک جامع مسجد بھی تھی۔ لیکن ۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء میں یہ بھی ایک غیر آباد جگہ تھی +

اس محلہ کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ باب بصرہ کے محلوں سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ ساتویں صدی ہجری / تیرھویں صدی عیسوی میں اس کے چاروں طرف کھنڈرات کے ڈھیر تھے۔ اس جگہ کا کاغذ تمام بلاد مشرق میں مشہور تھا۔ ابتدائی زمانہ میں اس جگہ ایک باب الشعیر تھا جس کا رخ حریم طاہر کی طرف تھا۔ اسی نام کا ایک اور دروازہ بھی تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ باب الشعیر کی نسبت مختلف روایتیں ہیں۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میرے زمانہ میں اس کا نشان تک کہیں نہیں ملتا۔ لیکن ایک وقت دریائے دجلہ کے کنارہ مدینۃ المنصور کے اوپر جہاں موصل اور بصرہ کے جہاز لنگر انداز ہوتے ایک بارونق محلہ کے مرکز میں تھا۔ دجلہ کے رخ بدلنے کی وجہ سے باب الشعیر کی

نسبت یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ کنارہ دریا پر واقع ہو۔ لیکن یہ امر آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر باب الشعیر دار القطن کے قریب واقع تھا تو کیسے دریائے دجلہ اور حریم طاہر کے نزدیک آگیا تھا ✢

عتیقہ

ایک اور محلہ انہی محلوں کے نواح میں عتیقہ کے نام سے مشہور تھا۔ یاقوت کے زمانہ میں یہ بھی غیر آباد تھا۔ اس کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ حربیہ اور باب بصرہ کا آخری محلہ تھا۔ غالباً مدینۃ المنصور کے کھنڈرات کے درمیان ہوگا۔ عتیق ابن ہلال ایرانی کی وجہ سے اس کا نام عتیقہ ہوا ✢

شارع القحطبہ

بستان القوس کے نواح میں ایک سڑک شارع القحطبہ تھی جو غالباً شار سوق سے ہو کر مربع باب کوفہ کو جاتی تھی۔ یہ سڑک چونکہ رباط حسن ابن قحطبہ سے نکلتی تھی اس لئے اس نام سے مشہور ہوئی۔ خاندان عباسیہ کے معاونوں میں سے خاندان قحطبہ بھی تھا۔ عباسیہ کی حکومت قائم کرنے کے واسطے ان لوگوں نے جانثاری کا بین ثبوت دیا۔ اس کے صلے میں خلیفہ منصور نے انہیں اعلےٰ عہدوں پر ممتاز کیا۔ اور جاگیریں دیں۔ قحطبہ حسن اور حمید کا باپ تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں عباسیہ کا ایک نقیب تھا اور علی الاعلان خاندان عباسیہ کے حقوق اور علو مرتبہ کا اظہار کرتا تھا ۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں قحطبہ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ دریائے فرات کو عبور کر رہا تھا کہ تلاطم میں آکر غرق ہوگیا۔ اُس کی شایستہ خدمات کے صلہ کا زمانہ بہت قریب تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس کی تمام امیدوں پر یک لخت پانی پھر گیا۔ اُس کا بیٹا حسن عباسیہ فوج کا افسر مقرر ہوا عراق کو امیہ کے مقابلہ میں اسی نے فتح کیا تھا۔ خلیفہ منصور کے بہت منہ چڑھا ہوا تھا۔ جو کچھ خلیفہ اُس کی عزت کرتا اُس کا وہ مستحق بھی تھا۔ حسن نے خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ۱۸۱ھ ۷۹۷ء میں انتقال کیا۔ اس کی جاگیر جس میں سے شارع قحطبہ گذرتی مدینۃ المنصور کی دیوار کے ساتھ ساتھ باب کوفہ سے باب شام تک

پھیلی ہوئی تھی۔ شارع قحطبہ کے اوپر مدینۃ المنصور کے متوازی نہر باب شام بہتی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں اس کی ایک شاخ اس کے داہنی طرف مدینۃ المنصور کے کھنڈرات میں سے گذرتی۔ مدینۃ المنصور اس زمانہ میں ویران پڑا تھا ؛

قصر عبدالواحد

شارع قحطبہ کے دوسری جانب اور سراۃ خورد کے حصہ زیرین کے ساتھ ساتھ جاگیر اور قصر عبدالواحد تھا۔ عبدالواحد خلیفہ منصور کا بھتیجا تھا۔ اس کے قریب ہی سوق عبدالواحد تھی جس کا ذکر ہوچکا ہے۔ سوق عبدالواحد سے ایک سڑک نکلتی تھی جو شارع قحطبہ اور مربع باب کوفہ کو ملاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ بہت جلد غیر آباد ہوگئی۔ کیونکہ ابن ابی مریم جس کا انتقال ۲۲۴ھ ۸۳۹ء میں ہوا بیان کرتا ہے کہ اس جگہ تمام مکانات اور بازار غیر آباد اور ویران پڑے ہیں۔ اس کے پچاس برس بعد یعقوبی لکھتا ہے کہ قصر اور سوق عبدالواحد بالکل کھنڈرات کا ڈھیر ہیں ؛

جزیرہ عباسیہ

نہر سراۃ خورد خندق طاہر سے نکل کر بغداد کے باغات کو سیرات کرتی ہوئی۔ جسر اوّل کے قریب مربع باب کوفہ کے سامنے نہر صراۃ کلاں میں جاگرتی۔ نہر صراۃ خورد و کلاں کی درمیانی زمین ایک جزیرہ کی شکل بن جاتی جس کے چاروں طرف انہی نہروں کا پانی تھا اسے جزیرہ عباسیہ کہتے تھے۔ ان نہروں کے اتصال پر "رحی البطریق" (بطریق کی چکی) تھا۔ جزیرہ عباسیہ کا نام خلیفہ منصور کے بھائی عباس کی وجہ سے پڑا۔ خلیفہ نے اُسے اس جگہ زمین عطا کی ہوئی تھی۔ عباس نے اس جگہ باغ لگوائے۔ اس کی فصلیں بغداد بھر میں مشہور تھیں۔ گرما و سرما دونوں موسموں میں اس کے درخت پھیلتے ؛

رحی البطریق

رحی البطریق پر ایک سو چکی کام کرتی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان سالانہ آمدنی ایک کروڑ درہم کی تھی۔ اس کی تعمیر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔

کہ ایک دفعہ یونانی بادشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے ایک سفیر بغداد میں آیا۔ کہتے ہیں کہ وہ علم تعمیرات میں خوب ماہر تھا۔ خلیفہ کے خوش کرنے کے لئے اس جگہ چکی بنائی۔ یعقوبی جو ۲۷۸ھ (۸۹۱ء) میں گذرا ہے یہ واقع بیان کرتا ہے۔ لیکن اس عمارت یا کارخانہ کو مورخین رحی ابوجعفر (خلیفہ منصور) بھی کہتے ہیں۔ اور بعض جگہ رحیہ ام جعفر (زبیدہ) بھی لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر نام میں اول الذکر کی مشابہت کی وجہ سے مغالطہ ہوا۔ مختلف روایتوں کی وجہ بخوبی معلوم نہیں ہوئی۔ خطیب لکھتا ہے کہ اسے خلیفہ منصور کے چچا عیسیٰ نے بنوایا تھا۔ اسی نے نہر عیسیٰ بھی کھدوائی تھی۔ مگر ایک اور موقع پر خود خطیب اور یاقوت (جو خطیب کی نقل کرتا ہے) ایک بھی داستان سفیر قسطنطنیہ کے متعلق اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس سفیر کا نام "تاراث" اور "مروق" کی پانچویں پشت سے تھا۔ مروق کو شہنشاہ قسطنطنیہ لکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ امیر معاویہؓ کا ہمعصر تھا۔ (حالانکہ اُن کے ہمعصر "قنسٹینٹن ثانی" اور "قسطنطین چہارم" تھے۔) تاراث قیصر کی طرف سے خلیفہ مہدی کو تخت نشینی کی تقریب پر مبارک باد کہنے کے لئے بغداد میں آیا تھا۔ اس لئے تاریخ ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) ہونی چاہئے۔ جب یونانی سفیر دربار بغداد میں حاضر ہوا تو اُس کی خوب آؤبھگت ہوئی۔ وہ کئی روز خلیفہ کا مہمان رہا۔ سفیر مذکور بہت خوش ہوا اور شکریہ میں اس چکی کے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خلیفہ کے حکم سے ذخل نے اُسے پانچ لاکھ درہم دئے۔ سفیر نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ چکی کے اخراجات منہا کر کے اتنی ہی رقم سالانہ منافع ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خلیفہ سفیر سے اس قدر خوش ہوا کہ سال بسال یہ رقم ٹھیکہ داروں سے وصول کر کے سفیر کو قسطنطنیہ میں بھیجتا رہا جب تک وہ زندہ رہا اُسے یہ رقم ہمیشہ ملتی رہی۔

یہ روایت غلط ہو یا صحیح اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۷ھ / ۸۱۳ء میں یہ عمارت موجود تھی۔ کیونکہ مورخین بغداد کے اول محاصرہ میں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب بدقسمت امین مدینۃ المنصور میں محصور ہوا تو طاہر نے اس کے کئی ایک عمارتیں منہدم کروا دیں اور کئی ایک کو آگ لگوا دی۔ چنانچہ اس عمارت کو بھی کچھ نقصان پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ ایسا بہت نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ کیونکہ بقول یعقوبی تیسری صدی ہجری تک اس میں چکیاں چلتی تھیں۔ معلوم نہیں کہ اس کا انہدام کب وقوع میں آیا۔ مصنف مراصد کے بیان کے مطابق سنہ ۷۰۰ھ میں اس کا کچھ نشان باقی نہ تھا۔

مذکورہ بالا قصہ کی جو خطیب نے سفیر قسطنطنیہ کا بیان کیا ہے اور جس کو یاقوت نقل کرتا ہے طبری بخوبی تردید کرتا ہے۔ لیکن خود ان واقعات کے تذکرہ میں جو خلیفہ منصور کو تعمیر بغداد کے وقت پیش آئے اس "بطارکہ" کے مشورہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس نے خلیفہ کو کہا تھا کہ دار الخلافت کے واسطے اس زمین سے جہاں بغداد آباد ہوا کوئی اور بہتر جگہ دجلہ کے کناروں پر نہیں ملیگی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو عمارت مذکور کی تاریخ منصور کا ابتدائی عہد ہی ہوگی۔ اور معمار یا کم از کم انجنیر بھی نسطورہ فرقہ کے راہب ہی ہونگے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ لفظ "بطرکہ" ہے یا بطریق۔ اگر بطرکہ ہے تو طبری کا بیان اگر صحیح نہیں تو لفظی صحت کی وجہ سے ممکن تو ضرور ہے۔ اگر بطریق ہے تو خطیب سچا ہے۔ عربی میں بطریق عیسائی گورنر کو کہتے ہیں۔ ہماری رائے میں تو دونوں روائتیں غلط ہیں۔ اس زمانہ میں تو عربیوں کے سوا تمام

---

[۱۵] یہ عجیب امر ہے کہ "رحی" کے نام پر کئی ایک مقام تھے۔ چنانچہ "رحی" ایک پہاڑ کا نام ہے جو یمامہ اور بصرہ کے درمیان ہے اور ایک موضع کا نام ہے محمد بن احمد بن ابراہیم اسی جگہ کے باشندہ تھے۔ "رحی بطان" بادیہ میں "رحی جابر" موضع ہے عرب میں "رحی عمار" کوفہ میں ایک دیہ ہے۔ "رحی المثل" ایک موضع کا نام ہے۔ رحی البطریق کی نسبت اگر چکیوں کی حکایت مشہور نہ ہوتی تو ہم اسے بھی ایک موضع کہتے "رحی" کے معنی پارہ زمین سخت یا سطح مرتفع کے بھی ہیں۔ اور غالباً اس جگہ بطرکہ یا ان کے دیرہ ہونگے۔

قومیں جہالت کی تاریکی میں تھیں۔ انہیں ایسی ایسی ایجادوں اور اختراع سے کیا سروکار تھا اور خصوصاً راہب تو گوشہ نشین فقرا تھے وہ ان علوم وفنون سے کیا واقف ہونگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ یا اس جگہ کے قریب ہی کچھ دیر ابتدا میں ہونگے جن میں بطرکہ رہتے تھے۔ اور تاریخ بغداد شاہد ہے کہ ایسے دیر اور گرجے بغداد میں مختلف مقامات پر بہت تھے انہی کی وجہ سے اس عمارت کا نام بھی یہی مشہور ہوگیا۔ یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور خود یورپی موخ اس کے مقر ہیں کہ مختلف علوم وفنون یورپ نے صرف عربیوں سے سیکھے +

خطیب یہ بھی لکھتا ہے کہ ابتدا میں اس جگہ ایک باغ تھا جو خلیفہ منصور نے ربیع حاجب کو جاگیر میں دیا تھا۔ اس باغ میں کئی قسم کے پھل اور کھجوروں کے نہایت عمدہ درخت تھے۔ ربیع کی وفات پر یہ باغ اُس کے بیٹے فضل کے ورثہ میں آیا۔ فضل خلیفہ مہدی کا وزیر تھا +

غرض مورخین نے رحی البطریق کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اُس سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ عمارت کب بنی۔ لیکن ان سب کے اقوال سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خلیفہ منصور یا مہدی کے زمانہ میں تعمیر ہوئی اور اس کے قریب ہی ربیع یا فضل کا باغ تھا +

نہر صرات خورد وکلاں کے جا ماتصال کے قریب باب کوفہ سے ایک سڑک اسی پرانے پل سے گذرتی اور کچھ دور چل کر اس کی دو شاخیں ہو جاتیں۔ بائیں جانب شارع باب کوفہ تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ داہنی طرف شارع محول تھی۔ یہ سڑک مغرب کو جاتی ہوئی ان زمینوں کو قطع کرتی جو نہر صرات کلاں اور نہر کرخایا سے سیراب ہوتی تھیں +

شارع محول شارع باب کوفہ سے جدا ہو کر رباط عیسیٰ اور قصر عیسیٰ اور ان مکانات کے گرد چکر کھاتی جو نہر عیسیٰ پر واقع تھے۔ اور بعد ازاں ایک کوس کا فاصلہ طے کر کے باب محول میں داخل ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باب محول

شارع محول

برابر پانچسو برس تک یعنی خلافت عباسیہ کے اختتام تک موجود تھا۔ اس کا تذکرہ بغداد کے آخری محاصرہ اور خلیفہ مستعصم کے قتل اور واقعات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت بھی اُسی طرح قائم تھا جب اس کے گرد باب کوفہ اور مدینۃ المنصور کے کھنڈرات کے ڈھیر تھے۔ یاقوت اور مصنف مراصد کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ قصبہ محول ۱۲۰۰ھ میں بہت آباد تھا اور بجائے خود ایک شہر تھا۔ اس میں جامع مسجد اور بہت سی منڈیاں تھیں اور صرف اہل سنت والجماعت کی آبادی تھی۔

ہیلانیہ

شارع محول کے کنارہ پر اور قصر عیسیٰ کے قریب کرخ کے رخ قصبہ محول کا ایک حصہ "ہیلانیہ" کے نام سے مشہور تھا۔ "ہیلینا" خلیفہ ہارون الرشید کی ایک یونانی لونڈی تھی۔ مشرقی بغداد کے تذکرہ میں ہم ایک تالاب کا حال لکھینگے جو اسی لونڈی کے نام پر مشہور تھا۔

باب محول سے گذر کر شارع محول رباط حمید میں آتی رباط حمید کے ایک طرف باب محول اور داہنی جانب نہر صراۃ کلاں اور بائیں جانب کرخ تھا۔ اس جگہ نہر کرخایا "قنطرہ المارستان" کے نیچے بہتی۔ اسی نہر کی ایک شاخ "نہر زریں" رباط حمید کو سیراب کرتی۔

حمید ابن قحطبہ

بیان ہوچکا ہے کہ اس رباط کا نام حمید ابن قحطبہ کی وجہ سے پڑا اس کا بھائی حسن شارع قحطبہ اور باب کوفہ اور شام کے درمیانی اراضی کا مالک تھا۔ خلیفہ نے تعمیر بغداد کے وقت حمید ہی کو علوی بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ جب حمید نے نمایاں [illegible] حاصل کیں تو خلیفہ نے خوش ہو کر اُس جگہ اُسے جاگیر عطا فرمائی۔ ۱۴۲ھ میں خلیفہ نے اسے مصر کا گورنر مقرر کیا اس جگہ ایک سال رہ کر بعد ازاں خراسان کا گورنر ہوا۔ ۱۵۹ھ ۷۷۶ء میں اُس کا انتقال ہوگیا۔

حمید طوس کا رہنے والا تھا۔ اس کے کھنڈرات موجودہ زمانہ میں بھی مشہد کے قریب ملتے ہیں۔ طوس کے نواح میں حمید نے ایک محل ایک مربع میل قطعہ زمین پر بنوایا تھا۔ اسی جگہ محل کے ملحقہ باغات میں خلیفہ ہارون الرشید کی قبر ہے اور اسی جگہ کے قریب امام علی الرضا کا مقبرہ ہے جو مشہد میں ایک عالیشان مسجد ہے ؎

شارع رباط حمید نہر صرات کلاں سے گذر کر جزیرہ عباسیہ کے پرلے دور تک چلی گئی تھی۔ جانب شمال نصریہ اور شار سوق سے ملحق تھی غالباً چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کے اختتام سے لے رباط حمید ویران ہو چکا تھا ؎

جزیرہ عباسیہ کا کچھ حصہ رباط حمید میں شامل تھا۔ اس کو نہر صرات خورد و کلاں نے گھیرا ہوا تھا۔ ان پر تین پل تھے جو محول اور جزیرہ میں آمد و رفت کا راستہ تھے۔ سب سے پائیں پل "قنطرہ رحی البطریق" تھا۔ اس کے اوپر "قنطرہ سنیات" تھا۔ "سین" عربی میں "چلین" کو کہتے ہیں۔ لیکن غالباً اس جگہ کھجور کے درختوں سے مراد ہو گی جیساکہ عراق میں "السین" کے نام پر کئی ایک گاؤں اسی وجہ سے مشہور ہیں۔ سب سے اوپر "قنطرہ العباس" تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خلیفہ منصور کے بھائی عباس کی وجہ سے اس کا نام "العباس" ہوا ان تین پلوں سے تین سڑکیں محول سے جزیرہ عباسیہ میں آتیں ؎

جو سڑک قنطرہ العباس سے گذرتی اُس کی بائیں جانب اور اسی سڑک اور نہر کرخایا کے درمیان "قطیعۃ الفراش" اسے دار الرومیں بھی کہتے تھے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ اس جگہ ایک پل تھا جسے قنطرہ الرمین کہتے تھے۔ اور اس کے نیچے نہر کرخایا بہتی تھی۔ اسی نام کا ایک پل "قنطرہ الرومیہ" نہر عیسیٰ پر بھی تھا۔ اور غالباً ان دونوں پلوں کے درمیان ایک سڑک تھی جس کا یہی نام ہو گا۔ نہر عیسیٰ اور نہر کرخایا ایک دوسرے کے متوازی بہتی تھیں رباط حمید سے گذر کر اور قطیعۃ الفراشین کو بائیں جانب چھوڑ کر شارع محول نہر کرخایا

کے کنارہ پر پہنچتی۔ اس جگہ تک شارع محول کی صورت ایک بازار کی تھی جس کے دونوں کناروں پر سوداگروں کی دکانیں تھیں۔ اس جگہ خرید و فروخت بازار خوب گرم رہتا۔ اس جگہ سے کچھ دور اور غالباً داہنی طرف شارع محول "الحوض العتیق" کے پاس آئی۔ یہ ایک تالاب تھا۔ اس کے چاروں طرف مکانات تھے۔ ان میں ابن سہل کے ایرانی ملازم رہتے تھے۔ ابن سہل خلیفہ معتصم کے عہد میں ایک امیر تھا۔ ۲۲۳ھ میں مارا گیا۔

اس جگہ نہر کرخایا "قنطرہ داب الحجارہ" کے نیچے بہتی۔ اسی جگہ ایک اور سڑک بائیں جانب کو جاتی تھی۔ اس کے بعد ایک اور پل تھا جسے "قنطرہ الیہود" کہتے۔ اس کے قریب "باب ابو قبیہ" تھا۔ نہر کرخایا اور باب ابو قبیہ کے نزدیک "الکناسہ" تھا۔ جو لوگ بغداد کے دیگر محلوں سے آتے اس جگہ سواری کے جانوروں کو باندھتے اس کے نزدیک ایک محلہ تھا جہاں اونٹ۔ گھوڑے خچر فروخت ہوتے۔

بغداد کے محاصرہ اول کے وقت اسی "کناسہ" کے قریب امین اور طاہر کی فوجوں میں جنگ و جدل کا بازار کئی دنوں تک خوب گرم رہا۔ اس وقت طاہر کا کمپ باب انبار کے باہر جزیرہ عباسیہ کے پرے خندق طاہر پر تھا۔ اس لڑائی میں کئی ایک محلے جلائے گئے۔ طبری اس جنگ کے مفصل واقعات لکھتا ہے۔ اور ان لڑائیوں کے متعلق "کناسہ" اور "داب الحجارہ" کا اکثر ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ نہر کرخایا کے کناروں پر رباط حمید اور باب محول تک جنگ زور شور سے ہو رہا تھا۔ مسعودی بھی انہی واقعات کے متعلق "باب الکناسہ" کا ذکر کرتا ہے جو غالباً شارع محول کے کسی طرف ہوگا۔ یا "باب ابو قبیہ" کی جگہ "باب کناسہ" لکھنے میں اُسے غلطی کی ہے۔

نہر کرخایا شہر میں باب ابو قبیہ کے راستہ داخل ہوتی۔ یہاں تک اس کے کنار[illegible]ت دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے تھے۔ باب ابو قبیہ

کے نزدیک ہی "قنطرہ الیاسرہ" تھا جس کے نیچے نہر عیسیٰ بہتی تھی۔ اِس جگہ "رباط یاسریہ" تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس رباط کا دروازہ جسے "باب الیاسریہ" کہتے تھے بقول ابن حوقل ۳۶۶ھ میں بغداد کی مغربی حد تھی۔ اُس کا بیان ہے۔ "باب الیاسریہ" اور باب خراسان واقع مشرقی بغداد کے درمیان پانچ پانچ میل تک بازار تھے۔ اس کے تین سو برس بعد یاقوت یاسریہ کی نسبت لکھتا ہے کہ ایک قصبہ ہے باغات کی وجہ سے مشہور ہے۔ انہیں نہر عیسیٰ سیراب کرتی ہے۔ نہر عیسیٰ کے کنارہ پر یہ باغات کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ بغداد اور باب محول سے دو میل کے فاصلہ پر تھے۔ ۷۰۰ھ میں یاسریہ موجود تھا "مراصد" میں مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگرچہ اس جگہ کو ایک شخص مسمی "یاسر" سے موسوم کیا گیا ہے لیکن اُس کی زندگی کے مفصل حالات سے ہمیں کچھ آگاہی نہیں ٭

فصل ششم

براثا

نہر عیسیٰ اور نہر کرخیہ کے جا رانفصال کے قریب اور محول سے قریباً نصف میل اور کناسہ کے قبرستان "المقبرۃ القدیمہ" کے اوپر (جو شارع محول کے ساتھ ساتھ نہر عیسیٰ اور کرخیہ کے انفصال تک پھیلا ہوا تھا) "قصبہ براثا" واقع تھا۔ براثا سے "قنطرۃ الرومین" تک نہر کرخیہ کے داہنے کنارے کے ساتھ ساتھ باغات کا سلسلہ چلا جاتا تھا۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ یہ سلسلہ "دار کعبویہ" پر جو قنطرہ الرومین کے

جامع براثا

عین بالمقابل تھا ختم ہوتا۔ "کعیوب" باغبان بصرہ کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بصرہ سے کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے درخت اس جگہ لگائے۔ اُن سے نہایت عمدہ کھجوریں پیدا ہوتی تھیں ؂

قصبہ براثا کی شہرت ایک مسجد کی وجہ سے تھی۔ جس کی حضرات شیعہ نہایت حرمت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ۳۷ھ (۶۵۷ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے جب نہروں پر فوج کشی کی تو اس جگہ آکر ٹھہرے اور جہاں یہ مسجد واقع ہے نماز پڑھی۔ بغداد اس واقع کے ایک سو سال بعد تعمیر ہوا۔ لیکن براثا بغداد سے پہلے بھی ایک آباد گاؤں تھا۔ اس میں ایک حمام بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ حضرت علیؓ نے غسل فرمایا تھا۔ اس زمانہ سے براثا "ارض مقدس" خیال کی جاتی۔ اور حضرات شیعہ دور دور سے اس کی زیارت کو آتے۔ بعض تو اسی جگہ اقامت اختیار کرتے اور نہر کے کنارے جھونپڑیاں بنا کر رہتے۔ انہی میں سے ایک مرد اور عورت کا قصہ یاقوت نے لکھا ہے جو براثا میں عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ اور زہد و تقویٰ کے باعث مشہور تھے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد اس جگہ یہ مسجد تعمیر ہوئی۔ اس جگہ حضرات شیعہ کا اجتماع ہوتا اور وہ وہ رسمیں ادا ہوتیں جو سنیوں کی نظروں میں بدعت شنیعہ بلکہ شرک اور کفر کی حد تک پہنچتیں۔ چوتھی صدی ہجری کا (دسویں صدی عیسوی) تک تو یہی حال رہا لیکن خلیفہ مقتدر کے عہد خلافت میں سنیوں سے نہ رہا گیا۔ حضرت شیعہ پر جو اس جگہ جمع ہوتے بغاوت کا بھی شبہ تھا۔ جمعہ کے روز سپاہ شاہی نے مسجد مذکور کا محاصرہ کر لیا۔ اور سب کو اسیر کر کے زنداں میں لے گئے اور سخت سزائیں دیں۔ یہ شیعہ مسجد منہدم کی گئی اور زمین "المقبرۃ القدیمہ" میں شامل کی گئی ؂

حضرت شیعہ کے اخراج پر اس جگہ اہل سنت والجماعت آباد ہونے شروع ہوئے اور پچیس سال کے عرصہ میں اس جگہ اُن کی اچھی خاصی آبادی ہو گئی۔ خلیفہ رضی کے زمانہ میں امیر نے خلیفہ کے حکم سے مسجد کو از سر نو تعمیر کروا دیا۔ مگر اس مسجد میں صرف سنی ہی نماز پڑھا کرتے تھے ؂

یہ مسجد بہ نسبت پہلی مسجد کے بہت وسیع تھی۔ اس میں ملحقہ مکانات کی زمین بھی شامل کی گئی تھی۔ اور دیواریں پختہ اینٹوں کی تھیں۔ سقف مسجد میں ساگوان کے شہتیر تھے جو نقش و نگار سے آراستہ ہو رہے تھے۔ دروازہ پر خلیفہ رضی کا نام کندہ تھا۔ خلیفہ متقی نے اس کی تکمیل کی۔ اور حکم دیا کہ وہ ممبر جو خلیفہ ہارون الرشید نے مسجد مدینۃ المنصور میں رکھا تھا اور بالفعل بیکار تھا اس مسجد میں رکھا جائے۔ اور امام مسجد رصافہ کو اس جگہ مقرر کیا۔ اس سے فارغ ہو کر خلیفہ نے پہلے جمعہ کی نماز اسی جگہ ادا کی۔ خلیفہ محل سے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ برآور ہوا۔ مشرقی اور مغربی بغداد کے لوگ جوق جوق اس جگہ جمع ہوئے۔ تسبیح و تہلیل کا ہر طرف شور و غل تھا۔ مسجد میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ یہ واقعہ ماہ جمادی الاول ۳۲۹ھ / ۹۴۱ء کے دوسرے جمعہ کا ہے۔ اس تاریخ سے مسجد براثہ بغداد کی بڑی بڑی مسجدوں میں شمار ہونے لگی۔ اور خطیب کے زمانہ یعنی سنہ ۴۵۰ھ تک اسی حال پر رہی۔ مگر ایک دفعہ پھر منہدم ہوئی۔ اور بقول یاقوت سنہ ۶۲۳ھ میں کھنڈرات کا ڈھیر تھی۔ اگرچہ دیواروں کے کچھ آثار باقی تھے مگر وہ بھی معدوم ہوتے جاتے تھے۔ کیونکہ نئی عمارتوں میں اس کا مصالحہ لگایا جاتا ٭

معلوم ہوتا ہے کہ مسجد براثہ بغداد عظیم الشان مساجد میں شمار نہ ہوتی ہوگی۔ کیونکہ استخری جس نے ۳۴۰ھ / ۹۵۱ء میں بغداد کے حالات قلمبند کئے ہیں اس مسجد کا ذکر تک نہیں کرتا۔ حالانکہ خلیفہ متقی نے جب اس مسجد کی تکمیل کی ہے اس سے قریباً دس سال بعد کا ہی تذکرہ تھا۔ بقول استخری بغداد میں اس وقت صرف تین عظیم الشان جامع مسجدیں تھیں۔ ایک تو مدینۃ المنصور میں اور دوسری رصافہ میں اور تیسری مشرقی بغداد کے شاہی محل سے ملحق تھی۔ ابن حوقل ہی پہلا شخص ہے جس نے ۳۶۷ھ میں مسجد براثہ کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور علاوہ ان تین جامع مسجدوں کے جن کا ذکر استخری کرتا ہے اسے چوتھی جامع مسجد قرار دیتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مسجد براثہ چند روز کے واسطے جامع مسجد بن گئی ہو اور وہ بھی سُنّی اور شیعہ کے جھگڑوں کے باعث جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے ٭

شارع محول "المقبرۃ القدیمہ" کو چھوڑ کر اور براثہ سے گذر کر قصبہ محول میں داخل ہوتی۔ اس کے کناروں پر چمڑا رنگنے والوں کے مکانات تھے جنہیں "الدباغین" کہتے تھے۔ ان مکانات کا سلسلہ نہر عیسیٰ تک برابر چلا گیا تھا اس جگہ کشتیوں کے قیام کی جگہ تھی جن میں مختلف مقامات سے سوداگر مال و اسباب لاتے اور اس جگہ اتروانے اور بعدازاں یہ مال بغداد میں آتا۔ اسی واسطے اسے "محول" کہتے تھے۔ بقول یاقوت ساتویں صدی ہجری میں قصبہ محول بہت بارونق اور خوشنما جگہ تھی۔ بغداد سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اس میں مختلف قسم کی تجارتی منڈیاں تھیں۔ اس کے گرد باغات تھے جن میں نہایت عمدہ پھل پیدا ہوتے۔ بقول حمداللہ مستوفی اٹھویں صدی میں محول دارالخلافت سے دو کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور نہر عیسیٰ کے مغربی کنارہ پر واقع تھا۔ اس کے باغات مغربی بغداد کے باغوں سے ملے ہوئے تھے۔ اس جگہ خلفاء عباسیہ نے تفرج گاہیں بنوائی ہوئی تھیں۔ تیسری صدی میں خلیفہ معتصم نے ایک کشک بنوایا اور چونکہ بلند جگہ پر واقع تھا اس لئے مچھروں کا وہاں گذر نہ ہوتا۔ حالانکہ ان باغات کی وجہ سے اس جگہ بکثرت تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مچھروں کا کچھ خاص انتظام کیا گیا ہوگا کیونکہ اس کی نسبت حکایتیں مشہور ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ مچھر کشک میں اس لئے داخل نہیں ہوسکتے کہ یہ طلسمی عمارت ہے۔ یوں تو ہر ایک محل شاہی طلسم کا نمونہ تھا مگر یہ کشک جو معتصم نے بنوایا تھا بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ کسی شخص کو اندرونی حالات معلوم نہ تھے۔

چونکہ محول نام کے بہت سے گاؤں تھے اس لئے ایک امتیاز پیدا کرنے کے لئے اسے "المحول الکبیر" کہتے تھے۔ اگرچہ اب اس کے سب آثار معدوم ہوگئے ہیں لیکن ۷۰۰ھ یعنی مصنف مراصد کے زمانہ میں بلکہ ۷۴۰ھ تک یہ آباد جگہ تھی کیونکہ اسی زمانہ میں حمداللہ مستوفی اس جگہ آیا تھا۔

مغربی بغداد کے حالات ختم کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قبرستان کا بھی ذکر کریں جو دریا کے کنارہ پر واقع تھا۔ اللہ اللہ! اس جگہ کون شخص

لمبی تانے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اے سونے والو۔ اٹھو۔ اور دیکھو کہ آفتاب ایک نیزہ پر آگیا۔ اب بغداد وہ دار الخلافت نہیں جس کی عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں اور جس کے بازاروں میں ہر وقت ایک میلا لگا رہتا تھا۔ اب یہ ایک اُجڑا دیار ہے۔ دیکھو! کیونکہ تمہاری نظریں تیز تر ہیں۔ کیا یہ وہی بغداد ہے جس میں تم رہتے تھے۔ کیا تم نے اسے اسی حالت میں چھوڑا تھا افسوس!! تمہیں تو لوگ رحمت الٰہی خیال کرتے تھے۔ اور یقین کرتے تھے کہ تمہاری بدولت بغداد ہر ایک بلیات ارضی و سماوی سے مامون ہے۔ بیشک! اے نیک بندو اب بھی جو کچھ ہے تمہاری خاک کی طفیل ہے ورنہ بغداد تو اس قابل نہ رہا تھا کہ تمہارے جیسے برگزیدہ اشخاص کی مزار بھی وہاں ہوتے۔ اس قوم نے تمہارا راستہ چھوڑ دیا۔ تمہارے نقش قدم پر نہ چلے اُنھوں نے اپنی حالت کو بدل دیا گویا اللہ جل شانہ نے ان کی حالت کو بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔

انہی مقبروں میں سے جو کنار دریا پر واقع تھے اب بھی مقابر قریش کے آثار کاظمیہ میں ملتے ہیں۔ اس جگہ اُس مشہور و معروف قبیلہ کے آدمی مدفون تھے جنھوں نے اسلام کی اشاعت کی اور فتوحات کا سلسلہ عرب سے لے کر تمام دنیا میں ایک عرصہ تک جاری رکھا۔

مقبرہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کا دستور ہے کہ اپنے مردوں کو شہر کے قریب ہی دفن کرتے ہیں حریم طاہر کے پیچھے باب حرب باہر اس سڑک کے کنارے ایک قبرستان تھا جس میں امام احمد ابن حنبل رح کا مقبرہ تھا۔ اسے مقبرۃ الشہدا کہتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ یاقوت نے کچھ نہیں لکھی۔ امام صاحب کا نام احمد ابن محمد ابن حنبل رح تھا۔ آپ بغداد میں خلیفہ متوکل کے عہد میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی تھی۔ جس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے جنازہ کے ساتھ اس قدر مخلوق تھی کہ شمار نہ ہو سکتی تھی۔ مقدسی اسی مقبرہ کی نسبت "روضہ اقدس" لکھتا ہے۔ اور خطیب ۴۵۰ھ بیان کرتا ہے کہ اسی متبرک مقبرہ پر

خلائق کا اژدہام رہا کرتا ہے۔ اس مقبرہ کے نزدیک دو اور بزرگوں کے مزار تھے ان میں سے ایک میں بشر حافی[۱] رحمۃ اللہ علیہ مدفون تھے امام صاحب کے دوست تھے ۲۲۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ دوسرا مقبرہ منصور ابن عمرو کا تھا۔ آپ کا انتقال ۲۲۵ھ میں ہوا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ان ہر سہ بزرگوں اور حضرت معروف کرخیؒ کی طفیل بغداد بلیات ارضی و سماوی سے محفوظ ہے۔ حضرت معروفؒ کا مزار بیرون باب بصرہ تھا۔

امام احمد حنبلؒ کے مزار پر وہ لوگ جو بغداد میں بغرض سیر و سیاحت آتے ضرور حاضر ہوتے۔ چنانچہ ملک شاہ سلجوقی اور اس کا وزیر نظام الملک جب ۴۷۹ھ میں بغداد میں آئے تو اس مقبرہ کی بھی زیارت کی۔ دریا دجلہ میں تین دفعہ یعنی ۴۶۶ھ ۵۵۴ھ و ۶۱۴ھ میں سخت سیلاب آئے اور اس مقبرہ کو بھی نقصان پہنچا۔

۱؎ مولد مرو تھا۔ اقامت بغداد میں اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ اوائل عمر میں شوریدہ روزگار تھے ایک دن بحالت مستی بازار سے گذر رہے تھے ایک کاغذ پڑا پایا اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔ بازار سے عطر خرید کر کاغذ کو معطر کیا اور اچھی جگہ پر رکھا۔ ایک شخص نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے کہ بشر کو خبر کر دو کہ تو نے ہمارے نام کی عزت کی ہم تمہاری عزت کریں گے تم نے ہمارے اسم کو پاک کیا ہم نے تجھے پاک کیا کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد بشرؒ نے توبہ کی۔ اور زہد و تقویٰ پر کمر باندھی۔ امام احمد حنبل اکثر آپ کے پاس آتے شاگردوں نے پوچھا کہ آپ تو خود عالم ہیں اور احادیث و فقہ و اجتہاد میں نظیر نہیں رکھتے ہر گھڑی ایک شوریدہ حال کے پاس جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ بے شک ان تمام علوم میں بشرؒ سے بڑھا ہوا ہوں لیکن وہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کو بہتر جانتا ہے۔ یعنی اُسے علم معرفت مجھ سے زیادہ ہے جب کبھی بشرؒ کے پاس آتے کہتے حدثنی عن ربی۔ چونکہ ننگے پاؤں چلتے تھے اس لئے حافی مشہور ہو گئے۔ لوگ بازاروں میں کوڑا کرکٹ وغیرہ نہ ڈالتے کہ بشر حافیؒ ننگے پاؤں چلتے۔ ایک روز ایک ضعیفہ امام احمد حنبلؒ کے پاس آئی کہا کہ بام پر روئی کات رہی تھی۔ خلیفہ کی سواری اس طرف سے گذری۔ غلاموں کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں اس روشنائی میں روئی کاتی روا ہے یا نہیں۔ امام صاحب نے پوچھا کہ تو کون ہے کہا کہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن ہوں امام صاحب روئے اور کہا کہ اس قسم کا تقویٰ اسی خاندان کا حصہ ہے۔

مگر بہت جلد اس کی مرمت ہو گئی۔ یاقوت سنہ ۶۲۳ھ اور مصنف مراصد سنہ ۷۰۰ھ اور ابن خلکان اسی زمانہ میں امام صاحب اور اُن کے مزار کے متعلق مفصل حالات تحریر کرتے ہیں۔ ابن بطوطہ جو سنہ ۷۲۷ھ میں بغداد میں آیا اس مقبرہ کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ اس پر کئی ایک دفعہ گنبد بنوایا گیا مگر قدرت الٰہی سے خود بخود گر جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت اس پر کوئی گنبد نہیں۔ ہمارے خیال میں چونکہ امام صاحب اہل بغداد کے نزدیک بڑے معظم و مکرم ہیں اور اکثر اہل بغداد انہی کے مذہب پر حنبلی ہیں۔ قبر پر گنبد کا ہونا اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ لوگ بت پرست نہ بن جائیں اور غور کریں کہ ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی بزرگ ہو خدا تعالیٰ کے حضور کیسا عاجز ہے۔

بقول ابن بطوطہ امام ابو عبد اللہ احمد ابن حنبل کا مزار امام اعظمؒ کے مقبرہ کے قریب ہے۔ درحقیقت ابن بطوطہ ابن جبیر کی نقل کرتا ہے وہ بھی مقبرہ کا اسی جگہ پر واقع ہونا لکھتا ہے۔ سیاق عبارت سے پایا جاتا ہے کہ ابن جبیر کے نزدیک مقبرہ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر تھا۔ مگر ابن جبیر اور ابن بطوطہ دونوں انہی کے ساتھ دوسرے مقبروں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جو دجلہ کے مغربی کنارہ پر تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ غلطی بے ترتیبی کی وجہ سے ہے یا کاتب کا سہو ہے کہ عبد اللہ کی جگہ ابو عبد اللہ لکھ دیا کیونکہ عبد اللہ امام صاحب کے بیٹے کا مزار دجلہ کے مغربی کنارہ کے متصل امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قبہ کے بالمقابل تھا۔ ابن جبیر لکھتا ہے کہ محلہ امام ابو حنیفہؒ کے قریب حضرت امام احمد حنبلؒ کا مزار ہے اسی سمت شیخ ابو بکر شبلیؒ اور حسین بن منصور حلاجؒ کی قبریں ہیں حمد اللہ مستوفی سنہ ۷۴۰ھ میں اپنی کتاب گزیدہ میں کہ ان دونوں مقبروں کا تذکرہ امام احمد حنبلؒ کے مقبرہ کے ساتھ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ مقبرہ مغربی بغداد میں واقع تھا۔ ابن بطوطہ مغربی بغداد کی مقدس مزاروں کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ مقبرہ امام احمد حنبلؒ کے قریب بشر حافی کا مزار ہے اور اسی جگہ حضرت جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ کی قبریں ہیں حمد اللہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے مقبرہ سے بالا واقع ہے ؞

مقبرۃ الشہید کے شمال میں اور دریا کے کنارے کی طرف مقابر قریش تھے اِس کے مشرقی حصہ کو مقابر باب التبن کہتے تھے۔ اس کی بنیاد اول خلیفہ منصور نے رکھی پہلا شخص جو اس جگہ دفن ہوا اُس کا بیٹا جعفر اکبر تھا جس کا انتقال ١٥٠ھ (٧٦٧ء) میں ہوا۔ کچھ زمانہ گذرنے پر اسے "کاظمین" کہنے لگے اور آج تک اس کا یہی نام ہے اس میں دو امام مدفون ہیں جن کے متبرک مزار اسی قبرستان میں ہیں۔ انہی مزاروں کے قریب زبیدہ ہارون الرشید کی بی بی کی قبر ہے۔ اور سلاطین بویہ میں سے دو کے مزار ہیں ایک تو معز الدولہ کا جس کا انتقال ٣٥٦ھ میں ہوا دوسرا جلال الدولہ کا جو ٤٣٥ھ میں فوت ہوا۔

کاظمین میں امام موسیٰ اور امام محمد الجواد والتقی مدفون ہیں حضرات شیعہ کے دوازدہ اماموں میں سے اول الذکر ساتویں اور امام محمد التقی نانویں امام ہیں کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کو ہارون الرشید نے ١٨٣ھ میں شہید کیا اور امام محمد التقی کو خلیفہ معتصم کے عہد میں ٢١٩ھ میں زہر دیا گیا۔ بعض اقوال کے بموجب یہ مقبرے "شونیزیہ" میں ہیں جسے ہم نے مقابر قریش لکھا ہے۔ خطیب اس کی وجہ تسمیہ یہ لکھتا ہے کہ اس نام کے دو بھائی تھے چھوٹا بھائی شونیزی تو قریش میں دفن ہوا۔ اور بڑا بھائی شارع کوفہ کے قبرستان شونیزیہ میں۔

یہ بخوبی معلوم نہیں کہ کاظمین کو کس نے بنایا۔ لیکن یاقوت ٦٢٣ھ میں اس کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ ایک رباط ہے جس کی اپنی چار دیواری ہے اور بہت آباد ہے دریا دجلہ سے ایک ہزار گز کے فاصلہ پر اس کے مکانات ہیں۔ حمد اللہ جو یاقوت سے ایک سو سال بعد ہوا لکھتا ہے کہ کاظمین بجائے خود ایک قصبہ ہے اس کا دور چھ ہزار قدم ہے۔ مرکز میں دونوں اماموں کے مزار ہیں۔

ان مقبروں کی بھی عجیب و غریب تواریخ ہے۔ ابتدائی صدیوں میں شیعہ اور سنیوں کے باہمی عناد کی وجہ سے آپس میں خوب لڑائی جھگڑے رہتے شیعہ اکثر مغلوب ہو کر اسی جگہ پناہ ڈھونڈتے تھے۔ مقبروں پر جو کچھ آراستگی کے سامان شیعہ حضرات بصد نیاز

مہیا کرتے اُسے ایسے موقعوں پر سنیوں کی لوٹ گھسوٹ کی نذر ہو جاتے۔ خاندان بویہ طبعاً شیعہ تھا۔ اس خاندان نے ان مزاروں کو نہایت آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا۔ خلیفہ طائی (سنہ ۳۶۳-۸۱ھ) کاظمین کی مسجد میں جمعہ کے روز خود امام بنتا۔ سنہ ۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء میں مقبرے لٹ گئے اور جلائے گئے۔ لیکن پھر از سر نو تعمیر ہو گئی۔ کیونکہ سنہ ۴۷۹ھ ملک شاہ سلجوقی اور اُس کا وزیر نظام الملک جب اس جگہ آئے تو اس پر بربادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ سنہ ۵۸۰ھ میں ابن جبیر نے بھی ان مقبروں کی زیارت کی۔ سنہ ۶۲۲ھ یعنی خلیفہ ظاہر کے مختصر سے عہد میں ایک دفعہ پھر ان مقبروں کو آگ لگی اور دونوں گنبد گر گئے۔ خلیفہ نے پھر بنوا دئے۔ دوسرے سال خلیفہ کا انتقال ہو گیا اس لئے کام ادھورا رہ گیا مگر اُس کے جانشین خلیفہ مستنصر نے اس کی تکمیل کرا دی۔ سنہ ۶۵۶ھ یعنی مغلیہ محاصرہ کے وقت ہلاکو خان نے کاظمین کو خوب لوٹا اور مقبروں کو آگ لگا دی۔ لیکن بعد میں خود ہی بنوا دئے۔ سنہ [illegible]ھ میں مصنف مراصد لکھتا ہے کہ مسجد کاظمین دجلہ کے کنارے کے قریب نظر آتی ہے اگرچہ دو دفعہ دجلہ کی طغیانیوں نے اس کا اکثر حصہ خراب کر دیا ہے مگر پھر بھی مرمت ہوتی رہتی ہے۔

غالباً سب سے زیادہ بربادی سنہ ۴۴۳ھ میں ہوئی۔ اس موقع پر مورخین مقبرہ زبیدہ اور امین کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ انہی دونوں اماموں کے مزاروں کے قریب تھے۔ باب التحدید کے قریب ایک باغ میں امین کی قبر ہے جس میں اس بدقسمت کا جسم بے سر دفن ہے۔ کیونکہ سر خراسان میں مامون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس کی ماں زبیدہ بیع امین کے لڑکوں کے پہلے تو نظر بند رہی بعد ازاں بغداد میں آنے کی اجازت مل گئی۔ اور اسی جگہ مامون کی موت سے دو سال پیشتر سنہ ۲۱۶ھ انتقال ہو گیا۔ طبری زبیدہ کے انتقال کی تاریخ تو لکھتا ہے لیکن یہ بیان نہیں کرتا کہ کس جگہ دفن کی گئی۔ زبیدیہ جس میں زبیدہ کے خدام رہا کرتے تھے۔ کاظمین کی جانب تھا اس لئے اس کے سوائے اور کوئی جگہ اس کا مدفن ہو سکتا تھا۔

سنہ ۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء میں سنیوں اور شیعہ کا مغربی بغداد میں فساد ہوا۔ جھگڑا تو صرف کرخ

کے ایک دروازہ کے متعلق تھا۔ شیعہ تو یہ چاہتے تھے کہ اس پر حضرت علیؓ کی مدح میں
کچھ کندہ کریں اور سنی کہتے تھے کہ اس سے بت پرستی کی بو آتی ہے۔ اس فساد میں
سنیوں کا سرگروہ مارا گیا اور جب اُسے مقبرہ الشہدا میں امام حنبلؒ کے قرب میں
دفن کرنے لگے تو پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ سنیوں نے سیدھا کاظمین کا راستہ
لیا اس جگہ حضرات شیعہ جمع تھے۔ چند گھنٹوں کی دست بدست لڑائی کے بعد
شیعوں نے پیٹھ دکھائی۔ سنیوں نے مقبروں کو جی کھول کر لوٹا سونا چاندی اور
خوشنما قیمتی پردے غنیمت کا مال تھے۔ دوسرے دن مقبروں کو آگ لگا دی کہ مقبرہ
پرستی کا نشان ہی باقی نہ رہے۔ ساگوان کے گنبد جل اُٹھے۔ شعلے اس قدر بلند ہوئے
کہ قریب ہی آل بویہ کے مقبرے جن میں معز الدولہ اور جلال الدولہ مدفون تھے جل کر
خاک سیاہ ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر خلیفہ منصور کے بیٹے کی قبر تھی اُسے بھی
آگ لگ گئی۔ اس کے بعد شعلوں نے خلیفہ امین اور اُس کی والدہ زبیدہ کے
مقبروں کا راستہ لیا اس پر بھی عوام کالانعام کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی۔

ابن اثیر ان واقعات کو مفصل لکھتا ہے اور یہی پہلا شخص ہے جس نے زبیدہ
کے مزار کا تذکرہ کیا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بیان کو غلط خیال کیا جائے۔
اس لئے موجودہ مقبرہ زبیدہ معروف کرخیؒ کے مقبرہ کے قریب کاظمین کے جنوب میں
کوئی تین میل کے فاصلہ پر زبیدہ ہارون الرشید کی بی بی کا نہیں ہو سکتا۔

مقبرہ قریش کے مشرقی نصف حصہ میں عبداللہ ابن امام احمد حنبلؒ کا مزار ہے۔
آپ کا انتقال سنہ ۲۹۰ھ میں ہوا۔ ان میں بھی اپنے والد بزرگوار کے اوصاف حسنہ
موجود تھے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ باپ کے پاس دفن نہ کئے جائیں جس جگہ
جس جگہ آپ مدفون ہوئے کہتے ہیں کہ اس جگہ کسی نبی کا روضہ تھا اس لئے وصیت
کی کہ بہ نسبت امام کے نبی کے قرب میں رہنا بہت بہتر ہے یہ مقبرہ کاظمین اور
زبیدہ کے درمیان ہے۔

فصل ہفتم

مشرقی بغداد

خلافت عباسیہ پانچ سو برس تک رہی سنہ ۱۴۵-۴۶ھ (۷۶۲-۶۳ء) میں خلیفہ منصور نے بغداد کا بنیادی پتھر دجلہ کے مغربی کنارہ پر رکھا۔ منصور اور مہدی اور ہادی کے عہد خلافت میں پایۂ تخت اسی مغربی بغداد میں تھا اگرچہ مؤخر الذکر خلفا کبھی کبھی اُن محلات میں جو مشرقی کنارہ پر تعمیر کروائے تھے چند روزہ رہائش رکھتے۔ ہارون اور امین کے عہد میں پایۂ خلافت مشرقی بغداد میں تھا اگرچہ امین نے پناہ مغربی بغداد ہی میں لی۔ اور اسی جگہ طاہر نے اُس کا محاصرہ کیا۔ ایک برس کے محاصرہ کے بعد ۲۵ محرم سنہ ۱۹۰ھ میں امین طاہر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ اس وقت تک مامون خراسان میں تھا۔ ماہ صفر سنہ ۲۰۴ھ میں وہ بغداد میں داخل ہوا۔ گویا چھ برس تک پایۂ خلافت خراسان میں رہا۔ اس کے بعد مشرقی بغداد میں منتقل ہوا۔ مامون کے بعد اُس کا بھائی معتصم سنہ ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں تخت نشین ہوا۔ معتصم علم سے بے بہرہ تھا اور اسی لیے ہارون الرشید نے اسے اپنی وصیت کی رُو سے سلطنت میں کچھ حصہ نہیں دیا مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ امین تو قتل ہوا اور مامون نے اپنے بھائی کو خود ہی انتخاب کیا۔ معتصم نہایت قوی ہیکل تھا۔ اُس نے فوج کو نہایت تقویت دی۔ اس سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ ترکی غلام اپنے "بوڈی گارڈ" اور فوج میں بھرتی کئے۔ قریباً ۱۰ ہزار غلام تھے جو حکومتوں اور خدمتوں پر مامور تھے۔ بہت سے غلام "سمرقند" و "فرغانہ" سے منگوائے تمام خلعت شاہانہ اور سونے کی پیٹیاں باندھے بازاروں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔

اور لوگوں کو آزار دیتے تھے۔ اہل شہر تنگ آ گئے اور دھمکی دی کہ اگر خلیفہ لشکر کو لیکر
یہاں سے نہ نکل جائیگا تو ہم بزور شمشیر نکال دینگے۔ ۲۲۰ھ ۸۳۵ء میں معتصم نے شہر
ناطول کے پاس شہر "سر من رائے" آباد کیا جو مختصر ہو کر سامرہ مشہور ہوا۔ بغداد کی جگہ
سامرہ پایہ خلافت قرار پایا۔ واثق۔ متوکل۔ منتصر۔ مستعین۔ معتز۔ مہتدی۔ المعتمد
کے عہد خلافت یعنی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء تک سامرہ دار الخلافت تھا۔ بغداد میں خلفا کے
نائب گورنر حکومت کرتے تھے۔

جو رونق مشرقی بغداد کو خلافت عباسیہ میں حاصل ہوئی مغربی بغداد کو کبھی
نصیب نہیں ہوئی۔ مہدی کے عہد خلافت سے آخری ایام تک بغداد نے وہ حیرت انگیز
ترقی کی کہ ہر ایک زمانہ میں اپنا آپ نظیر تھا۔ خلفا کا تو کیا ذکر ہے خاندان دیالمہ سلجوقی
سہل و طاہر و برامکہ وغیرہ نے ایسے عالیشان قصر تعمیر کروائے کہ ہر ایک کی طیاری
میں اتنا روپیہ خرچ ہوا کہ مدینۃ المنصور کے کل مصارف تعمیر سے بڑھ گیا۔ آبادی کا
یہ حال تھا کہ صرف مشرقی بغداد کی آبادی ایک وقت دس لاکھ کے قریب تھی۔ ایک
زمانہ میں تیس ہزار مسجدیں۔ دس ہزار حمام اور آٹھ سو ساٹھ مطب تھے۔ باوجود اس
وسعت کے ایسا خوشنما شہر تھا کہ لندن اور پیرس میں وہ بات نہیں۔ دریا دجلہ
کے صرف اتنے حصہ پر جو مغربی اور مشرقی بغداد کے درمیان تھا تیس ہزار کشتیاں
تھیں۔ چاندنی راتوں میں جبکہ ماہتاب آب دجلہ میں لہریں لیتا تھا اس جگہ
کشتیوں میں عیش و عشرت کے وہ سامان مہیا تھے جو کبھی دریا "ٹیمز" اور "سین"
کو حاصل نہیں ہوئے۔

خلیفہ منصور کے عہد سے ایک سو سال تک مشرقی بغداد کو وہ رونق جس کا ہم
چند لفظوں میں ذکر کر آئے ہیں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس عرصہ کے بعد
حیرت انگیز ترقی ہوتی گئی۔ اس وقت تک مشرقی بغداد کے صرف تین محلے تھے۔
اور تینوں دریا کے کنارہ پر تھے۔ انہیں رصافہ۔ شماسیہ۔ مخرم کہتے تھے۔ مشرقی
بغداد اس وقت نصف دائرہ کی صورت میں تھا۔ دریا دجلہ کے ایک پل پر سے

ایک سڑک مغربی بغداد سے آتی اور مشرقی کنارہ پہ پہنچ کر اس کی دو شاخیں ہو جاتیں ایک شاخ شمال اور دوسری مشرق کو جاتی۔ اور اس نصف دائرہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتی۔ شمالی شاخ شہر کے حدود کو باب شماسیہ پر چھوڑ کر موصل کی طرف اور مشرقی شاخ یعنی شارع خراسان باب خراسان[۱] سے نکل کر فارس کی طرف جاتی۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ درحقیقت مشرقی بغداد کی بنیاد بھی خلیفہ منصور ہی نے رکھی تھی۔ جس وقت شہزادہ مہدی خراسان سے فوج کے ساتھ واپس آیا تو خلیفہ نے اپنی جگہ رصافہ میں اُسے اور فوج کو رہایش کے لئے زمین عطا کی۔ اگرچہ رصافہ پرانا نام تھا مگر اس وقت اُسے عسکر المہدی بھی کہتے تھے۔ مہدی نے اِس جگہ ایک قصر تعمیر کیا اسی قصر کے گرد مشرقی بغداد کی آبادی پھیلتی گئی۔ یہ قصر دریا دجلہ کے کنارہ جسر کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ رصافہ مثلث نما تھا۔ دجلہ کا کنارہ اس کے دو اضلاع اور قاعدہ وہ سڑک تھی جو موصل کی طرف جاتی تھی۔ اور رصافہ کو شماسیہ سے جدا کرتی تھی۔ شماسیہ بھی مثلث نما تھا۔ ایک طرف تو یہی سڑک اور دوسری جانب شارع باب خراسان اور تیسری سمت شہر کی دیوار تھی جو باب خراسان سے شروع ہو کر باب شماسیہ سے گذر کر دریا کے کنارے کنارے چلی گئی تھی۔ ان دونوں دروازوں کے درمیان ایک اور دروازہ باب بردان تھا۔ مخرم شماسیہ کے جنوب میں تھا۔ ان دونوں کے درمیان شارع خراسان تھی۔ اس کے مغرب میں دریا دجلہ اور تیسری طرف شہر پناہ کا وہ حصہ تھا جو باب خراسان اور "باب سوق الثلثا" کے درمیان تھا۔ ان دونوں میں "باب البرزی" بھی تھا۔

دریا دجلہ پر "باب سوق الثلثا" کے نیچے "قصر فردوس" "حسنی" اور "تاج" تھے۔ یہ تین قصر تین محلوں میں واقع تھے۔ ان کی آبادی رفتہ رفتہ اس قدر بڑھتی گئی کہ بجائے خود شہر بن گئے۔ اس کے گرد شہر پناہ بھی بن گئی جو موجودہ زمانہ میں موجودہ شہر بغداد کی دیواریں۔ مخرم۔ شماسیہ اور رصافہ باب البرزی اور باب سوق الثلثا اسی دیوار کے اندر آ گئے تھے۔

---

[۱] یاد رہے کہ باب خراسان سے مراد اس جگہ مدینۃ المنصور نہیں ہے بلکہ یہ مشرقی بغداد کا دروازہ ہے۔

سنہ ۲۴۸ھ/۸۶۲ء میں جبکہ "سامرہ" پایہ خلافت تھا خلیفہ مستعین اور اس کے "باڈی گارڈ" میں سخت بگاڑ ہوگیا۔ خلیفہ بھاگ کر بغداد میں آگیا۔ "باڈی گارڈ" نے "معتز باللہ" کو سامرہ میں خلیفہ بنادیا۔ گویا اس وقت دو شخص خلیفہ تھے۔ ایک سامرہ اور دوسرا بغداد میں۔ مستعین کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ دو عملی کبھی قائم نہیں رہ سکتی اور ایک نہ ایک دن تلوار فیصلہ کردیگی کہ دونوں میں سے کون مالک تخت و تاج ہے۔ اس لئے اس نے بغداد کے مختلف مقامات کو خوب مضبوط بنادیا اور سب سے بڑھ کر اس نے یہ کام کیا کہ ایک دیوار جو مغربی اور مشرقی بغداد کی حفاظت کے لئے کھینچ دی۔ اس کام کے لئے اُسے ایک سال کا عرصہ مل گیا اور جہاں تک اُس سے ہوسکا اُسنے مقابلہ کی تیاری کی۔ اس دیوار کی حدود کی نسبت مورخین نے مفصل کیفیت لکھی ہے۔ مگر افسوس کہ یہ تفصیل بھی ناممکل ہے کیونکہ یہ حدود صرف مغربی بغداد کے ظاہر کئے گئے ہیں مشرقی بغداد کے متعلق کچھ نہیں لکھا صرف اشارتًا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دیوار یا اس دیوار کی شمالی انتہا دجلہ کا کنارہ پر خندق سے کچھ اوپر زبیدیہ پر تھی۔ اس جگہ سے شروع ہوکر قصر حمید کے قریب آتی یہاں تک اس کی صورت نصف دائرہ کی تھی۔ غالبًا ان دونوں مقاموں کے درمیان یہ دیوار اول تو خندق طاہر اور پھر باب محول کے گرد ہوکر نہر عیسی کے بائیں کنارہ پر آتی۔ محاصرہ کے واقعات سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ مشرقی بغداد کی دیوار اس سے مل کر پورا دائرہ بناتی تھی۔ یہ دیوار قصر حمید سے شروع ہوکر "باب سوق الثلاثا" کے سامنے گذرتی اور پھر اس کے جنوب مشرق میں "باب ابرزن" پر آکر شمال اور مغرب کو جاتی۔ یہاں تک اس دیوار کے اندر باب خراسان اور باب بردان تھے۔ اس دیوار کے نصف دائرہ کی شمالی انتہا دریا دجلہ پر باب شماسیہ پر تھی اس جگہ سے دیوار مغرب کو جاتی۔ غرض دیوار کے دائرہ میں دجلہ کے تینوں پل آجاتے۔

ایک سال بعد باغی فوج نے بغداد پر چڑھائی کی۔ خلیفہ رصافہ میں محصور ہوا۔ محاصرہ کئی ماہ تک رہا۔ آخر خلیفہ معزول ہوکر قتل کیا گیا۔

اگرچہ یعقوبی نے جس طرح مغربی بغداد کے حالات مفصل بیان کئے ہیں مشرقی بغداد

کا اس طرح تذکرہ نہیں کرتا۔ مگر اس کی نسبت دیگر مورخین نے جو کچھ تحریر کیا ہے اُسے ہم ذیل میں لکھتے ہیں *

یعقوبی صرف مشرقی بغداد کے مختلف "قطیعہ" کا تذکرہ کرتا ہے لیکن اُس کی تحریر سے واضح نہیں ہوتا کہ فلاں قطیعہ کہاں واقع تھا۔ علاوہ ازیں یعقوبی ان سڑکوں کی مختصر فہرست بھی لکھتا ہے جو دیوار مستعین سے بغداد کے تینوں شمالی محلوں سے آتی ہوئی گذرتیں۔ یہ دیوار یعقوبی سے ایک سو سال پیشتر بنی۔ اس سے پانچ سڑکیں گذرتی۔ شارع خراسان ان میں شامل نہ تھی۔ یہی سڑکیں ہیں جن کی وجہ سے مشرقی بغداد کی عمارات اور دیگر حالات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے دونوں رصافہ میں سے گذرتی تھیں۔ ان میں سے ایک "شارع مستقیم" قصر مہدی کو اور "شارع سوق خضریہ" جسر اول کو جاتی۔ اس کے بعد شمال کی طرف سے ایک سڑک باب شماسیہ کو آتی پھر شارع باب بردان تھی۔ پانچویں شارع باب خراسان کے جنوب میں جسر اول سے آتی ہوئی محلہ مخرم کو جاتی *

بغداد کے مقامات معلوم کرنے کے لیئے جس طرح سڑکوں کا علم ہونا ضروری ہے ویسا ہی نہروں کا بھی ہے۔ مشرقی بغداد میں تمام نہریں نہرواں کی شاخیں تھیں جو دجلہ کے مشرقی کنارہ سے بغداد سے کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر مقام "قاطول کسریٰ" سے نکلتی۔ یہ نہر دو سو میل کی مسافت طے کرکے بغداد سے ایک سو میل کے فاصلہ پر پھر دجلہ ہی میں گرتی *

شارع خراسان نہر نہروان پر سے قصبہ نہروان کے قریب گذرکر جانب مشرق فارس کو جاتی۔ نہروان سے دو اور شاخیں "نہر خالص" اور "نہر بین"، مشرقی بغداد کی تمام نہریں اسی نہر خالص اور نہر بین کے درمیان تھیں۔ نہر خالص بمقام رشیدیہ قصبہ بردان کے اوپر جو بغداد سے تین کوس کے فاصلہ پر شمال میں تھا دجلہ میں گرتی۔ نہر بین نہروان سے قصبہ نہروان سے کچھ فاصلہ پر نکلتی اور قصبہ "کلواذیٰ" پر جو بغداد کے جنوب میں دو کوس کے فاصلہ پر تھا دجلہ میں گرتی۔ ظاہر ہے کہ مشرقی بغداد کے شمالی محلوں میں نہر خالص

اور جنوبی محلوں میں نہریں اور اس کی شاخیں تھیں ٭

نہر خالص سے ایک شاخ نہر فضل جنوب کو جاتی اور باب شماسیہ کے قریب دجلہ میں گرتی۔ لیکن اس جگہ پہنچنے سے پیشتر اس میں سے دو اور نہریں نکل کر رصافہ اور شماسیہ کو پانی دیتی۔ ان میں سے ایک کو "نہر دور" کہتے تھے۔ یہ نہر شہر پناہ کے گرد باب شماسیہ اور باب بردان سے گذر کر باب خراسان کو جاتی۔ اس جگہ اس سے دوسری نہر جسے نہر مہدی کہتے تھے آملتی۔ اس کے بعد ان میں نہر جعفریہ جو نہر فضل کی شاخ تھی ملتی۔ نہر جعفریہ نہر دور اور مہدی سے مل کر پھر نہر فضل میں گرتی ٭

محلہ مخرم اور مشرقی بغداد کے جنوبی محلوں میں نہر موسیٰ اور اس کی شاخوں سے پانی آتا تھا۔ نہر موسیٰ نہر بین کی شاخ تھی۔ مشرقی بغداد کی شہر پناہ سے کچھ فاصلہ پر نہر بین کے داہنی کنارہ خلیفہ معتضد کا محل تھا۔ اس کا نام "قصر ثریا" تھا۔ نہر موسیٰ نہر بین سے مغرب میں قصر ثریا کے اوپر بہتی اور اس قصر کے باغات کو سیراب کرتی ہوئی مقام تقسیم پر تین شاخوں میں تقسیم ہوتی ٭

ان تینوں نہروں میں سے بڑی نہر موسیٰ تھی۔ یہ اور اس کی کئی ایک شاخیں مخرم سے گذرتیں۔ نہر موسیٰ مخرم سے گذر کر باغات طاہر کے قریب دجلہ میں گرتی۔ دوسری "نہر معلیٰ" تھی جو براہ باب ابرز شہر میں داخل ہوتی۔ اور باب سوق الثلثا سے نکل کر فردوس کے قریب دجلہ میں گرتی۔ تیسری نہر قصور تھی۔ قصر حسنی اور تاج کے متعلقہ باغات کو سیراب کرتی اور دجلہ میں قصر تاج کے قریب گرتی ٭

مشرقی بغداد کے محلوں کے تذکرہ سے پیشتر ہم ان پلوں کا ذکر کرتے ہیں جو دجلہ پر شرقی اور مغربی بغداد میں آمد و رفت کا ذریعہ تھے ٭

ان پلوں کی نسبت یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو کشتیوں کے پل تھے۔ انہیں "جسر" کہتے۔ دریائے دجلہ پر یہی پل تھے۔ دوسرے پختہ اینٹوں کے تھے اسے "قنطرہ" کہتے یہ عموماً نہروں پر تھے ٭

دجلہ پر اس زمانہ میں تین کشتیوں کے پل تھے۔ ابتدا میں جسر وسطی پر سے

شارع خراسان آتی۔ اس پل کے منتہائے مغرب میں قصر خلد تھا اور مشرق میں ایک عالیشان محراب تھی۔ اسے "باب الطاق" کہتے تھے۔ شارع باب شام حربیہ سے گذر کر جسر اعلیٰ پر سے شماسیہ میں آتی۔ اس کے مشرقی کنارہ پر "باب الجسر" تھا۔ اس کا تذکرہ بغداد کے اول و دویم محاصرہ میں اکثر کیا جاتا ہے۔

بغداد کے دوسرے محاصرہ کے وقت اس پل میں بیس کشتیاں تھیں۔ دشمن نے آگ لگا کر پل توڑ دیا۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں آل بویہ نے اسی پل کے قریب قدیم شماسیہ تعمیر کروایا۔ بقول یعقوبی تیسرے پل کو "جسر اول" کہتے تھے۔ خطیب لکھتا ہے کہ خلیفہ منصور نے قصر خلد کی تعمیر کے ساتھ ۱۵۷ھ (۷۷۴ء) میں بنوایا تھا۔ جسر اول باب شعیر کے قریب تھا۔ مغربی کنارہ پر محلہ قسطر بیں اس کی حد تھی۔ اس سے وہ سڑک گذرتی جو محراب بصرانی سے آتی۔

ان تین پلوں کے علاوہ ایک اور بھی پل تھا جسے امین نے بنوایا تھا۔ یہ پل جسر الاول کے نیچے بہت فاصلہ پر تھا۔ اسے "زندورد" کہتے تھے۔ غالباً اس پل کا راستہ اُس قصر کی طرف ہوگا جو امین نے "دیر زندورد" کے قریب بنوایا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بعد میں مشرقی بغداد کا "باب کلواذی" تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے جانشین مامون الرشید کے زمانہ میں عام بغاوتیں اور سازشیں ہوئیں۔ لیکن خلفا کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گئیں۔ باغی گرفتار ہو کر قتل کیے جاتے اور یہی پل اُن کا مقتل تھا۔ اسی جگہ اُن کے لاش اور سر لٹکائے جاتے کہ اہل بغداد کو عبرت ہو۔

تاریخ بغداد میں ان بغاوتوں کے تذکروں میں ان پلوں کا بھی بیان ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں جب خاندان برامکہ تباہ ہوا تو جعفر برمکی کو خلیفہ نے قتل کر کے اس کے جسم کے تین حصے کر کے ان تینوں پلوں پر آویزاں کئے تھے۔ خاندان برامکہ کی تباہی بادشاہوں کی متلون مزاجی کی دردانگیز داستان ہے۔ اس زمانہ کے مشہور شاعر ابو نواس نے اس عبرت انگیز نظارہ کو ان شعروں میں بیان کیا ہے:

یا ایہا المغترب الدھر	والدھر ذو صرف و ذو غدر
اے زمانہ پر دھوکہ کھانے والے	یہ ذرا میں پھر جاتا ہے اور دھوکہ دے جاتا ہے
لا تامن الدھر و صولاتہ	وکن من الدھر علے حذر
اس کے اور اس کے حملوں سے	ہمیشہ بچتے رہنا
ان کنت ذا جھل بتصریفہ	فانظر الی المصلوب بالجسر
اگر تو اس کے الٹ پھیر سے واقف نہیں	تو اُسکے حال سے عبرت پکڑ جس کو پل پر سولی دیگئی ہے

جعفر ۲۶ برس ۷ ابرس وزارت کر کے ماہ محرم ۱۸۷ھ ۸۰۲ء میں بمقام عمر میں خلیفہ ہارون الرشید کے حکم سے قتل کیا گیا۔ لاش بغداد میں بھیجی گئی۔ سر جسر اوسط اور جسم کے دو حصے باقی دونوں پلوں پر آویزاں کئے گئے کہ لوگ زمانہ کے انقلاب پر غور کریں۔ ۲۸۱ھ ۸۹۴ء یعنی معتضد کے عہد میں شیبلہ قتل کیا گیا اُس کی لاش کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ اور دو پلوں پر لٹکائے گئے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ اسی سال ان پلوں پر کئی باغیوں کے سر لٹکائے گئے۔ ۲۸۲ھ ۸۹۵ء میں ایک پل پر اس قدر مخلوقات کا ہجوم تھا کہ بوجھ سے ٹوٹ گیا اور ایک ہزار سے زیادہ آدمی دریا میں غرق ہو گئے۔ ۲۸۹ھ ۹۰۲ء میں خلیفہ معتضد نے ایک اور باغی کو اس جگہ قتل کروایا۔ ۲۸۹ھ میں واصف خواجہ سرا نے بغاوت کی ۲۸۷ھ میں گرفتار ہوا اور بغداد میں لایا گیا۔ مگر قیدخانہ ہی میں مر گیا خلیفہ معتضد نے اُس کی لاش کو خوشبوئی اور اور مصالح لگوا کر ایک پل پر آویزاں کر دیا۔ دس سال سے زیادہ عرصہ تک یہ لاش اسی طرح لٹکتی رہی آخر بغداد میں ایک دفعہ بغاوت ہوئی اور یہ لاش بھی اتروا کر پانی میں بہادی گئی۔ اس کے جگہ اور لاشیں آویزاں ہو گئیں ؛

یہ تینوں پل چوتھی صدی ہجری کے وسط تک جبکہ خاندان بویہ کا طوطی بغداد میں بول رہا تھا موجود تھے۔ مگر اس عرصہ کے بعد جسر اعلیٰ کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ اصطخری ۳۴۰ھ اور ابن حوقل ۳۶۷ھ میں صرف دو پلوں کا ذکر کرتے ہیں خطیب اس پل کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ پل جو معز الدولہ بویہ کے "میدان" کے قریب تھا جسر اوسط

کو مضبوط بنانے کے لئے توڑ دیا گیا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ رصافہ کی ویرانی پر یہ پل جو حربیہ اور شماسیہ میں آمد و رفت کا راستہ تھا قدرتاً بیکار ہو گیا ہوگا۔ اور اس لئے بے فائدہ سمجھ کر جسر اوسط کے ساتھ ملا دیا گیا ہوگا۔ غرض سنہ ۴۵۰ھ یعنی خطیب کے زمانہ میں صرف دو ہی پل تھے۔ ان میں سے ایک جسر اوسط اور دوسرا جسر الاول تھا۔ موخرالذکر سنہ ۴۴۸ھ / ۱۰۵۶ء میں مشرعۃ الحطابین (واقع مشرقی بغداد) اور مشرعۃ الرویہ (واقع مغربی بغداد) کے درمیان تھا۔ خطیب یہ بھی لکھتا ہے کہ سنہ ۳۸۳ھ کے بعد جسر اول بیکار ہو گیا تھا۔ سنہ ۴۴۸ھ تک صرف جسر اوسط ہی کار آمد تھا۔ خطیب کے بیان کی تائید اُن واقعات سے بھی ہوتی ہے جو سنہ ۴۴۲ھ میں سُنّی اور شیعہ کے فساد کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں۔ خلیفہ قائم کا عہد تھا۔ اس وقت کرخ میں زیادہ تر شیعوں اور مشرقی بغداد میں سُنّیوں کی آبادی تھی۔ فریقین میں حسب معمول فساد برپا ہوا۔ خلیفہ کے حکم سے اس پل کو توڑ دیا گیا تاکہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی اور مغربی بغداد میں اس پل کے سوائے اس وقت کوئی اور راستہ آمد و رفت کا نہ تھا۔

خطیب نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں بغداد کے حالات لکھے ہیں۔ اس صدی کے آخری سالوں میں بغداد پر بہت کچھ تغیر و تبدل ہوا جس کا ذکر ہم آیندہ فصلوں میں کرینگے۔ ان تاریخی واقعات نے بغداد کو موجودہ صورت میں کر دیا۔ پرانے تین محلے رصافہ، شماسیہ اور مخرم اور شہر پناہ تو خاک میں مل گئی تھی خلیفہ مقتدی کے عہد میں قصر شاہی کے گرد نئے مکانات اور نئی آبادی شروع ہو گئی تھی۔ اور سنہ ۴۸۸ھ / ۱۰۹۵ء میں خلیفہ مستظہر نے اس نئی آبادی کے گرد ایک دیوار کھینچ دی تھی۔ یہی دیوار موجودہ بغداد کی شہر پناہ ہے۔ تینوں پل جو پرانے تینوں محلوں میں آمد و رفت کا راستہ تھے۔ ان کی تباہی پر وہ بھی بیکار ہو گئے تھے۔ اور غالباً پانچویں صدی کے اختتام پر ان میں سے صرف ایک ہی پل خلیفہ کے محلات کے قریب رہ گیا تھا۔ اور غالباً یہ پل مذکورہ بالا پرانے تین پلوں میں سے نہ تھا۔ خلفا نے نیا بنوایا ہوگا۔ ساتویں صدی میں یاقوت جو کچھ اس کی نسبت لکھتا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ

موجودہ زمانہ کا پل جس جگہ ہے یہ بھی اسی جگہ تھا۔

سنہ ۵۶۸ھ/۱۱۷۳ء میں ایک مورخ لکھتا ہے کہ مشرقی اور مغربی بغداد میں آمد و رفت کا ذریعہ ایک ہی پل ہے۔ کشتیاں لوہے کے زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہیں۔ اور اُن پر بڑے بڑے شہتیر اور اُن پر سڑک بنائی ہوئی ہے۔ سنہ ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں ابن جبیر بغداد میں آیا تو یہ پل طغیانی کی وجہ سے ٹوٹ چکا تھا۔ اور لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر ادھر اُدھر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن جبیر اپنے قافلہ کی نسبت جو محلہ قرافہ کے پڑاؤ میں اسی پل کے قریب ٹھہرا ہوا تھا لکھ کر بیان کرتا ہے کہ اس پڑاؤ کا نام مربع ہے۔ پل بوجہ طغیانی دجلہ ٹوٹ گیا ہے عوام الناس کشتیوں میں بیٹھ کر دجلہ کو عبور کرتے ہیں۔ رات دن بے شمار کشتیاں سطح آب پر تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔" اس کے بعد ابن جبیر غالباً چھٹی صدی کے شروع ایام کی طرف اشارہ کرکے لکھتا ہے کہ "لوگوں کی آمد و رفت کا ذریعہ دو پل تھے۔ ایک تو خلیفہ کے محل کے پاس اور دوسرا کسی قدر اوپر تھا لیکن چونکہ طغیانی کی وجہ سے پل ٹوٹ گیا تھا اس لئے پھر لکھتا ہے کہ "آج کل ان کشتیوں کی کثرت سے بڑی رونق رہتی ہے اور کسی وقت اُن کی آمد و رفت بند نہیں ہوتی۔"

جن دو پلوں کا اشارہ ابن جبیر نے کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک وہی جسر وسطی تھا جو عضد الدولہ کے شفاخانہ کے بالمقابل تھا۔ مگر باوجود ان پلوں کے نہ ہونے کے بھی پھر بھی لوگ اس کثرت سے آیا جایا کرتے تھے کہ دریائے دجلہ پر کرایہ کی کشتیاں رات دن چلا کرتی تھیں۔ درحقیقت کشتی میں دریا کو عبور کرنا لوگ تفریح بھی خیال کرتے تھے۔ خطیب لکھتا ہے کہ اس سے ملاحوں کو بہت فائدہ تھا۔ جس زمانہ میں خلیفہ معتمد کا بھائی موفق بغداد کا گورنر تھا اس وقت دجلہ پر تیس ہزار کشتیاں تھیں۔ انہیں "سمیریہ" کہتے تھے۔ محصول روزانہ فی کشتی تین درہم تھے۔ اس طرح روزانہ محصول نوّے ہزار درہم وصول ہوتے تھے۔

یاقوت اور ابن جبیر کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اس پل کی جو خلیفہ

کے قصر کے پاس تھا مغربی انتہا قصر عیسیٰ ہوگی۔ یہ قصر نہر عیسیٰ کے دہانہ پر تھا۔ کرخیہ کی نسبت بھی ابن جبیر لکھتا ہے کہ اس پل سے کچھ بہت فاصلہ پر نہ تھا۔ بقول فخری خلیفہ طاہر نے اس کی ازسر نو تعمیر یا مرمت کی تھی۔ اور شعراء دربار نے مدحیہ اور تاریخی قصیدے لکھے تھے۔ غالباً یہ پل پانچویں صدی کے اختتام کے قریب بنا ہوگا۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ بلاذری (تیسری صدی ہجری کے وسط میں) ابتدائی فتوحات اسلام کے تذکرہ فتوح البلدان میں کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عربی سپاہی اس جگہ سے جہاں آج کل قصر عیسیٰ ہے دجلہ کو ایک کشتیوں کے پل کے ذریعہ عبور کر گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ عربوں نے دجلہ کو عبور کرنے کے لئے عارضی پل باندھا ہوگا۔ یا ایرانیوں نے کوئی پل بنوایا ہوگا جو اُن کے کام آیا۔

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء یعنی مغلیہ ترکتازی سے پیشتر یہ پل ٹوٹ چکا تھا۔ کیونکہ خلیفہ مستعصم نے مغربی بغداد کو خالی کر دیا تھا اور مشرقی بغداد میں محصور تھا۔ ہلاکو خاں کی فوج مغربی حصہ میں تھی۔ شہر کی بربادی کے بعد یہ پل پھر باندھا گیا تھا۔ اور غالباً ایک اور پل بھی بنایا انہی میں سے ایک کی مرمت کر دی گئی ہوگی۔ کیونکہ جس وقت ابن بطوطہ بغداد میں آیا ابن جبیر کے بیان کے مطابق اس جگہ دو پل تھے۔ ان کی نسبت ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ حلہ" کے پل کی طرح ہیں جس کی بابت وہ لکھتا ہے کہ کشتیوں کا بڑا پل ہے۔ کشتیاں لوہے کے زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہیں اور کناروں پر بڑے بڑے شہتیر ہیں جن سے یہ زنجیر اور اُن سے کشتیاں بندھی ہیں۔ موجودہ پل دریا کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک ایک جگہ ۶۷۰ اور دوسری جگہ ۸۷۱ فٹ ہے اور اُس میں ۳۵ کشتیاں ہیں۔

رصافہ

رصافہ کی ابتدائی تواریخ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ سنہ ۱۴۳ھ ۷۶۰ء میں مہدی نے اس جگہ تعمیر شروع کی۔ لیکن سنہ ۱۴۳ھ میں تو مدینۃ المنصور علمی ظہور میں بھی نہ آیا تھا۔ اس لئے بلاشبہ یہ تاریخ غلط ہے۔ ماہ شوال سنہ ۱۵۱ھ ۷۶۸ء مسلم الثبوت تاریخ ہے۔ فتحمند مہدی خراسان سے واپس آرہا تھا۔ اور خلیفہ منصور بمع امرا و وزرا کے اپنے بیٹے کے استقبال کے لئے مدینۃ المنصور سے باہر آیا۔ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر مدینۃ المنصور کے بالمقابل مہدی کو زمین عطا ہوئی۔ اور اس جگہ مہدی کے واسطے ایک قصر بنوا دیا۔ یہی رصافہ کی زمین تھی۔

یعقوبی کی غلطی کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ سنہ ۱۴۳ھ میں "جامع رصافہ" کی بنیاد پڑی۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ مہدی نے تعمیر شروع کی۔ قصر مہدی اور دیگر مکانات کی تعمیر سنہ ۱۵۱ھ میں شروع ہوئی۔

خلفائے عباسیہ میں خلیفہ منصور نہایت مدبّر اور اعلےٰ درجہ کا مدبر تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ تھا۔ طبری لکھتا ہے کہ ولی عہد سلطنت کو رصافہ کی زمین اس لئے عطا ہوئی کہ اس جگہ عجمی آبادی ہو۔ مہدی کے ماتحت ایرانی فوج تھی اور مدینۃ المنصور میں عربی۔ خلیفہ چاہتا تھا کہ دو حریف طاقتیں دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے خوف سے سر نہ اٹھا سکیں اور اگر مدینۃ المنصور میں کسی طرح کی شورش ہو تو بیرونی امداد سے فرو

ہو جائے علاوہ ازیں دونوں قوموں کو اس قسم کے متضاد خیالات پیدا ہو گئے تھے کہ انہیں ایک ہی جگہ بسانا خلاف مصلحت تھا اور ایک دوسرے سے جدا آباد کرنا استحکام سلطنت کا باعث تھا۔

جامع رصافہ

رصافہ کی تعمیر ۱۵۹ھ یعنی خلیفہ مہدی کے سنہ جلوس کے سال تک تکمیل کو نہ پہنچی۔ مورخین کے اقوال کے بموجب جامع رصافہ رصافہ میں سب سے پہلی عمارت ہے۔ اور قصر مہدی اس کے بعد تعمیر ہوا۔ جامع رصافہ بہ نسبت جامع مسجد مدینۃ المنصور کے عین قبلہ رخ تھی۔ اور اس سے زیادہ وسیع اور خوشنما بھی تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ جامع رصافہ کو "الشرقیہ" بھی کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس جگہ ابتدا میں ایک گاؤں اسی نام کا آباد تھا۔ بعد میں رصافہ میں شامل ہو گیا غالباً دجلہ کے مشرقی کنارہ اور جامع مسجد مدینۃ المنصور سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے اسے مشرقیہ کہتے ہونگے۔

قصر مہدی

قصر مہدی جامع رصافہ کے قریب تھا۔ خود مہدی نے یا خلیفہ منصور نے اس کی تعمیر یا تکمیل کی۔ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہارون الرشید نے بنوایا تھا۔ غالباً اسے کسی قدر وسیع کر دیا ہوگا یا کچھ مرمت وغیرہ کی ہوگی۔ ابتدا میں قصر کے گرد ایک دیوار اور اس کے باہر ایک خندق تھی اور اس کے قریب "میدان" یا "مربع" تھا۔ قصر کے چاروں طرف باغات تھے۔ نہر مہدی انہیں سیراب کرتی تھی۔ انہی باغات کے ایک حصہ کو "بستان" کہتے تھے۔ نہر مہدی سے کئی ایک چھوٹی چھوٹی نہریں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک شاخ کا پانی "برکہ" میں جمع ہوتا تھا۔ رصافہ کی نہروں اور سڑکوں کے تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصر اور باغات دجلہ کے کنارہ پر واقع تھے ان کے بعد جامع مسجد اور اس کے بعد "میدان" اُس سڑک پر واقع تھا جو جسر اعلےٰ کو جاتی تھی۔

چونکہ خلیفہ منصور نے مہدی اور اس کی فوج کو اس جگہ رہائش کے واسطے زمین عطا کی تھی اس لئے رصافہ کو "عسکر المہدی" بھی کہتے تھے۔ لیکن زبان زد خلائق

رصافہ ہی رہا۔ رصافہ کی سطح زمین بہ نسبت مدینۃ المنصور کے نیچے تھی۔ مگر دجلہ سے بحالت طغیانی بھی تمام مشرقی بغداد اونچا تھا چنانچہ اسطخری چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں لکھتا ہے کہ مشرقی بغداد اور خلفا کے قصر میں پانی صرف اُنہی نہروں سے آتا ہے جو نہرواں سے نکالی گئی ہیں۔ لیکن دجلہ سے بھی پانی بذریعہ "دولاب" آتا تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رصافہ بہت سی جگھوں کا نام تھا۔ چنانچہ یاقوت اپنی کتاب مشترک میں گیارہ اسی نام کے مقامات بتاتا ہے۔ شام میں رصافہ ایک شہر کا نام تھا ابو منیح عبیداللہ بن ابی زیاد اور اوسط پوتا حجاج اسی جگہ کے باشندے تھے۔ بصرہ میں بھی ایک رصافہ تھا محمد بن عبداللہ بن احمد اور ابو القاسم حسن بن علی اسی جگہ کے تھے۔ واسط میں ایک قصبہ کا نام رصافہ تھا۔ نیشاپور میں بھی ایک رصافہ تھا کوفہ کا ایک شہر بھی اسی نام کا تھا۔ حجاز میں ایک قصبہ اور افریقہ میں ایک اسماعلیہ قلعہ کا نام بھی یہی تھا۔ غالباً بغداد کے بعد سب سے زیادہ مشہور رصافہ اندلس واقع ہسپانیہ تھا جس کی بنیاد عبدالرحمٰن اول امیہ خلیفہ نے ڈالی تھی۔

رصافہ کے ابتدائی تذکروں سے واضح ہوتا ہے کہ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر مدینۃ المنصور کے مقابل واقع تھا اور اسی قدر طول و عرض میں تھا۔ چوتھی صدی میں یعقوبی کئی ایک جاگیروں کا ذکر کرتا ہے جو خلیفہ مہدی نے اپنے امرا کو قصر رصافہ کے گرد عطا کی تھیں۔ یہ جاگیریں رصافہ کے شمال مشرق اور جنوب میں واقع تھیں۔ کچھ عرصہ بعد یہی جاگیریں دو آباد محلے مخرم اور شماسیہ بن گئے۔ جامع رصافہ کے متصل اور کچھ فاصلہ پر جانب دریا ایک قبرستان تھا جہاں بعد میں خلفائے عباسیہ کے مقبرے تھے۔ جانب شمال امام ابو حنیفہ کا مزار تھا جو ایک آباد محلہ کے مرکز میں واقع تھا۔ اس محلہ کا نام بھی امام صاحب کے نام پر مشہور رہا۔

حصہ اول میں ہم امام صاحب اور بغداد کے متعلق اُن کی خدمات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ سنہ ۱۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا تو اُس جگہ دفن ہوئے جسے بعد میں

قبرستان خرزان کہنے لگے۔ یہ قبرستان رصافہ کے شمال میں واقع تھا۔ امام صاحب کا مقبرہ آپ کی بزرگی اور ذاتی تقدس اور فرقہ حنفیہ کی امامت کی وجہ سے ہمیشہ عام زیارت گاہ رہا ہے۔ ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) میں مقدسی اس جگہ آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ابو جعفر علامہ عصر نے ایک صفحہ بھی بنا دیا ہے۔ اس کے ایک سو سال بعد یعنی ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں ملک شاہ سلجوقی اور اُس کا وزیر نظام الملک بھی مقبرہ اقدس کی زیارت کو آئے۔ اس وقت قبر پر ایک گنبد بھی تھا جو ۴۵۹ھ میں بنایا گیا تھا۔ اس سے پہلے سلطان الپ ارسلان نے جو اسی ملک شاہ کا باپ تھا۔ اس جگہ مدرسہ بنایا تھا۔ اس جگہ فقہ اور حدیث کا درس ہوتا۔ حمد اللہ لکھتا ہے کہ یہ مدرسہ شرف الملک ابو سعد مستوفی الممالک نے جو ملک شاہ کے ہاں ملازم تھا تعمیر کروایا تھا۔ لیکن "نزہت" کے دیگر نسخوں میں یہ عبارت نہیں ملتی[۱]۔ یہ مدرسہ جو "مشہد ابو حنیفہ" کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اُس کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جن کے نام اور اجمالی حالات "الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ" میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ ۴۹۲ھ میں حکیم بن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں۔ بغداد میں یہ مدرسہ سب سے پہلا تھا۔ ۵۸۰ھ میں ابن جبیر اندلسی بغداد میں آیا۔ وہ بھی قبہ کی تصدیق کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ مقبرہ امام ابو حنیفہ کی وجہ سے محلہ کا نام بھی ابو حنیفہ مشہور ہو گیا ہے۔ ابن جبیر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلہ رصافہ کے شمال میں شہر سے الگ تھا۔ شہر کے گرد ایک دیوار تھی جسے خلیفہ مستظہر نے تعمیر کروایا تھا۔ اس سے ایک سو سال بعد یاقوت مسجد ابو حنیفہ کی نسبت

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ شرف الملک ابو سعد مستوفی الپ ارسلان کے اہتمام سے یہ عمارت طیار ہوئی اور در حقیقت اس مدرسہ کا بانی الپ ارسلان تھا ابو جعفر ایک مشہور شاعر نے اس وقت یہ شعر کہتے کہ ؎

"یعنی تم دیکھتے نہیں کہ علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے جو اس لحد میں مدفون ہے اس کو ترتیب دی۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی۔ ابو سعد کی کوشش نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔"

لکھتا ہے کہ خلفائے عباسیہ کے مقبروں کے متصل تھی۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ ۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء میں بغداد میں آیا اس وقت عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ بغداد میں مشہد ابو حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو۔ زمانہ حال کا ایک یورپی سیاح لکھتا ہے کہ خانقاہ امام ابو حنیفہؒ "قصبہ معظم" میں واقع ہے۔ چونکہ ابو حنیفہؒ کو امام اعظم کہتے ہیں اس لئے قصبہ کا نام معظم ہو گیا ہے۔ قصبہ مذکور شہر سے آدھ گھنٹہ کی مسافت پر دجلہ کے مشرقی کنارے پر کاظمین کے بالمقابل واقع ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کا مقبرہ تاریخ بغداد میں ایک ایسی عمارت ہے جو بغداد کی بنیاد کے وقت سے اب تک قائم ہے۔ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ زمانہ نے اس عظیم الشان شہر کی یادگاریں ایک ایک کر کے مٹا دیں لیکن یہ مقبرہ اسی طرح قائم ہے بلکہ بہتر حالت میں ہے۔ اور کیوں نہ ہو آج ایک دنیا امام صاحب کی مقلد ہے۔ امام صاحب کا مزار مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے۔ جو تاجدار بغداد میں آیا نہایت ادب سے اس جگہ حاضر ہوا نادر شاہ نے جس وقت بغداد پر حملہ کیا تو ایک دستہ فوج امام صاحب کے مزار پر معین کیا کہ کہیں حضرات شیعہ بے حرمتی نہ کریں۔ ناصر الدین قاچار شاہ ایران اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی۔ بیان ہو چکا ہے کہ مغربی بغداد میں ایک رباط ابو حنیفہ بھی تھا اس لئے مشرقی بغداد کے محلہ ابو حنیفہ میں تمیز ضروری ہے۔

قبرستان خزران جس میں امام اعظمؒ کی خانقاہ ہے خزران کی وجہ سے مشہور ہوا خزران خلیفہ مہدی کی بیوی اور خلیفہ ہادی اور ہارون الرشید کی ماں تھی کہتے ہیں کہ بغداد کی بنیاد سے پہلے بھی اس جگہ قبرستان تھا۔ جس میں ایرانی "مغ" دفن ہوتے۔ اسی قبرستان میں ابن اسحاق کی قبر ہے۔ ابن اسحاق پہلا شخص ہے جس نے آنحضرتؐ کی سوانح عمری لکھی۔ یاقوت اگرچہ امام اعظمؒ کی خانقاہ کا اکثر دفعہ ذکر کرتا ہے

لیکن قبرستان خیزران کا نام بھی نہیں لیتا۔ بعض مورخین نے غلطی سے قبرستان قریش میں (جو کاظمین کے متصل رصافہ کے بالمقابل مغربی کنارہ پر تھا) اور خیزران میں کچھ فرق نہیں کیا ہے ٭

خانقاہ ابوحنیفہ اور جامع رصافہ کے درمیان خلفائے عباسیہ کے مقبرے تھے۔ ان قصروں کی نسبت ابن بطوطہ نے بھی غلطی کی ہے۔ اُس نے ایک فہرست میں تیس خلفاء کے مقبرے لکھے ہیں۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے اول تو بقول اکثر مورخین مغلیہ محاصرہ کے وقت اور تسخیر کے بعد یعنی ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں شہر تباہ ہو گیا تھا اور تمام خاندان عباسیہ کے مقبرے جلائے گئے تھے۔ دوم ابن بطوطہ نے خلیفہ مہدی اور ہادی کی قبریں بغداد میں کہاں دیکھی ہونگی۔ اگرچہ وہ لکھتا ہے کہ ہر ایک قبر پر صاحب قبر کا نام کندہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ مقبروں کی نہیں بلکہ خلفا کی فہرست لکھتا ہے۔ کیونکہ مہدی اور ہادی نہ تو بغداد میں فوت ہوئے اور نہ اس جگہ مدفون ہوئے۔ اور آٹھ خلفا خلیفہ معتصم سے معتمد تک سامرا میں دفن ہوئے۔ اس لئے یہ فہرست صرف آخری خلفا کی سمجھنی چاہئے۔ سامرا سے بغداد میں دارالخلافت کے منتقل ہونے پر خلفائے عباسیہ معتضد سے لے کر سوائے چند ایک کے مشرقی یا مغربی بغداد میں مدفون ہوئے۔ خلیفہ راضی اور مستکفی سے لے کر جو دوہ خلفاء کی قبریں جامع رصافہ کے باہر تھیں۔ چوتھی صدی کے وسط میں اور اس کے بعد ایک عرصہ تک یہ جگہ واقعی شہر خاموشاں تھی ایک عبرت انگیز نظارہ تھا۔ ایک بیکسی کی حالت میں قرب وجوار کے آباد محلوں میں نظر آتا تھا۔ خلیفہ مستظہر نے ان قبروں کے گرد ایک دیوار کھینچ دی تھی اور اس وقت کچھ شاہی آرام گاہ کی صورت بن گئی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی قبروں کی باقاعدہ مرمت ہوتی رہتی ان کے متعلق کچھ زمین بھی وقف تھی جس کا محاصل انہی پر صرف ہوتا اور محافظین کو تنخواہیں بھی ملتی ٭

خلیفہ مستعین کے عہد میں بغداد کے دوسرے محاصرہ کے وقت رصافہ برباد ہو گیا۔ ایک میل کے فاصلہ پر خلفا کے نئے قصر تعمیر ہو گئے۔ اور رصافہ اور اُس کی

عظیم الشان مسجد دو سو برس بعد مشرقی بغداد کی قبروں اور کھنڈرات کے ڈھیروں میں تنہا عالم تحیر میں اس بیکسی اور ویرانی کے نظارہ کو دیکھ رہی تھی ؎

معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان مسجد چھ سو برس تک بھی جامع مسجد ہی تھی کیونکہ تمام مورخین اور ۷۲۷ھ میں ابن بطوطہ بھی اسے جامع مسجدوں میں شمار کرتا ہے لیکن آج اس معزز عمارت کے آثار نہیں ملتے ؎

بقول یعقوبی تیسری صدی کے اختتام پر بھی رصافہ مشرقی بغداد کے تین محلوں میں سے ایک تھا۔ اس میں سے وہ بڑی بڑی سڑکیں گذرتی تھیں جو غالباً شارع خراسان اور جسر وسطی سے آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام طریق مستقیم تھا اسی پر قصر مہدی اور جامع مسجد تھی۔ عموماً ایشیائی ملکوں میں سڑکیں سیدھی نہیں ہوتیں اسی لئے اسے طریق مستقیم کہتے تھے۔ دوسری سڑک "میدان" یا مربع رصافہ کے مشرق میں گذرتی۔ اس سڑک پر فضل بن ربیع اور اس کے قریب ام حبیب دختر ہارون الرشید کا محل تھا۔ بقول یاقوت یہ قصر شارع المیدان پر تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سڑک کا نام شارع المیدان ہوگا۔ خلیفہ مامون نے یہ زمین اپنی سوتیلی بہن ام حبیب کو عطا کی تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ شارع المیدان شارع سوق الثلثا سے مخرم کے پرے ملتی۔ اور جانب شمال محلہ شماسیہ میں آمد و رفت کا راستہ تھی۔ اس کے ایک حصہ کو سوق خضیر کہتے تھے۔ اس جگہ چینی برتن اور دیگر اسی قسم کی اشیا فروخت ہوتی تھیں اس جگہ کو اکثر خضریہ کہتے تھے۔ اس جگہ آخیر زمانہ میں پانی کے کوزے فروخت ہوتے۔ اس محلہ سے کچھ فاصلہ پر خانقاہ امام اعظمؒ تھی۔ اسی کے قریب ایک جگہ لکڑیاں بکا کرتی۔ ابتدائی زمانہ میں اس جگہ مسجد خضیر تھی۔ اسی جگہ ایک سڑک بھی گذرتی جسے طریق الزوارق کہتے تھے۔ اور غالباً خضریہ اور جسر اعلٰے کے درمیان یہی سڑک تھی۔ اس کے قریب "قصر الوضاح" تھا۔ وضاح قصبہ انبار کا باشندہ تھا۔ خلیفہ مہدی کے حکم سے یہ قصر تعمیر کیا ؎

غالباً جسر اعلٰے جو حربی اور شماسیہ اور رصافہ کے درمیاں راستہ تھا شماسیہ کے

قریب ہی ہوگا۔ اس جگہ پل کے سرے پر ایک دروازہ تھا جسے باب الجسر کہتے تھے۔ شارع رصافہ اس سے گذر کر حریم طاہر واقع مغربی بغداد میں جاتی ❊

شماسیہ

شماسیہ محلہ رصافہ کے مشرق میں واقع تھا۔ ان دونوں محلوں کے درمیان ایک سڑک تھی جسر اوسط سے گذر کر دجلہ کے کنارہ کے ساتھ ساتھ موصل کو جاتی تھی شماسیہ کے شمالی حصہ میں اس کا نام شارع نہر مہدی تھا اور جنوبی حصہ میں طریق الجسر کہتے تھے۔ اور اسی جگہ سوق عیسیٰ بھی تھی جس کے قریب سوق جعفر تھی۔ دونوں حصوں کے درمیان یہ سڑک "الدار" سے گذرتی جو بقول یاقوت خانقاہ ابوحنیفہؒ کے قریب تھی۔ مگر ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء یعنی یاقوت کے زمانہ میں اس کے آثار مٹ چکے تھے۔ صرف کھنڈرات ہی نظر آتے تھے ❊

اہل بغداد کیا تمام دنیا کے واسطے یہ جگہ عبرت کا منظر تھی۔ اس جگہ خلیفہ ہارون رشید کے وزیر جعفر برمکی اور اسی خاندان برامکہ کے قصر تھے۔ جعفر نے اس جگہ ایک قصر تعمیر کروایا تھا جس پر دو کروڑ درہم صرف ہوا[1]۔ اس جگہ اور بھی آل برامکہ کے

---

[1] جب یہ رفیع الشان قصر تیار ہوگیا تو جعفر نے چند نجومی جمع کئے اور ان سے پوچھا کہ اس مکان میں جانے کے واسطے کونسی تاریخ سعید ہے حسب زائچہ بنا کر دن اور وقت تجویز کیا اور یہ قرار پایا کہ جعفر برمکی وقت شب کے اس جدید مکان میں داخل ہو چنانچہ جعفر اپنے مکان کو جارہا تھا۔ رات کا وقت سنائی کا تمام تھا لوگ آرام کر رہے تھے لیکن ایک شخص کھڑا ہوا کہ رہا تھا ❊ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۸۷)

قصر تھے جن میں یحیٰ اور اُس کے بیٹے فضل و جعفر کی رہائش تھی۔ ان کے دروازوں پر سوار و پیادہ کا ہجوم رہتا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ حل و عقد کے مالک تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) ہوے

تدبر بالنجوم ولست تدری — تم نادان بن کر ستاروں پر اپنی تدبیر قائم کرتے ہو +

ورب النجم یفعل ما یشاء — اور ستاروں کا خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے +

یہ شعر سن کر جعفر بگڑ گیا۔ اور قائل سے پوچھا کہ اس شعر کے پڑھنے سے تیرا کیا مطلب تھا اُس نے کہا "کچھ نہیں اتفاقیہ زبان سے نکل گیا"۔ جعفر نے اپنے حق میں بدفال سمجھی۔ جب مکان میں داخل ہوا تو شعرا نے مبارکباد کے قصیدے پڑھے۔ اور ابو نواس شاعر نے ایک مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ لیکن جب اُس نے یہ شعر پڑھے کہ ے

اربع البلاء ان الخشوع لبادی — اے مکان شکستگی کا آثار تجھ پر ظاہر ہے +

علیک وانی لم اخنک ودادی — لیکن میں نے تیری دوستی میں خیانت نہیں کی +

سلام علی الدنیا اذا ما فقدتم — اے برمک کی اولاد جب تم دنیا سے گم ہو جاؤ۔

بنی برمک من رائحین و غادی — تو دنیا کو سلام ہے +

تو جعفر کا رنگ فق ہو گیا اور ابو نواس سے کہا خدا خیر کرے آج تم نے ہماری موت کی خبر سنائی ہے +

جس بات کا جعفر کو ڈھرکا تھا اُس کا ظہور چند روز کے بعد ہو گیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کو برامکہ کی شاہانہ شان پر رشک پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابراہیم بن مہدی عباسی اسی مکان میں جعفر کو ملنے آیا تو دیکھا کہ غصہ میں بھرا بیٹھا ہے۔ پوچھا تو کہا کہ آج منصور جو ہمارا دشمن ہے اس مکان کو دیکھنے آیا تھا میں نے پوچھا کہ اس قصر کی مثل بغداد یا کسی اور جگہ ہی ہے۔ منصور نے کہا کہ عیب ہے تو خالی یہ بھی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا عیب ہے تو کہا کہ "اس میں درخت خرما نہیں ہے"۔ ابراہیم راوی ہے کہ میں نے اِدھر اُدھر کی باتوں سے اُس کا غصہ فرو کیا اور یہ بھی کہا کہ "منصور خلیفہ کا مصاحب ہے اور دشمنی کی وجہ سے اگر خلیفہ کو کہدے وزیر السلطنت نے ایک محل کی تعمیر میں دو کڑور کی رقم صرف کر دی دیگر مال اور جواہرات کا کیا شمار ہوگا"۔ یہ سُن کر جعفر ہنسا اور کہا کہ "جو لوگ دولت کو جمع کرتے ہیں بھلا وہ ایسی عمارت کیونکر بنا سکتے ہیں"۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قصر نے ہارون کے دل میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کر دیں۔ ایک دفعہ خلیفہ کو ایک گمنام خط ملا جس کا مضمون یہ تھا +

قل لامین اللہ فی ارضہ — خدا کی زمین کا جو امانت دار ہے۔

ومن الیہ الحل والعقد — اور جو حل و عقد کا مالک ہے اُس سے کہدو۔

ھذا ابن یحیٰی قد غدا مالکا — کہ یحیٰی کا بیٹا تیری طرح مالک بن بیٹھا ہے۔

مثلک ما بینکما حد — تجھ میں اور اُس میں کوئی حدِ فاصل نہیں۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۸)

وزارت کا عہدہ اُن کی خاندان میں موروثی ہوگیا تھا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بوجہ ایرانی الاصل ہونے کے اُنہیں قدرتاً اہل ایران سے ہمدردی تھی اور اُن کی وجہ سے اقوام غیر عرب کا زور دربار عباسیہ میں اس قدر بڑھ گیا تھا جو عربیوں کو بہت ناگوار معلوم ہوتا تھا آل برامکہ کی جاگیریں صرف بغداد میں ہی محدود نہ تھیں بلکہ مختلف ممالک میں کچھ نہ کچھ حصہ اُن کا ضرور تھا۔ چنانچہ مصنف حیواۃ الحیوان لکھتا ہے کہ جب ہاروں الرشید نے ایک دفعہ دارالسلطنت سے نکل کر ملک کا دورہ شروع کیا تو جس جگہ اور جس باغ میں اس کے ڈیرے کھڑے ہوتے تھے وہاں یہی معلوم ہوتا تھا کہ برامکہ کی جاگیر ہے۔ بغداد کے مشرقی حصہ میں برامکہ کے قصر سے شارع باب شماسیہ تک اور شارع مذکور سے باب بردان تک برامکہ کی جاگیریں تھیں۔ ایک دفعہ ہاروں الرشید اور اسمٰعیل بن یحیٰی ہاشمی شکارگاہ میں تھے۔ تھوڑی دور چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں مویشیوں کی کثرت تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷)

امرك مردود الى امره	تیرا کہنا اُس کے حکم سے ردّ ہو جاتا ہے۔
وامره ليس له د د	لیکن اس کا حکم ردّ نہیں ہوسکتا۔
وقد بنى الدار التى ما بنى ال	اُس نے ایک مکان بنایا ہے۔
فرس لها مثلا ولا الهند	جس کے مثل فارس اور ہند کسی نے نہیں بنایا۔
والدر واليا قوت حصباؤها	موتی اور یاقوت اُس کی کنکریاں ہیں۔
وتربها العنبر والند	اور اس کی خاک عنبر اور لوبان ہے۔
ونحن نخشى انه وارث	ہم لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ جب آپ کو قبر چھپا لیگی۔
ملك ان غيبك اللحد	تو وہ ملک کا وارث ہو جائیگا۔

حکیم بختیشوع بن جبرئیل عیسائی لکھتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن قصر خلد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں بھی وہاں جا نکلا وسط میں دریائے دجلہ کا خوشنما منظر عجیب لطف دے رہا تھا۔ سامنے آل برمک کی رفیع الشان عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ رشید نے دیکھ کر کہا کہ خدا برامکہ کا بھلا کرے غریب ہمارے واسطے کیسی محنت اُٹھاتا ہے اور ہم اُس کی بدولت آرام سے عیش کرتے ہیں حکیم مذکور لکھتا ہے کہ ایک زمانہ کے بعد پھر مجھے قصر خلد میں جانیکا اتفاق ہوا اور وہی گزشتہ سماں آنکھوں کے سامنے تھا میں نے رشید کو یہ کہتے سنا کہ حقیقت میں تو برامکہ خلافت کرتے ہیں تو برائے نام خلیفہ ہوں۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد جعفر خلیفہ کے حکم سے قتل ہوا اور اُس کے بھائی اور اس کا باپ یحیٰی قید خانہ میں بھیجدئے گئے جہاں سب ایک ایک کرکے طرح طرح کی تکلیفیں سہتے سہتے مرگئے (البرامکہ ۔ سنین اسلام)

اور خوبصورت مکانوں کا سلسلہ لگاتار چلا گیا تھا۔ اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی سرسبز اور شاداب زمینیں نظر آتی تھیں یہ ایک گاؤں تھا جس کی حالت نہایت عمدہ معلوم ہوتی تھی کھلیانوں میں غلہ کی افراط تھی اور رعایا بھی خوشحال تھی خلیفہ نے اپنے ہمراہی اسمٰعیل سے پوچھا کہ یہ کس کی جاگیر ہے۔ جواب دیا کہ جعفر برمکی کی۔ خلیفہ چپکا ہو رہا۔ راستہ میں جہاں تک جانے کا اتفاق ہوا کوئی موضع بھی ایسا نہ ملا جس کی حالت خراب ہوتی بلکہ سرسبز و شاداب تھے۔ ہر موضع کو خلیفہ دیکھتا اور سوال کرتا کہ یہ کس کی جاگیر ہے یہی جواب ملتا کہ برامکہ کی۔ آخر ہارون نے اسمٰعیل کو مخاطب کر کے کہا "اسمٰعیل تم دیکھتے ہو برامکہ نے دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے۔ خود امیر بن گئے ہیں اور میری اولاد کو فقیر کر دیا ہے ان کے معاملات سے میں نے اب تک غفلت کی ہے"۔

۳۷۵ھ (۹۸۵ع) میں مقدسی سوق یحییٰ کی نسبت لکھتا ہے کہ اس کے پیچھے خانقاہ امام ابوحنیفہؒ تھی۔ بقول یعقوبی سوق یحییٰ ایک شخص مسمی یحییٰ ابن ولید کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ لیکن یاقوت اس کی تردید کرتا ہے کہ یحییٰ ابن خالد برمکی وزیر خلیفہ ہارون رشید کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔

باب شماسیہ قریب سوق خالد برمکی تھی۔ خالد خلیفہ سفاح کا وزیر تھا۔ اور یحییٰ وزیر ہارون رشید کا باپ تھا۔ بقول یاقوت خود یحییٰ یا اس کے بیٹے فضل نے اس جگہ ایک قصر تعمیر کروایا جسے "قصر طین" کہتے تھے سنہ ۱۵۱ھ (۷۶۸ع) یعنی بغداد دوسرے محاصرہ یا خلیفہ مستعین کے زمانہ کے واقعات کے ساتھ اس قصر کا بہت دفعہ ذکر آتا ہے۔ یاقوت کے زمانہ میں یہ قصر بالکل خاک میں مل چکا اور اس کے کچھ بھی آثار باقی نہ تھے۔ کوئی اتنا بھی نہ بتا سکتا تھا کہ کس جگہ یہ واقع تھا۔ لیکن طبری سے جو بغداد کے دوسرے محاصرہ کے واقعات لکھے ہیں ان سے اشارتاً پایا جاتا ہے کہ باب شماسیہ کے بہت قریب تھا۔ برامکہ کی تباہی پر ان کی جاگیریں خلیفہ ہارون الرشید کی بی بی زبیدہ کے قبضہ میں آئیں۔ اور مامون کے زمانہ میں جب زبیدہ کا وہ اقتدار نہ رہا تو طاہر اور اس کی اولاد کو عطا ہوئیں۔ سوق یحییٰ سے آگے اور بلاشبہ اسی سڑک پر جو باب شماسیہ کو

جاتی تھی ایک قصر دار الفرج تھا۔ "فرج" ایک غلام ہارون الرشید کا تھا۔ مورخین اس قصر کی بہت تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس حصہ شہر میں اس کا مثل نہ تھا ؛

باب شماسیہ شہر پناہ کے شمال مغربی انتہا پر تھا۔ جہاں محلہ شماسیہ آباد ہوا اس جگہ پہلے عیسائیوں کے دیر تھے۔ ان میں سے "دیر درمالس" اور "سمالو" بہت مشہور تھے۔ اور غالباً موخر الذکر نام کی وجہ سے محلہ کا نام شماسیہ ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "شماس" سے مشتق ہو جس کے معنی عیسائی راہب ہیں۔ جو سر منڈوا کر کلیسا کی خدمت میں زندگی وقف کر دیتے تھے۔ اس لئے بھی شماسیہ انہی دیروں کی وجہ سے مشہور ہوا۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں "دیر سمالو" دریائے دجلہ کے کنارہ پر نہایت خوشنما وسیع عمارت تھی اس کے قریب نہر مہدی (یا نہر فضل) بہتی تھی۔ اس دیر کی آبادی زیادہ تر باب بردان کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دیر سمالو کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ ایک عالی شان عمارت تھی۔ اس میں عیسائیوں کی رہائش تھی۔ اس کا نام قصبہ سمالو کی وجہ سے پڑا جو اربینیہ کی سرحد پر واقع تھا۔ اسے ہارون الرشید نے ۱۶۳ھ / ۷۸۰ء کی مہم میں تسخیر کیا۔ اس مہم کا خاتمہ ایک عہد نامہ پر ہوا جس کے رو سے خلیفہ نے سمالو کی کل آبادی مشرقی بغداد کے شمال میں لا بسائی جہاں بعد میں یہ دیر تعمیر ہوا۔ زمانے نے اس دیر کو بھی ویران کر دیا۔ مصنف مراصد سنہ ۱۳۰۰ء میں اس کی نسبت لکھتا ہے کہ اب اس کے آثار تک دکھائی نہیں دیتے ؛

اس کے قریب نہر فضل کے پہلو میں سطح زمین بہت نیچے تھی۔ اسے شارع شماسیہ کہتے اور چونکہ دریا کا پانی اس جگہ اکثر آ جاتا اس لئے اسے "رقہ" بھی کہتے تھے۔ بغداد کے دوسرے محاصرہ کے وقت محاصرین کا کمپ اسی رقہ میں تھا۔ محلہ شماسیہ کے پار شمال مشرق اور مشرق کی جانب ایک رباط تھا جس کا تذکرہ بغداد کے اول و دوم محاصرہ میں اکثر کیا جاتا ہے اسے "ثلاثہ ابواب" کہتے تھے۔ خلیفہ مستعین کو بغداد کے اول محاصرہ کے واقعات اچھی طرح معلوم تھے اس لئے اس نے شماسیہ کی شہر پناہ اور ثلاثہ ابواب کے درمیان جتنے مکانات تھے سب گرا دیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

مشرقی بغداد کی آبادی جانب شمال ثلاثہ ابواب تک تھی۔ لیکن خلیفہ مستعین کے زمانہ میں اثنائے محاصرہ میں یہ حصہ شہر بالکل برباد ہوگیا۔ ایک صدی بعد اسی جگہ آل بویہ کے قصر تعمیر ہوئے ٭

باب بردان باب شماسیہ کے جنوب مشرق میں تھا۔ اس کے باہر "قبرستان مالکیہ" تھا۔ یہ قبرستان عبداللہ ابن مالک کے نام سے مشہور ہوا۔ عبداللہ پہلا شخص تھا جو اس جگہ دفن ہوا۔ مورخین مالکیہ کا تذکرہ ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء میں بھی کرتے ہیں۔ اس وقت اس جگہ سلطان مسعود سلجوقی کا کیمپ تھا جس نے بغداد کا محاصرہ ڈال رکھا تھا۔ یہ بغداد کا تیسرا محاصرہ کہلاتا ہے۔ دو ماہ تک قائم رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ منصور راشد تخت سے اتارا گیا۔ اس محاصرہ کے مفصل حالات کسی مورخ نے نہیں لکھے۔ عبداللہ ابن مالک خلیفہ مہدی کے زمانہ میں فوج کا کپتان تھا ہارون الرشید کے عہد میں پولیس افسر تھا۔ ایک دفعہ اسی کے ماتحت خلیفہ نے رومیوں کے برخلاف فوج روانہ کی۔ مالکیہ کو "قبرستان مروان" بھی کہتے تھے اس کے قریب "مصلیٰ" تھا۔ لوگ اسی جگہ نماز عید رمضان ادا کرتے تھے ٭

اس جگہ ایک مقبرہ تھا جسے قبر النذور کہتے تھے۔ اس جگہ خوش اعتقاد نذریں مانتے اور مرادیں حاصل کرتے تھے۔ خطیب ایک حکایت عضد الدولہ بویہ کی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ اس نے بھی اس جگہ منت مانی اور مراد دلی حاصل کی کہتے ہیں کہ یہ قبر حضرت عبداللہ کی تھی جو حضرت زین العابدینؓ کے پوتے تھے ان کی نسبت عجیب و غریب حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ خلیفہ وقت نے انہیں اس جگہ فریب دیکر بلوایا۔ جہاں ان کی قبر ہے اس جگہ ایک گڑھا کھدوا رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ نے جب اس جگہ پاؤں رکھا تو گڑھے میں آرہے اور اس طرح انہیں زندہ درگور کیا گیا۔ بقول یاقوت یہ خانقاہ ساتویں صدی ہجری میں بھی موجود تھی اور بغداد سے کوئی نصف میل کے فاصلہ پر تھی مصنف مراصد بیان کرتا ہے کہ ابتدا میں رصافہ کے بازار مصلیٰ تک پھیلے ہوئے تھے مگر اس زمانہ میں غیر آباد تھے۔ ۷۰۰ھ ۱۳۰۰ء میں مقبرہ شہر سے

نصف کوس کے فاصلہ پر تھا۔

۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں آل بویہ کا طوطی بغداد میں خوب بول رہا تھا۔ اس خاندان نے اس جگہ کئی ایک عالیشان عمارتیں بنوائیں جس کا ذکر آئندہ آئیگا۔ تیسری صدی کے اختتام پر خلیفہ مقتدر کی فوج کے سپہ سالار "مونس" نے باب شماسیہ باہر ایک قصر بنوایا۔ اسی کے قریب خلیفہ مقتدر باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

شارع بردان شماسیہ کو دو حصّوں میں تقسیم کرتی ہوئی جسر اوسط کو جاتی تھی اس کے جنوبی حصّہ میں آل برامکہ کے قصر تھے۔ یہ قصر شارع کے بائیں جانب سوق یحییٰ سے ملحق تھے۔ ان کے پرے ایک پل تھا جسے قنطرہ بردان کہتے تھے۔ اس جگہ شارع بردان نہر مہدی کو عبور کرتی تھی۔ اس کے قریب ہی خلیفہ مہدی نے آل برامکہ میں ایک شخص ابو عبید معاویہ بلخی کو جاگیر میں زمین عطا کی تھی قنطرہ بردان کو صریح ابن حطیم نے بنوایا تھا اس جگہ اس کی کچھ زمین اور قصر بھی تھا۔ ایک چھوٹا سا گاؤں بغداد کے قریب تھا جسے خطمہ کہتے تھے۔

شہر پناہ اور شارع باب بردان اور باب خراسان کے درمیان قطعہ زمین مثلث نما تھا۔ اس میں نہر مہدی بہتی تھی۔ اسی جگہ نہر کے کنارہ پر دار الروم اور اس کے بعد "سوق نصر" تھی۔ اور اس کے بعد لوہے کے دروازے تھے۔ اس جگہ نہر مہدی مختلف شاخوں میں بہتی تھی۔ ایک شاخ رصافہ اور دوسری شارع خراسان کے ساتھ ساتھ باب خراسان کو جاتی تھی۔ دار الروم میں خلفاء کی عیسائی رعیت رہتی تھی۔ یہ محلہ فخری کے زمانہ یعنی ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) تک موجود تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ شماسیہ کے قریب خلفاء کے مقبروں سے جو رصافہ میں تھے کچھ فاصلہ پر تھا۔ عربی عیسائیوں کو خواہ وہ اٹلی کے باشندے ہوں یا یونان کے رومی ہی کہا کرتے تھے۔ اس لئے دار الروم سے مراد عیسائیوں کا گھر ہی ہے۔ دار الروم میں عیسائیوں کا ایک گرجا اور "دیر الروم" تھا۔ بقول یاقوت اس کی تعمیر خلیفہ مہدی کے زمانہ میں ہوئی۔ اس وقت کچھ عیسائی بطور اسیران جنگ بغداد میں آگئے۔ انہوں نے

یہ دیرا اور اُس کے پہلو میں ایک گرجا بنایا۔ یہ پختہ اور خوبصورت عمارتیں تھیں۔ ان میں "کیتھولک" فرقہ کے عیسائی جنہیں عربی "الجاثلیق" کہتے رہتے تھے۔ گرجا اور دیر کے درمیان ایک دروازہ تھا جو کسی خاص تیوہار پر کھلا کرتا تھا اور عیسائی راہب وغیرہ اس میں داخل ہوتے۔ عیسائیوں کے اس جگہ اور بھی مکانات تھے۔ مصنف مرصد کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ اس جگہ بھی عیسائیوں کے کئی ایک فرقے تھے اور کوئی ایک فرقہ کا آدمی دوسرے فرقے کے معبد میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت[1] یہ برآوردہ

---

[1] گبن نے مذہب عیسوی کے قیام و استحکام و اشاعت و بدعت کی دلچسپ تاریخ لکھی ہے۔ جو کچھ اس عیسائی مورخ نے عیسائیت اور اس کے مختلف فرقوں کا حال لکھا ہے اگر کسی مسلمان مورخ کے قلم کا نتیجہ ہوتا تو عیسائی اُسے کم از کم بدزبان متعصب تو ضرور کہتے۔ وہ قدیم زمانہ کے عیسائیوں کی جہالت ضلالت پر ہنسی اڑاتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ غیر مذاہب کے لوگ کیا کہتے ہونگے۔ ہم اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُسے چند سطروں میں بیان کرتے ہیں۔ وہ صاف صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ اناجیل محرف ہیں۔ بعض حصّے تو بالکل معدوم اور بعض زائد ہیں۔ ترجمے غلط ہوئے اور طرہ یہ کہ اصلی الہامی زبان کتب مقدس کا پتہ نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر خرابی یہ کہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجموں سے ترجمے ہوئے اور یہ زبانیں بھی ایسی کہ اصلی معانی ادا کرنے کے بالکل ناقابل رہبانیت نے جو کچھ سبق مسیح کی تعلیم سے حاصل کیا اُس کا مطلب یہی تھا کہ حیوان ناطق اور حیوان مطلق میں کچھ فرق نہیں تہذیب و اخلاق نے جو کچھ اس زمانہ تک ترقی کی تھی اسے کفر و الحاد سمجھا گیا۔ جنگلوں اور ریگستانوں اور پہاڑی غاروں میں حیوانوں کے ساتھ رہنا اور اُنہی کی طرح گھاس کھانا ننگے مادر زاد پھرنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت ہی پسندیدہ افعال تھے۔ ایسے مذہبی اصطلاح میں "ترک دنیا" کہتے۔ اصول یہی تھا کہ جسم کو بہر حال سخت تکلیف میں رکھنا چاہئے اس پر عمل کرنے کے لئے بدبختوں نے وہ وہ ایجادیں کیں کہ سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حیرانی ہوتی ہے کیا کوئی عقلمند ذی ہوش انسان اس قسم کی بے فائدہ تکالیف گوارا کریگا اگر کوئی بادشاہ ان سزاؤں کا ایک حصہ بھی کسی مجرم کے واسطے تجویز کرتا تو بلاشبہ اُسے سنگدل ظالم کہا جاتا مگر انہیں کیا کہا جائے جو برضا و رغبت اور عمر بھر ایسی تکالیف کے متحمل اور عادی تھے جو آج تک کسی فوجداری قانون نے سخت سے سخت سزاؤں میں بھی روا نہیں رکھے شاہ و گدا اُن کے دروازہ پر کھڑے رہتے اور اُن کے حکم کی تعمیل کرنا ثواب دارین سمجھتے۔

دنیاوی جاہ و حشمت کے سامان ان کی نذر کرتے مگر وہ تو اُن سے بیزار رہتے اور نہ انہیں اُس کی ضرورت تھی اس لئے غربا و مساکین پر خیرات کیا جاتا۔ کچھ عرصہ گذرنے پر یہ "دیر" جن میں یہ پیشوایان مذہب عیسوی رہتے تھے۔ صدقہ و خیرات کے گھر بن گئے اور انتظام انہی بزرگوں کے ہاتھ میں تھا۔ کوئی عالی خاندان شہزادہ یا شہزادی تو شاذ ہی اس قسم کی زندگی تلخکامی سے بسر کرنا گوارا کرتی۔ مگر عوام الناس کا یہ حال تھا کہ "دیلا ٹنی" لکھتا ہے کہ تعجب ہے کہ یہ لوگ بغیر نسل انسان کو بڑھانے کی کس طرح روز افزوں ترقی کر رہے ہیں۔ اور اس میں (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۹۴)

فرقہ دو تھے "جے۔ کو۔ بائٹ" اور "نطورہ" موخرالذکر کا زیادہ زور تھا۔ مذکورہ بالا گرجا انہی کا تھا۔ لیکن "جے۔ کو۔ بائٹ" کا بھی ایک گرجا تھا۔ جہاں بہت سی تصویریں آویزاں تھیں اور ایسا آراستہ کیا ہوا تھا کہ غیر ممالک کے لوگ جب بغداد میں آتے تو ایک نظر اسے بھی دیکھ جاتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) کچھ شک نہیں کہ جو کچھ انہیں دنیا میں ملتا اس سے کہیں بڑھ کر ترک دنیا میں ہاتھ لگتا یہ تو ان کی زندگی تھی۔ لیکن عیسائیوں کا اعتقاد کیا تھا؟ عیسائی دنیا پر تثلیث اور بت پرستی کی اندھیری راتیں چھائی تھیں اس تیرہ و تار مطلع پر ہلال واحدانیت کے طلوع ہونے کو ابھی ایک عرصہ تھا۔ اس وقت عیسائی دنیا ایک مذہبی خانہ جنگی میں مبتلا تھی جو دو سو پچاس برس تک نہایت زور شور کے ساتھ جاری رہی۔ مصر۔ انطاکیہ قسطنطنیہ اور روم میں مخالف فرقوں کے ناقابل تسخیر قلعہ تھا دیئے تھے۔ جن میں بیٹھ کر یہ مقدس جنگجو جماعت مینکڑوں کوس کے فاصلہ پر لعنت کے تیر اور کفر کی تفنگ سے عجیب و غریب فتوے کی باڑھ مارتے۔ اور سیف زبان سے ایک دوسرے کے قتل پر لوگوں کو اکساتے۔ اکثر دفعہ دو حریف طاقتیں ایک دوسرے کے برخلاف کبھی " (اس جگہ حضرت مریم کا مقبرہ تھا) اور کبھی قسطنطنیہ پر کوچ کرتیں۔ اوّل تو ایک دوسرے کو کوستے جب اس سے غلبہ کی صورت نظر نہ آتی تو فلسفیانہ دلائل کو چھوڑ کر برہان قاطع یعنی پتھر اور لٹھ بازی پر اتر آتے۔ ان مضحکہ خیز دینی لڑائیوں میں جہاں اور مقدس جنگجو بزرگوں نے نام پایا "نس۔ٹو۔ری۔اس" (نطورہ) اور "جے۔کو۔بس" کم مشہور نہیں ہیں۔ اول الذکر ۴۲۸ء میں قسطنطنیہ کا بطریق (پیٹری۔آرک) تھا۔ ابتدا میں انطاکیہ کا ایک معمولی پادری تھا۔ لیکن زہد و تقویٰ اور فصاحت کی وجہ سے جلد مشہور ہو گیا۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح خدا ہے اور کنواری (مریمؑ) خدا کی ماں ہے۔ اور اس واسطے اس کی بھی پرستش ضروری ہے۔ عیسائی دنیا اس وقت بت پرست تھی نطورہ اس کے برخلاف تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مسیح آدمی اور ہے اور مسیح خدا اور ہے۔ بوقت پیدائش وہ مسیح آدمی تھا لیکن بلوغت مسیح خدا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں دو طبیعتیں تھیں جو ایک ہی شخص مسیح میں تھیں ایک انسانی اور دوسری خدائی۔ اس پر ایک دفعہ ہرقل نے (جسے مسلمان مورخ مسلمان لکھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں در پردہ اسلام قبول کر لیا تھا) پوچھا کہ مسیح جس کی پرستش وہ ایک ہی شخص سمجھ کر کرتا ہے لیکن طبیعتیں اس کی دو تھیں تو کیا ارادہ بھی دو تھے یا ایک۔ جواب تو یہی ملا کہ ایک تھا مگر ہم جانتے ہیں کہ ہرقل کی اس جواب سے کیا تشفی ہوئی ہوگی۔ غرض اس زمانہ میں عیسائی جو عموماً بت پرست تھے نطورہ کے سخت مخالف ہو گئے بیچارہ بیعزت ہوا۔ جلاوطن کیا گیا اور آخر مصر میں مر گیا۔ اور اسی جگہ دفن ہوا۔ اگرچہ عیسائی دنیا نے اسے قبول نہیں کیا لیکن اس کی تعلیم فارس میں مقبول ہوئی۔ خلافت عباسیہ میں نطورہ مشرقی ایشیا کے مختلف ممالک میں اشاعت مذہب کے لیے سفر کرتے تھے۔ "جے۔ کو۔ بس" کی تعلیم نطورہ کے بالکل برعکس تھی۔ اس فرقہ کے دیر بھی ایشیا کے مختلف ملکوں میں موجود تھے۔ مگر زیادہ تر ترقی نطورہ ہی کو ہوئی۔ اور کچھ شک نہیں کہ موجودہ زمانہ کے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کا وہی عقیدہ ہے جو اول الذکر دو فرقوں کا تھا۔ (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۹۵)

خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں عیسائیوں کو مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ عیسائی جلیل القدر عہدوں پر ممتاز تھے ؛

مذکورہ بالا گرجوں کے علاوہ اُن کے اور بھی چھوٹے چھوٹے معبد تھے۔ دجلہ کے مغربی کنارہ پر "کرخ" میں بھی کنواری یعنی حضرت مریمؑ کا ایک معبد تھا۔ اور زبیدہ کے پرے دیرورثا اور دیرالقباب تھا۔ مدینۃ المنصور کے شمال میں ضلع "قطربل" میں "دیرالشمونی" تھا۔ اسی نام کا ایک شخص اس میں مدفون تھا۔ ماہ اکتوبر میں "شمونی" کا میلہ لگتا اور بغداد اور گردونواح کے عیسائی جمع ہوتے ؛

بقول یاقوت مغربی بغداد میں علاوہ مذکورہ بالا دیر کے دو اور دیر بھی تھے۔ ان میں سے ایک نہر کرخایا پر تھا جسے "دیر مدیان" کہتے تھے۔ مصنّف مراصد اُسے "سرخیس" یا "سرجیس" لکھتا ہے جو "سر۔جی۔اس" کا بگڑا ہوا ہے۔ اس عمارت کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے۔ عموماً اس جگہ سیر و تماشا کی خاطر لوگوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ دوسرے دیر کا نام "دیرالثعالب" تھا۔ مورخین اس دیر کی نسبت مختلف الرائے ہیں۔ بعض اقوال کے بموجب یہ دیر بغداد سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخیؒ کی خانقاہ کے قریب تھا۔ اس دیرالثعالب یا دیرالجاثلین کا دوسرا نام ہے۔ یا انہی کے قریب کوئی اور دیر ہوگا ؛

یاقوت مشرقی بغداد میں علاوہ دیرالروم کے گرجا اور دیر اعظم کے پانچ اور دیر بیان کرتا ہے۔ باب شماسیہ کے باہر دو دیر دیر درمالس اور دیر سمالو تھے۔ اور موضع مزرافہ کے قریب دیر سمالو تھا۔ بہت آباد جگہ تھی۔ خوشنما باغات تھے۔ اور بغداد سے چار کوس کے فاصلہ پر دیر جرجیس (سینٹ جارج) تھا۔ اس کے متعلق بے شمار باغ تھے۔ جن میں نہایت عمدہ پھلدار درخت تھے۔ خلیفہ کے قصر کے نزدیک "دیر زندورد" تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) بغداد میں ان فرقوں کے بہت سے دیر تھے اور خلافت عباسیہ سے بھی پہلے کے تھے چنانچہ ان میں سے دیرالروم۔ دیرالشمونی۔ دیرالثعالب۔ دیرورثا۔ دیر درمالس۔ دیر سمالو۔ دیر عذاری۔ دیرالصلیب۔ دیرالزریقیہ۔ دیرالزندورد۔ بہت مشہور تھے۔ عیسائی نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کرتے ؛

اس کے قریب "باغ الارنج" تھا جس کے انگور اور رنگتر سے مشہور تھے۔ اور تمام بغداد میں سب سے بہتر قسم کے خیال کئے جاتے تھے۔ لیکن ۶۲۳ھ یعنی مصنف مراصد کے زمانہ میں یہ دیر اور باغات معدوم ہو چکے تھے۔ اس وقت اس جگہ بغداد نو کے مکانات اور بازار تھے ۔

مذکورہ بالا حالات یاقوت نے "کتاب الزیارات" سے نقل کئے ہیں یہ کتاب مصر میں لکھی گئی ہے۔ مصنف کتاب الزیارات کا انتقال ۳۹۰ھ میں ہوا۔ لیکن خود یاقوت کے زمانہ میں یہ دیر کھنڈرات کا ڈھیر تھے۔ البتہ اُن کے متعلقہ باغات اب تک موجود تھے۔ اہل بغداد تفریحاً اس جگہ آتے تھے۔ مصنف مراصد بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ بغداد میں اکثر شورش برپا رہتی۔ سنی شیعہ کے فساد آئے دن ہوتے۔ لیکن عیسائی اُسی طرح چین سے زندگی بسر کرتے جس طرح امن کے زمانہ میں رہتے۔ دیر الروم کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ خاص خاص تیوہار اور اتوار کے دن اس جگہ بغداد کے اکثر لوگ آتے تھے۔ ان کی تعداد اُن عیسائیوں سے بھی زیادہ ہوتی جو اس جگہ ان ایام میں جمع ہوتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ناچ رنگ ہوا کرتا اور اسی وجہ سے یہ دیر مشہور تھے۔ نوجوانوں کے واسطے اچھا مشغلہ تھا۔ خاص خاص تیوہار کے واسطے خاص خاص دیر مخصوص تھے۔ چنانچہ "السبیٹر" اور اُس کے بعد میں اتوار میں دیر العاصیہ اور دیر الزریقیہ اور دیر الذندورد اور دیر درمالس میں زندہ دلوں کا مجمع ہوتا ۔

مصنف "کتاب الفہرست" نے ایک پادری صاحب سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی عیسائی مشنری دور دراز ملکوں میں اشاعت مذہب کے خاطر جایا کرتے تھے۔ ہندوستان۔ وسط ایشیا۔ اور ایشیا کے انتہائے مشرق تک یہ لوگ گئے۔ مصنف مذکور پادری صاحب کو بغداد میں خلیفہ طائع کے عہد خلافت میں ملا۔ پادری اس وقت چین کے سفر سے واپس آرہا تھا۔ نجران کا باشندہ تھا اس جگہ (یعنی عرب کے جنوب میں) نسطورہ فرقہ کے عیسائیوں کا

ایک بشپ رہا کرتا تھا۔ مصنف کتاب الفہرست لکھتا ہے کہ:-

"سات برس کا عرصہ ہوا کہ بغداد کے کیتھولک عیسائیوں نے اسے چین کی طرف بھیجا تھا۔ اس کے ہمراہ پانچ اور عیسائی بھی تھے۔ ان کا کام صرف اشاعت مذہب تھا چھ برس کے بعد یہ اور اس کا ایک ہمراہی سفر سے سلامت واپس آئے۔ اس شخص سے میری ملاقات دارالروم میں گرجا کے قریب ہوئی۔ میں نے اس سے سفر کے حالات اور سفر کی وجہ دریافت کی تو اس نے تمام واقعات جو چھ سال کے عرصہ میں پیش آئے میرے سامنے بیان کئے۔ اس نے بیان کیا کہ چین میں جس قدر عیسائی تھے اب ان میں سے ایک بھی باقی نہیں گرجا بھی خاک میں مل گیا ہے اور ان کے مکانات کا تو نشان تک نہیں ملتا۔ یہ دیکھ کر کہ اس جگہ اب ہمارا کوئی ہم مذہب نہیں واپس آیا۔ لیکن آتے وقت بہ نسبت جانے کے تھوڑا وقت صرف ہوا"

مصنف مذکور نے چین کے حالات جو پادری صاحب کی زبانی معلوم ہوئے لکھے ہیں لیکن افسوس ہے کہ شہروں اور دیگر مشہور مقامات کے نام کا اب پتہ نہیں چلتا وجہ یہ ہے کہ چینی ناموں کو اول تو پادری صاحب نے بگاڑا ہوگا بعد ازاں معرب ہوتے وقت کچھ کے کچھ بن گئے۔ چونکہ یہ مضمون بغداد کے متعلق نہیں اس لئے اس سے زیادہ ہم نہیں لکھتے۔

دارالروم کے نیچے نہر مہدی کے کنارہ پر سوق نصر ابن مالک تھی خلیفہ مہدی نے اس جگہ اسے زمین عطا کی تھی۔ احمد بن نصر ایک مشہور شخص ہے خلیفہ واثق نے ۲۳۱ھ میں اسے قتل کروایا تھا۔ احمد بن نصر نے خلیفہ واثق پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ کیونکہ خلیفہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن شریف قدیم نہیں۔ خلیفہ کو غصہ آیا اور احمد شہید ہوا۔ خطیب جو اکثر یاقوت کی عبارت نقل کرتا ہے لکھتا ہے کہ اس جگہ یعنی سوق نصر میں ایک مسجد بھی تھی۔ لیکن بغداد کے دوسرے محلوں کی طرح برباد ہو گئی۔ اس کے قریب قصر ابو نصر تھا۔ جو اس حصہ بغداد میں خوبصورتی کے لئے مشہور تھا۔ کم از کم شہنشاہ قسطنطین کی یہ رائے تھی کہ یہ عمارت اعلیٰ درجہ کی صنعت کا نمونہ ہے شہنشاہ کو بغداد کی عمارتوں کے

نقشے بھیجے گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اس نے یہ رائے قائم کی +

ابواب الحدید سوق الفرمیں تھے اور بقول ابن اثیر ممکن ہے کہ انہیں باب نصر کہتے ہوں۔ جو شماسیہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا - لیکن کسی مورخ سے ابن اثیر کی تائید نہیں ہوتی اور نہ کسی نے ابواب الحدید اور باب نصر کا اس طرح تذکرہ کیا ہے اس لئے یہ امر مشتبہ ہے کہ آل بویہ کے دور دورہ میں بھی یہ عمارتیں موجود تھیں +

شماسیہ کی عمارات میں مورخین ایک رصدخانہ کا بھی ذکر کرتے ہیں دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصدخانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے وہ خلیفہ مامون الرشید تھا اس کام کے لئے اس نے علاوہ اون لوگوں کے جو دربار میں موجود تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت داں اور ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے اور ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ ایک عظیم الشان رصدخانہ قائم کیا جس کے مہتمم یحییٰ ابن ابی المنصور رئیس النجمین خالد بن عبدالملک مروزرازی سند بن علی۔ عباس بن سعید جوہری اور چند ریاضی داں علما تھے نہایت بیش قیمت آلات رصدیہ طیار ہوئے اور آفتاب کی میل کا مقدار اس کے مرکزوں کا خروج۔ اوج کے مواضع اور چند سیارات اور ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے +

شماسیہ کی جنوبی حد شارع خراسان تھی۔ شارع مذکور جسر اوسط سے شروع ہوکر

مشرق کی طرف باب خراسان اور پھر نہرواں کے ساتھ ساتھ قصبہ نہروان کو جاتی تھی۔
تیسری صدی میں یعقوبی ان تینوں شمالی محلوں کا ذکر کرتے ہوئے شارع خراسان کی نسبت لکھتا ہے کہ مشرقی بغداد کی خاص منڈی تھی۔ ہر ایک قسم کا اسباب خرید و فروخت کے واسطے جمع تھا۔ اس سے کئی ایک بازار دائیں بائیں اطراف کو جاتے جن میں سوداگروں کی دکانیں اور مکانات تھے ان کی کثرت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۲۹۲ھ (۹۰۵ء) میں جب آگ لگی تو تین سو سے زیادہ دکانیں جل گئی تھیں۔ جسر اوسط کی قریب جہاں سے شارع خراسان شروع ہوتی زرگروں کی منڈی تھی اسے "سوق الصاغہ" کہتے تھے۔ اور اسی جگہ ایک عالی شان محرابدار دروازہ تھا جسے باب الطاق کہتے تھے۔ باب الطاق اصل میں خلیفہ منصور کی لڑکی اسما کے قصر کا دروازہ تھا۔ یہ قصر لب سڑک واقع تھا اور اس کے بالمقابل سڑک کے دوسری کنارہ پر قصر عبیداللہ بن خلیفہ مہدی تھا اور اسی لئے اس جگہ سڑک کا نام بوجہ دو قصروں کے درمیان واقع ہونے کے "بین القصرین" تھا۔ ابتدا میں اس جگہ خلیفہ نے خزیمہ کو یہ زمین عطا کی تھی۔ قصر خزیمہ اسی جگہ واقع تھا جہاں شارع شماسیہ کی ایک شاخ باب شمالی کو جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں باب الطاق میں شعرا جمع ہوتے۔ خلیفہ بھی آیا کرتا۔ اس کے حضور شعرا قصاید وغیرہ پڑھتے۔ اسے اس لئے "مجلس الشعرا" بھی کہتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا تو ایک شخص مخرم نامی جو عربی نژاد تھا اس جگہ آکر آباد ہوا۔ اسی کی اولاد اس جگہ پھلی پھولی اور اسی کے نام پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہو گیا۔

بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ مستعین کے عہد میں مخرم کے مشرقی اور مغربی حدود دیوار کے اس حصہ میں تھے جو باب خراسان سے سوق الثلاثہ تک تھا۔ اور اس کی مغربی حد دریائے دجلہ تھی۔ دریا کے متوازی الشارع الاعظم باب سوق الثلاثہ سے جسر اوسط کی طرف جاتی تھی اور اس جگہ شارع خراسان کو کاٹ کر شارع شماسیہ اور شارع میدان واقع رصافہ سے جا ملتی اس وقت یہ سڑکیں دریا کے مشرقی جانب شمال

جنوب کو آمد و رفت کا خاص راستہ تھیں۔ شارع اعظم اُس سڑک کو کہتے تھے جو مخرم سے باغ ظاہر (دجلہ کے کنارہ پر واقع تھا) تک جسر اوسط کے قریب شروع ہو کر مخرم سے گذرتی باغ ظاہر کی مشرقی حد شارع اعظم اور دوسری طرف نہر موسیٰ تھی۔ معلوم نہیں کہ ظاہر کون تھا جس کے نام سے یہ باغ مشہور ہوا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ باغ ظاہر دجلہ کے کنارے نہر موسیٰ کے دہانہ پر تھا۔ اور نہر موسیٰ ہی اس باغ کو سیراب کرتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باغ ظاہر جسر اوسط کے قریب تھا۔ اس باغ کا ذکر ابن مقلہ[1] کے تذکرہ میں بھی آتا ہے اس نے اس جگہ ایک محل بنوایا تھا جس پر دو لاکھ دینار صرف ہوا اور کوئی بیس جریب کے قریب باغ کی زمین اس محل میں شامل کی گئی تھی۔ سنہ ۳۲۰ھ / ۹۳۲ء میں یہ قصر تعمیل کو پہنچا *

نہر موسیٰ مخرم میں جنوب مشرق سے شمال مغرب کو بہتی تھی۔ اور مخرم میں "باب سوق" کی راہ داخل ہوتی۔ اس کے مشرقی کنارہ سے چھ شاخیں نکل کر دجلہ میں گرتی خود نہر موسیٰ باغ ظاہر کے نیچے دجلہ میں گرتی۔ باغ کے قریب اور الشارع اعظم سے گذر کر نہر موسیٰ "سوق عمرو الرومی" سے گذرتی۔ معلوم نہیں کہ عمرو کون تھا غالباً وہی شخص ہے جس کی نسبت بلاذری لکھتا ہے کہ خلیفہ ہادی نے قزوین (واقع شمالی فارس) کا گورنر مقرر کیا تھا *

مخرم کے شمالی حصہ میں اور نہر موسیٰ کے کنارہ پر اور غالباً باب خراسان کے قریب خلیفہ معتصم کا قصر تھا۔ اس کے جنوب ایک بازار "درب الطویل" کے نام سے مشہور تھا سنہ ۲۱۸-۲۲۱ھ / ۸۳۳-۸۳۶ء میں خلیفہ اسی محل[2] میں رہتا تھا۔ بعد ازاں سامرا میں رہائش اختیار کی چونکہ چوتھی صدی ہجری کے شروع میں بھی کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اس لئے غالباً اس سے پہلے ویران ہو چکا تھا۔ نہر موسیٰ سے پیشتر اس کے کہ قصر معتصم اور

---

[1] ابو علی محمد بن علی بن حسین بن عبداللہ معروف با بن مقلہ ماہ شوال ۲۷۲ھ میں پیدا ہوا اتفاق حسنہ سے تین دفعہ وزیر ہوا اور تین ہی دفعہ دفن کیا گیا شاعر بھی تھا۔ واضع خط نسخ ہے قاہر باللہ اور اس کے بعد راضی باللہ کا وزیر ہوا۔ خلیفہ کے برخلاف سازش کی۔ نتیجہ ایک تحریر اُس کی ہاتھ کی ملی۔ اس لئے ہاتھ کاٹے گئے *

دربِ الطویل کے قریب پہنچتی ایک شاخ نکلتی جو وزیر ابن فرات کے محل کے باغات کو پانی دیتی تھی۔ علی ابن فرات خلیفہ مقتدر کا وزیر تھا اس کی وزارت کا زمانہ ۲۹۶-۳۱۲ھ تک رہا۔ اسی نہر کے ساتھ ساتھ قصر کی طرف شارع کرم العرش (یا کرم المعرش) جاتی تھی۔ اس کے قریب ہی "سوق العطش" تھی اس میں سے شاخ نہر موسیٰ تھی۔ "سوق العطش" حزم کا بہت آباد حصہ تھا خلیفہ مہدی کے عہد میں سعید الحرشی نے اسے بنوایا اور اسی جگہ اُس کا قصر بھی تھا جو اُسی کے نام سے موسوم تھا۔ یاقوت کے زمانہ میں کوئی شخص نہ بتا سکتا تھا کہ سوق العطش کہاں تھی اور کیا ہوئی۔ خلیفہ مہدی کا منشا تھا کہ اسے بجائے کرخ کے آباد کرے۔ چنانچہ بہت سے سوداگر اس جگہ لا بسائے۔ چونکہ اس جگہ ہر ایک قسم کا طعام ہمیشہ مل سکتا تھا اس لیے اس کا نام "سوق الراہ" رکھا مگر لوگوں نے اس کا نام سوق العطش مشہور کر دیا۔ اس کے متصل ایک اور چھوٹی سی منڈی "سویقہ الحرشی" تھی اور اس کے قریب "مربع" تھا جس میں حرشی کا محل "دار السعید" تھا۔ سعید الحرشی خلیفہ مہدی کی فوج کا جرنیل تھا۔ اسی نے "المقنع"[1] کی شورش کو فرو کیا۔

قصر معتصم کے جنوب میں نہر موسیٰ ایک پل کے نیچے جسے "قنطرۃ الانصار" کہتے تھے بہتی تھی۔ اسی پل کے قریب احمد ابن الخطیب کا محل تھا جو ۳۱۴ھ میں خلیفہ مقتدر کا وزیر تھا۔ اس سڑک کا نام جو قنطرۃ الانصار سے گذرتی معلوم نہیں لیکن غالباً شارع سعید ہو گی جو قصر معتصم کے قریب دربِ الطویل کو جاتی تھی۔

[1] خلیفہ مہدی کے عہد کے مشہور واقعات میں سے حکیم المقنع کا واقع ہے کوتاہ قد یکچشم مرو کا باشندہ تھا خدائی کا دعویٰ کیا اور اپنے علمی کمالات سے چاہ نخشب سے مصنوعی چاند نکالا جس کی روشنی چھ میل تک پہنچتی تھی ۱۶۱ھ بمقام ماوراء النہر میں علم بغاوت بلند کیا۔ خلیفہ کا لشکر مقابلہ میں آیا تو قلعہ بند ہو کر خودکشی کر لی۔ مقنع نے مسیلمہ کذاب کی طرح پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ انتہا درجہ کا بدصورت تھا اس لئے چہرہ پر ہمیشہ نقاب رکھتا تھا اور لوگوں کو کہتا کہ کسی فرد بشر کو تاب نہیں کہ میرے چہرہ کو دیکھیں جس طرح کوہ طور جل کر سرمہ ہو گیا اسی طرح اُس شخص کا حال ہو گا جو ایک نظر دیکھ پائے کیونکہ نورِ الٰہی کے دیکھنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے خلیفہ منصور کے عہد میں خراسان کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا اور خلیفہ کی فوج کو متواتر شکستیں دیں آخر مہدی کے عہد میں مغلوب ہوا۔

قنطرۃ الانصار کے پرے نہر موسیٰ سے تین چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتیں۔ ان کا پانی تین تالابوں میں گرتا۔ ان کو حوض داؤد۔ حوض ہیلانیہ۔ اور حوض الانصار کہتے تھے۔ حوض داؤد سوق العطش کے قریب تھا اور غالباً یہ حوض خلیفہ مہدی کے بیٹے داؤد کی یادگار تھا۔ خلیفہ کا ایک غلام بھی اسی نام کا تھا۔ درمیانی حوض کا نام ہیلانیہ تھا۔ ہیلانیہ ایک یونانی کنیز "ہیلینا" کا نام ہے۔ حرم شاہی میں اسے قہرمانہ کہتے تھے۔ یا تو یہ خلیفہ منصور یا ہارون الرشید کی کنیز تھی۔ بیان ہو چکا ہے کہ مغربی بغداد میں رباط ہیلانیہ باب محول کے قریب تھا "باب مقیر الکبیر" کے قریب گذر کر محزم میں بہتی تھی۔ چونکہ اس دروازہ پر قیر کا روغن ہوا تھا۔ اس لئے یہ نام ہوا۔ روغن قیر بغداد میں عمارتوں پر عموماً کام آتا تھا کہ نمی وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ یہ روغن عموماً کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک جگہ سے دستیاب ہوتا تھا۔ اس جگہ یہ روغن پانی سے مل کر سطح پر آ جاتا۔ اگرچہ ابتدائی حالت میں مٹی کی طرح نرم ہوتا۔ لیکن رفتہ رفتہ سخت ہوتا جاتا اور جب اس کا پلستر کیا جاتا تو عمارت پتھر کی نظر آتی۔ اس کا استعمال حماموں میں زیادہ تر تھا۔ حمام کی دیواریں اور فرش پر بھی روغن لگایا جاتا اور پھر ان پر پانی کا اثر نہ ہوتا یاقوت کے زمانہ میں بغداد میں ایک بازار "درب القیار" اسی روغن بنانے اور بیچنے والوں کا تھا غالباً اس کا دوسرا نام شارع القیارین تھا جو مغربی بغداد میں تھی۔

بقول یعقوبی شارع اعظم مغربی بغداد میں پہنچنے سے پیشتر دجلہ کے کنارے باب محزم کے قریب شاخ در شاخ ہو جاتی۔ ایک شاخ باب مقیر الکبیر کو جاتی نہر موسیٰ کی شاخ جو محزم میں بہتی اسی کے ساتھ ساتھ باب محزم کو جاتی۔ اس جگہ نہر مذکور قنطرۃ العباس دربار خلیفہ منصور کے نیچے بہتی۔ اس جگہ اس کا نام "خندق العباس" تھا۔ ایک شاخ باب محزم سے نکل کر جنوب کی طرف بہتی۔

باب محزم اور باب مقیر الکبیر کے درمیان شارع اعظم کی ایک شاخ تھی۔ شارع سعد الوصیف باب الکبیر سے قنطرۃ الانصار کو جاتی تھی۔ سعد الخادم خلیفہ متوکل کا عزیز غلام تھا۔ اسی سڑک پر قصر ابن الخطیب وزیر خلیفہ مقتدر تھا اور اس کے قریب

سویقہ حجاج الوصیف غلام خلیفہ مہدی تھا۔

باب مقیر الکبیر کے عین مشرق میں نہر موسیٰ سے چھ شاخیں نکلتیں۔ اسی جگہ باب عمار تھا۔ نہر مذکور اس جگہ سے "قصر بانوجہ" یا "قصر بانوفہ" کی طرف بہتی۔ یہ خلیفہ مہدی کی لڑکی تھی اور بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔ خاندان عباسیہ میں سے یہ پہلی تھی جو قبرستان خزران میں دفن ہوئی۔ خلیفہ کو یہ لڑکی بہت پیاری تھی۔ جب کبھی دار الخلافت کے باہر جاتا اسے ساتھ رکھتا۔ ایک دفعہ جب خلیفہ بصرہ میں گیا تو شہزادی بھی ساتھ تھی۔ مردانہ سیاہ لباس زیب بدن تھا۔ کمر میں تلوار لٹکتی تھی۔ سر پر عمامہ تھا۔ اس لباس سے بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ جب فوت ہوئی تو خلیفہ کو کئی روز غم رہا۔ لوگ آتے اور فاتحہ خوانی کے بعد صبر و شکر کی تلقین کرتے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا قصر نہر موسیٰ کے دائیں یا بائیں جانب تھا۔

قصر بانوجہ کے پرے نہر موسیٰ سوق الدابہ میں بہتی۔ اس جگہ سواری اور بار برداری کے حیوان فروخت ہوتے۔ اسی منڈی پر باب الدابہ تھا۔ اور اس سے کچھ فاصلہ پر جانب جنوب باب عمارہ تھا۔ معلوم نہیں کہ عمارہ کون تھا۔ باب عمار نے صرف غریب ہی نے لکھا ہے۔ غالباً باب عمارہ بھی ضرور دار عمارہ کے متعلق ہو گا اور اسی کی نسبت یاقوت اور خطیب لکھتے ہیں کہ مخرم میں تھا۔ یہ عمار ابو الخطیب کا بیٹا تھا جو خلیفہ مہدی کا حاجب تھا۔ ایک اور دار عمارہ مغربی بغداد میں بھی تھا۔ باب سوق الدابہ پہلی عمارت تھی جو نہر موسیٰ پر تعمیر ہوئی اور غالباً مشرقی بغداد کے تینوں محلوں کے جنوب مشرق میں تھی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نہر موسیٰ قصر ثریا کے قریب آکر شہر میں داخل ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ بھی اسی دیوار میں تھا جو خلیفہ مستعین نے بغداد کے دوسرے محاصرہ کے وقت یعنی ۲۵۱ھ ۸۶۵ء میں بنوائی تھی۔

قصر ثریا کے باہر تقسیم ثلاثہ پر نہر موسیٰ سے دو اور شاخیں داہنی کنارہ سے جانب جنوب بہتیں۔ ان میں سے ایک کو "نہر معلیٰ" کہتے تھے۔ معلیٰ خلیفہ مہدی کا غلام تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں فوج کا جرنیل تھا۔ بصرہ۔ اہواز۔ فارس۔

یمامہ۔ بحرین کا گورنر رہا نہر معلیٰ مخرم میں باب البرزہی کے راستہ داخل ہوتی اور شہر کے مکانات کے نیچے بہتی ہوئی باب سوق الثلاثہ پر جو بغداد کے منتہائے جنوب میں آتی اور اس جگہ شہر کو چھوڑ کر قصر فردوس میں داخل ہوتی اور اس کے باغات کو سیراب کرتی ہوئی دجلہ میں گرتی۔

قصر فردوس کے جنوب میں قصر حسنیٰ تھا۔ اس جگہ نہر موسیٰ کی تیسری شاخ بہتی اور قصر تاج کے باغات کو سیراب کرنے کے بعد دجلہ میں گرتی۔ باب العامہ قصر تاج کا عالی شان دروازہ تھا اسی راستہ یہ شاخ داخل ہوتی اور ملحقہ اراضیات کو سیراب کرتی۔ لیکن اس جگہ پہنچنے سے پیشتر یہ نہر باب قطیعہ مشجر میں داخل ہوتی۔ کچھ عرصہ گذرنے پر اس جگہ سوق ریحانین آباد ہوئی۔ مورخین قطیعہ مذکور کا تذکرہ صرف چوتھی صدی کے شروع ہی میں کرتے ہیں۔ مشجیر یا مشکیر او صیف خلیفہ معتضد کا پیارا ترکی غلام تھا۔ اور شاہی فوج کا ایک افسر تھا۔ یہ اصل میں خلیفہ معتمد کے مطبخ میں ملازم تھا۔ خلیفہ کو زہر دیکر مار ڈالا کہتے ہیں کہ معتضد کی سازش تھی اور اسی لئے ان خدمات کے صلہ میں اُسے اعلیٰ عہدہ دیا۔

آل بویہ کے دور دورہ سے پیشتر مشرقی بغداد کے ان تینوں محلوں رصافہ شماسیہ۔ مخرم کی یہی حالت تھی جو بیان ہو چکی ہے۔ ان کے گرد نصف دائرہ کی صورت میں ایک دیوار تھی جو باب شماسیہ سے شروع ہو کر باب سوق الثلاثہ پر خلفا کے محلات تک آتی۔

فصل یازدہم

آل بویہ

چوتھی صدی کے آغاز میں باب شماسیہ کے باہر "میدان" خلیفہ مقتدر کے حاجب مونس خادم کا محل تھا۔ خلیفہ وقت کے صغر سن اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے عورتیں محل کی فیصلہ مقدمات کے لئے بیٹھا کرتی تھیں۔ اس بات سے تمام امرا ناراض تھے۔ آخر ۳۲۲ھ / ۹۳۲ء میں مونس خادم کی شمشیر بغاوت سے خلیفہ اسی محل میں ذبح ہوا۔ مونس نے چاہا کہ خلیفہ کے بیٹے کو خلعت خلافت پہنا دے مگر ایک رکن دربار نے کہا کہ الحمدللہ کہ اس بادشاہ کی اطاعت سے نجات ہوئی جس کے عہد میں عورتیں مردوں پر حکومت کرتی تھیں۔ اب ایسے شخص کو حاکم کرنا چاہیے جس میں ہمیں بھی کچھ اختیار رہے۔ چنانچہ القاہر باللہ باتفاق رائے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ اسم بامسمیٰ تھا مقتدر کی اولاد کو قتل کیا والدہ مرض استسقاء میں مبتلا تھی اُسے بھی ستایا اور مونس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا۔ انجام کار قاہر بھی قہر الٰہی میں مقہور ہوا امرا باغی ہوگئے اندھا کر کے تخت سے اُتار دیا جمعہ کے روز اندھے فقیروں میں بھیک مانگتا ہوا مسجدوں میں پڑا پھرتا تھا اور مصیبت کے دن بھرتا تھا خلیفہ راضی۔ متقی کے زمانے میں بھی بدنظمی بدستور جاری رہی اور خلیفہ مستکفی کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس وقت یعنی ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء میں احمد بن بویہ نے بغداد پر یورش کی تمام نکھرام ترک اِدھر اُدھر بھاگ گئے ناچار خلیفہ خود نکلا اور اُس سے ملکر اظہار خورسندی کیا کہ تمہاری بدولت مجھے ترکان نکھرام

مخلصی ہوئی چنانچہ دونوں ساتھ بغداد میں داخل ہوئے احمد کو امیر الامرا معز الدولہ کا لقب مل گیا اُس نے تمام خزائن و دفاتر پر قبضہ کر کے اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا اور خلیفہ کے اخراجات ضروری کے لئے پانچ ہزار دینار روزانہ مقرر کر دئیے ۔

جبکہ اہل اسلام نے ملک فارس فتح کیا اور اہل فارس نے مذہب اسلام قبول کیا اور علوم عربیہ سیکھنے لگے اس وقت ملک ایک صوبہ خلافت اسلام کا تھا۔ یہاں تک کہ خاندان اُمیہ و عباسیہ میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور موخر الذکر غالب آئے اُس وقت سے جس قدر کہ سلطنت اسلام میں ضعف آتا گیا۔ اور تقسیم ہوتی گئی اُس قدر فارس میں بھی خود سری کی رُوح تازہ ہوتی گئی۔ یعقوب ابن الیاس نے ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) میں اس جگہ خود مختار بادشاہت کی بنیاد ڈالی اور خلفا کی حکومت سے نکال کر تمام ملک فارس کا دار السلطنت شہر شیراز مقرر کیا اِس کے بعد عمر اُس کا بھائی جانشین ہوا ۲۸۷ھ (۹۰۰ء) میں اسے تاتار کے خاندان سامانی نے مغلوب کیا۔ یہ قوم تاتاری خراسان اور ماوراء النہر میں ۳۸۹ھ (۹۹۹ء) تک حکومت کرتی رہی مگر مغربی حصہ فارس تھوڑی مدت کے لئے پھر خلفائے عباسیہ کے ماتحت ہو گیا ۔

آخر اس بدنظمی کے زمانے میں جبکہ بغداد میں مقتدر اور اُس کے جانشین حکمران تھے اور ترکوں کا زور تھا مغربی حصہ فارس پھر حلقہ خلافت سے نکل گیا اور بویہ کے تین بیٹوں احمد الدولہ۔ رکن الدولہ اور معز الدولہ کے ہاتھ آ گیا جنہوں نے اُس کو آپس میں تقسیم کر لیا اس وقت معز الدولہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور آخر کار خلیفہ المستکفی کو اندھا کر کے معزول کر دیا اور اُس کی جگہ المطیع کو تخت پر بٹھا دیا اس نے ۲۹ برس آل بویہ کے زیر سایہ بسر کر کے ۳۶۳ھ (۹۷۴ء) میں انتقال کیا ۔

احمد الدولہ کی موت کے بعد سلطنت بویہ اس کے جانشین عضد الدولہ کے ہاتھ آئی یہ بادشاہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عظیم الشان اور نیک چلن شمار کیا جاتا ہے اُس نے ۳۴ برس یعنی ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) سے ۳۷۲ھ (۹۸۳ء) تک بادشاہت کی فارس کی فیروزمندی اور خاندان بویہ کی شہرت اُس کے عہد میں ظاہر ہوئی اور اس پر اس کا خاتمہ بھی ہو گیا

اگرچہ اس کے جانشینوں نے اس بادشاہت کو پھر آپس میں تقسیم کرلیا اور اندرونی فساد کے سبب چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں مگر خاندان بویہ کی حکومت پھر بھی بغداد پر قائم رہی جس میں امیر الامراء کا لقب جاری رہا اور جن کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جس کو چاہئیں خلافت کی مسند پر بٹھلائیں اور جب چاہئیں معزول کردیں ؎

اس فصل میں ہم صرف اس امر کا تذکرہ کرینگے کہ آل بویہ نے بغداد میں کیا کچھ اپنی یادگار چھوڑی سنہ ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں معز الدولہ بمع افواج دیلمی بغداد پر نمودار ہوا اور شماسیہ پر اس کی فوج کے خیمے استادہ تھے۔ معز الدولہ بذاتِ خود قصر مونس میں اترا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد یہ قصر مسمار کیا گیا اور اس جگہ آل بویہ کے قصر تعمیر ہوئے یہ قصر اس قطع زمین پر واقع تھے جس کے ایک طرف باغ ظاہر اور شمال کی جانب "میدان" تھا جس جگہ معز الدولہ نے ایک بند باندھا یہ بند معز الدولہ نے نہر خالص کے پانی کو روکنے کے لئے بنوایا تھا۔ اس حصہ بغداد میں اس کا پانی اکثر بہ نکلتا اور بہت نقصان پہنچاتا ؎

آل بویہ کے محل بجائے خود ایک محلہ تھے ان کی جنوبی حد شارع خراسان تھی اور دائیں اور بائیں جانب ان کا سلسلہ شارع شماسیہ اور بردان تک چلا گیا تھا جامع مسجد رصافہ ابھی تک موجود تھی اور امام ابوحنیفہ کی خانقاہ کا محلہ دریا کے کنارے اور آل بویہ کے قصر کے درمیان آگیا تھا۔ مشرق کی طرف دار الروم جو کتاب الفہرست کے مطابق چوتھی صدی کے وسط تک نہایت آباد حصہ بغداد تھا۔ آل بویہ کے قصر کے شمال میں دجلہ کے کنارہ یعنی عین بالمقابل "فرضہ" تھا جو خندق طاہر کے دہانہ پر اور دجلہ کے مغربی حربیہ کے شمال میں تھا۔ آل بویہ کے قصر اور باغات کی شمالی حد "بند معز الدولہ" تھی جو دجلہ کے کنارے سے شروع ہو کر میدان شماسیہ چلا گیا تھا۔
اگرچہ فی زمانہ آل بویہ کے قصر کے آثار نہیں ملتے مگر خطیب جس نے ان کے دور دورہ سے ایک صدی بعد بغداد کی تاریخ لکھی ہے ان محلات کا مفصل ذکر کرتا ہے گو کہ اس کے زمانہ میں بھی خاک کے برابر ہو چکے تھے۔ خطیب لکھتا ہے کہ یہ قصر محرم کے

شمالی حصہ میں واقع تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شارع خراسان کے جانب جنوب تھے۔ خطیب انہیں دار المملکت سے تعبیر کرتا ہے اور ساتھ ہی قصر حسنی یا دار الخلافت میں بھی تمیز کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ قصر حسنی اس وقت پرانے نام دار الخلافت تھا اور دار المملکت بھی آل بویہ کے قصر تھے جو اس وقت خلیفہ اور خلافت دونوں پر قابض و مالک تھے۔ انہی قصروں میں ایک عرصہ تک دیالمہ اور سلجوقیہ کا دربار رہا۔

آل بویہ کا سب سے پہلا قصر معز الدولہ نے تعمیر کروایا۔ کہتے ہیں کہ اس پر ایک سو پچیس ہزار درہم (یا پانچ لاکھ پونڈ) صرف ہوا۔ معز الدولہ کا بند جسے "المسنات المعزیہ" کہتے تھے سنہ [illegible]ھ میں بھی شکستہ حالت میں موجود تھا۔ سنہ ۴۶۶ھ میں ریگستان کی طرف سے تند و صرصر ہوائیں اس زور سے چلیں کہ دریا میں سخت تلاطم برپا ہو گیا۔ نہروں میں کثرت سے پانی بھر آیا اور یہ بند بھی ٹوٹ گیا۔ اس طوفان نے مشرقی اور مغربی بغداد کو بہت نقصان پہنچایا۔ بقول ابن اثیر اسی قسم کا طوفان سنہ ۵۵۴ھ میں بھی آیا۔ اسی نہر کا پانی جسے ابتدا میں نہر فضل اور بعد میں نہرین کہتے تھے پھر ایک دفعہ بہ نکلا اور بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ ساتویں صدی میں یاقوت ایک اور طغیانی کا ذکر کرتا ہے جس کی وجہ سے اسی نہر نے بہت خانہ خرابی کی۔ یاقوت اسی نہر کی نسبت لکھتا ہے کہ کسریٰ یعنی کسی ایرانی بادشاہ نے قدیم زمانہ میں کھدوائی تھی اور نہروان کو بھی اسی نے دجلہ سے نکالا تھا اور اس نہر کو نہروان سے کاٹا۔ چونکہ پہلوی زبان میں کورہ نہر کو کہتے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ یہ بیان صحیح ہو۔

سنہ ۳۵۶ھ میں معز الدولہ کا انتقال ہوا۔ اُس کا بیٹا عز الدولہ اُس کا جانشین ہوا۔ گیارہ برس تک بغداد میں طوفان بے تمیزی برپا کیا۔ آخر اُس کے بھائی عضد الدولہ نے اُس کو معزول کر کے خود عنان مملکت ہاتھ میں لی۔

عضد الدولہ سنہ ۳۶۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا۔ اس کا نام اول عمارتوں کی وجہ سے جو بغداد میں تعمیر کروائیں ہمیشہ یادگار زمانہ رہیگا۔ انہی میں سے ایک شفاخانہ تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ مشرقی بغداد میں قصر معز الدولہ کو وسیع بلکہ از سر نو تعمیر کیا۔ حمد اللہ مستوفی

مصنّف گزیدہ لکھتا ہے کہ اسے قصر سلطان کہتے تھے۔ اور اس وقت ایک بے نظیر
عمارت تھی۔ عضد الدولہ نے اس قصر کو اور وسیع کردیا اس کے متصل ایک قطعہ زمین
معزالدولہ نے سبکتگین حاجب کو دیا تھا اس جگہ ایک نیا قصر تعمیر ہوگیا۔ اس میں ایک
وسیع صحن تھا جس کے چاروں طرف گنبد دار کمرے تھے۔ اس کا مغربی دروازہ دریائے
دجلہ کے رخ تھا۔ اس قصر میں عضد الدولہ دربار عام اور پرانے قصر میں دربار خاص کیا کرتا
اور اسی محل میں سرکاری دفتر تھا۔ اور صحن میں افواج دیالمہ گرد بسر کرتی۔ عضد الدولہ نے
اس قصر کے گرد ایک باغ بنوایا جس کی تعریف میں مورخین رطب اللسان ہیں۔ اس پر
لاکھوں روپیہ صرف ہوا یہ باغ اسی میدان میں تھا جس کا ذکر ہوچکا ہے۔ ابتدا میں
سبکتگین حاجب نے اسے چوگان بازی اور دیگر کھیلوں کے واسطے صاف و ہموار
کروایا۔ بعدازاں عضد الدولہ نے زرکثیر صرف کرکے باغ کے قابل زمین بنائی اور پھر
مختلف قسم کے بے شمار درخت لگوائے خطیب ایک شخص کے چشم دید حالات بیان کرتا
ہے کہ نئے قصر کے سامنے دجلہ کے کنارے جس قدر مکانات تھے عضد الدولہ کے
حکم سے منہدم کئے گئے اور ناہموار زمین کو کنکر پتھر وغیرہ سے صاف کیا گیا۔ گڑھوں
میں مٹی بھر کر زمین کو ہموار کردیا اور اُسے باغ کے ساتھ شامل کرلیا۔ لاکھوں روپیہ
صرف ہوا۔ میدان سبکتگین اور اس اراضی کے الحاق سے باغ نہایت وسیع ہوگیا
باغ کے گرد جانب دریا ایک بند باندھ دیا کہ طغیانی کے دنوں میں پانی نہ آسکے۔ اس پر
بیس لاکھ درہم صرف ہوا۔ عضد الدولہ نے خود اُس شخص سے اس لاگت کا حال بیان
(اسی ہزار پونڈ)
کیا جس کی خطیب روایت کرتا ہے۔ اس باغ کو سیراب کرنے کے لئے نہر خالص سے
پانی لانے کی ضرورت پڑی۔ خالص بغداد کے شمال میں کوئی چھ کوس کے فاصلہ پر
دجلہ سے جا ملتی تھی۔ انجینیروں نے کہیں ایک جگہ سطح کے نشیب و فراز کے لحاظ بند باندھے
تختے بچھائے جن کے اوپر سے نہر کا پانی آتا۔ دوجگہ مصنوعی مٹی کے ٹیلے بنائے اس جگہ
پانی قرب و جوار کی زمینوں سے بہت اونچی سطح پر بہتا۔ طغیانی کے موسم میں زاید پانی
روکنے اور نکالنے کے لئے بند اور حوض بنوائے سطح کو ہموار کرنے اور ان مکانات کو

جو راستہ میں حائل تھے گرانے کے لئے عضد الدولہ نے ہاتھیوں سے کام لیا۔ تیسری اور چوتھی صدی میں بغداد میں ہاتھی تھے اور غالباً ہندوستان سے لائے گئے۔ مسعودی کئی ایک موقع پر ہاتھیوں کا ذکر کرتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ۲۹۶ھ میں لیث بطور اسیر جنگ بغداد کے بازاروں میں ایک ہاتھی پر سوار کر کے پھرایا گیا تھا۔ ایک اور ہاتھی کی نسبت لکھتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ نے خلیفہ مامون کو تحفۃً بھیجا تھا۔ اس کا رنگ خاکستری تھا اس پر ۲۲۳ھ میں بابک[1] مردود کو سوار کر کے سامرا میں تشہیر

---

[1] بابک خرمی کی بغاوت خلیفہ مامون الرشید کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ ہے جاویدان ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا اور نہایت شہرت حاصل کی اس کے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ جاویداں کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے" ۲۰۱ھ (۸۱۶ء) میں اس نے بڑی قوت حاصل کی اور اسلامی سلطنت کے زوال کے درپے ہوا۔ ۲۰۶ھ (۸۲۱ء) میں عیسیٰ (گورنر آذربیجان و آرمینیہ) اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھائی۔ ۲۰۹ھ (۸۲۴ء) میں احمد اسکافی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا۔ ۲۱۴ھ (۸۲۹ء) میں محمد جس نے زریق کی پرزور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا۔ بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا۔

ہشادسر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا پیچ سلسلہ ہے۔ بابک نے یہاں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا۔ قلب فوج پر ابو سعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی اور عباس کو متعین کیا خود عقب میں رہا کہ ہر طرف دیکھ بھال رکھے۔

بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تھی۔ محمد کی فوج قریباً تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آ گیا تھا کہ دفعتاً اس کے رسالے کمینگاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آ گیا اور سخت ابتری پڑ گئی۔ ابو سعید اور محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی۔ محمد تنہا رہ گیا اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا۔ چاہا کہ کسی طرف نکل جائے۔ اس ارادہ سے چند قدم چلا تھا کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور الٹا پھرا ایک اور بہادر افسر بھی اس کے ساتھ تھا دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر مارے گئے مامون الرشید ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) تک زندہ رہا مگر اس کی زندگی میں بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اس کے سرداروں نے متعدد پرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

کیا گیا تھا اس نے خلیفہ معتصم کے عہد میں بغاوت کی تھی۔ اور آخر نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوا۔ خلیفہ منصور کے پاس بھی ہاتھی تھے جو عموماً جلوس کے ساتھ ہوتے۔ مسعودی اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ خچر اونٹ سے بہت نفرت کرتی ہے لیکن ہاتھی کی صحبت سے تو کوسوں دور بھاگتی ہے اور اسی پر ایک دلچسپ لطیفہ بھی لکھا ہے۔

غرض عضد الدولہ لاکھوں روپیہ صرف کرکے نہر شہر تک لایا۔ یہ نہر پختہ اینٹوں کی تھی۔ اسی سے باغ کی زمین سیراب ہوتی۔ اس پر پچاس لاکھ درہم خرچ آنا عضد الدولہ کا یہ بھی ارادہ تھا کہ اُن تمام مکانات کو جو بلغ ظاہر اور اس باغ کے درمیان تھے مسمار کرواکر دونوں باغوں کو ملا دے۔ لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ پانچویں صدی کے وسط تک عضد الدولہ کا قصر بغداد کا دار المملکت رہا جلال الدولہ نے جو عضد الدولہ کا پوتا تھا اور ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں برسر حکومت ہوا کچھ اور ہی تغیر و تبدل کیا اور بار خاص کو گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا۔ مصرع

ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

خاندان سلجوقیہ

عضد الدولہ کی وفات کے بعد آل بویہ میں جھگڑے فساد اور کشت و خون شروع ہو گیا سلطنت تقسیم ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئی۔ بغداد میں پھر بدنظمی کا زمانہ شروع ہو گیا خلیفہ مستکفی اور اُس کے جانشین مطیع و طایع و قادر کے عہد میں آل بویہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ القائم کے عہد میں دولت دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا اس وقت طغرل بیگ سلجوقی فارس و ترکستان پر قابض تھا۔ بغداد میں ارسلان ترکی بساسیری ایک سردار ایسا اُٹھا کہ تمام امرا و حکام اُس سے ڈرتے تھے۔ خلیفہ نے اُس کی نیت خراب دیکھ کر طغرل بیگ کو امداد کے لئے لکھا۔ ایک جنگ عظیم کے بعد بساسیری مارا گیا اور طغرل بیگ نے تمام فساد کا انتظام کر کے رکن الدین خطاب حاصل کیا۔ طغرل بیگ ۴۴۷ھ ۱۰۵۵ء میں بغداد میں داخل ہوا۔

قصر عضد الدولہ طغرل بیگ کے قبضہ میں آیا۔ اب دار المملکت کی جگہ اس کا نام دار السلطنت ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلجوقی آل بویہ کے جنوبی محلات میں رہتے تھے۔ سنہ ۴۴۸ھ میں طغرل بیگ نے قصر عضدی کی کچھ مرمت وغیرہ کی۔ اس کا ہمعصر مورخ خطیب لکھتا ہے کہ سنہ ۴۵۰ھ میں آگ لگ گئی۔ وقت پر اسباب وغیرہ نکال لیا۔ بعد میں پھر اسی شان و شوکت کا قصر تیار ہو گیا۔

اس نئے محل میں خلیفہ قائم کی بیٹی سے سلجوقی سلطان کا نکاح ہوا۔ یہ شادی ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔ اگرچہ طغرل بھی فتحمند سلطان تھا لیکن عموماً اہل بغداد کو یہ عقد پسند نہ آیا کیونکہ غیر کفو تھا۔

خاندان سلجوق میں سب سے زبردست بادشاہ ملک شاہ معز الدین ابو الفتح ابن الپ ارسلان تھا۔ سنہ ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں تخت نشین ہوا۔ ملک شاہ مع اپنے وزیر نظام الملک کے سنہ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں بغداد میں داخل ہوا۔ اور قصر مذکور میں اترا۔ قریباً ایک سو برس تک سلجوقیوں کا دور دورہ رہا۔ آخر انہیں بھی زوال آیا۔ خلیفہ تو ایک عرصہ سے برائے نام بادشاہ تھے خلافت بھی بغداد کی چار دیواری میں محدود تھی۔ آل بویہ کے قصر رفتہ رفتہ خاک میں مل گئے۔ سنہ ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں خلیفہ ناصر نے اُس کا رہا سہا نشان بھی مٹا دیا۔

خلافت عباسیہ کے آخری دو صدیوں میں ایک اور عمارت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جسے جامع السلطان کہتے تھے۔ یہ بغداد کی تیسری جامع مسجد تھی۔ سنہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں ملک شاہ سلجوقی نے اس کی تعمیر شروع کی۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں یہ مسجد دار السلطنت کا ایک حصہ تھا۔ یہ مسجد باغ ظاہر اور قصر سلجوقیہ کے درمیان تھی۔ سنہ ۵۸۰ھ میں ابن جبیر اس کی نسبت لکھتا ہے کہ "شہر پناہ سے باہر ہے" (شہر سے مراد اس جگہ نیا بغداد ہے جو مخرم کے جنوب میں خلفا کے قصروں کے گرد آباد ہوا) ابن جبیر بانی مسجد کے نام سے واقف نہیں وہ لکھتا ہے کہ "مسجد کے متصل قصر السلطان ہے۔ یہ سلطان خلیفہ ناصر کے آبا و اجداد کا سرپرست تھا اور اُس کا لقب شہنشاہ تھا۔ اسی محل میں رہتا تھا اور یہ مسجد بھی اُسی نے تعمیر کی۔ اس مسجد سے ایک میل کے فاصلہ پر محلہ رصافہ میں دوسری جامع مسجد ہے"

تعجب ہے کہ ملک شاہ کا نام اہل بغداد اس قدر جلد بھول گئے۔ ابن بطوطہ کے وقت بھی جامع السلطان اور جامع رصافہ موجود تھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجدیں اور خانقاہ امام اعظمؒ مغلوں کی دستبرد سے بچ رہی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں صرف مقبرہ امام اعظمؒ ہی مغربی بغداد کے شمالی محلوں کی یادگار ہے ✤

فصل دوازدہم

حریم خلافت

قصر باب الذہب مدینۃ المنصور کے مرکز میں اور قصر خلد لب دریائے جسر اوسط پر تھا۔ یہ دونوں قصر خلیفہ منصور نے تعمیر کروائے۔ انہی میں ایک نہ ایک وقت اُس کی رہایش رہی اگرچہ شہزادہ مہدی قصر رصافہ (واقع مشرقی بغداد) میں رہتا تھا مگر جب تخت و تاج کا مالک ہوا تو مغربی بغداد ہی کو الخلافت برقرار رکھا۔ اس کے دونوں بیٹے اور جانشین ہادی اور ہارون بھی اسی جگہ رہے ✤

جعفر برمکی وزیر خلیفہ ہارون الرشید نے مشرقی بغداد میں ایک قصر طیار کروایا کچھ عرصہ تک تو خلیفہ اس جگہ تقریباً کبھی کبھی آتے جاتے رہے مگر خلافت کی آخری چار صدیوں میں اس جگہ مستقل رہایش اختیار کی۔ یہ قصر جعفر مشرقی بغداد کے جنوبی حصہ میں دجلہ کے کنارے محلہ مخرم کے نیچے واقع تھا۔ اس لئے رصافہ سے کچھ فاصلہ پر ہوگا۔ قصر جعفر کے گرد رفتہ رفتہ خلفا کے اور محل بھی تعمیر ہوتے گئے اور بعد میں انہی کو دارالخلافت کہتے تھے۔ ابتدا میں جعفر برمکی کے محل کو قصر جعفر کہتے تھے لیکن چونکہ اسی قصر میں

مامون الرشید اور وزیر حسن ابن سہل رہے اس لئے اُن کے دور دورہ میں اسے قصر
مامونی اور قصر حسنی کہتے۔ جب سامرا سے دوبارہ خلافت بغداد میں منتقل ہوئی تو اسی
زمین پر عظیم الشان جامع القصر تعمیر ہوئی۔ اور قصر حسنی کے قریب دو اور محل قصر فردوس
اور تاج تعمیر ہوئے یہ تینوں قصر دجلہ کے کنارہ پر تھے ان کے پشت پر باغات تھے
جن میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قصر تھے۔

یاقوت ان تینوں قصروں کی مفصل تاریخ لکھتا ہے۔ قصر جعفری کی نسبت لکھتا ہے
کہ جعفر نوجوان تھا اس کا باپ یحییٰ ہارون الرشید کا وزیر تھا۔ نوجوان جعفر ہر وقت
نشہ میں ڈوبا رہتا۔ عیش و طرب کے سب سامان مہیا تھے شعرا مدحیہ قصاید لکھتے۔ فیاضی
کی تعریفیں ہوتیں۔ گویے میٹھی میٹھی راگنیاں سناتے۔ اس کا باپ ہمیشہ ملامت کرتا کہ
"بیٹا ہوش میں آؤ۔ ایک روز تم نے وزیر ہونا ہے۔ اگر تمہارے یہی لچھن رہے تو کام کس
طرح چلے گا۔ تمام خاندان کا نام بدنام کرتے ہو۔ اگر اور کچھ نہیں تو اتنا تو ہو کہ عوام الناس کو
تمہارے سیاہ کاریوں کی خبر نہ ہو" سعادتمند نوجوان جعفر نے والد بزرگوار کی نصیحت کے
آخری حصہ پر عمل کیا اور راگ رنگ کے جلسے پوشیدہ ہونے لگے۔ جعفر نے ایک اور
قصر محلہ مخرم کے جنوبی حصہ میں تعمیر کروایا۔ کہتے ہیں کہ قصر کی تعمیر شروع تھی کہ ایک دن
ہارون الرشید اس طرف آنکلا اور طرز عمارت اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کرنے
لگا۔ ایک دوست کے مشورہ پر جعفر نے عرض کی کہ "درحقیقت یہ قصر شہزادہ مامون
کے واسطے طیار ہو رہا ہے" مدعا یہ تھا کہ کہیں خلیفہ کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو جعفر
مامون کا اتالیق تھا۔ خلیفہ نے اس تحفہ کو خوشی سے منظور کر لیا۔ اور قصر جعفری قصر
مامونی بن گیا۔ اگرچہ اس پر آخر وقت تک برامکہ ہی قابض رہے۔ جعفر کے قتل کے بعد
یہ قصر مامون کے قبضہ میں آیا۔ اس نے اکثر حصہ عمر اسی میں بسر کیا۔ مامون نے اس
قصر کے نیچے ایک میدان چوگان بازی کے واسطے طیار کروایا بقول مسعودی بغداد
میں پہلا شخص جس نے چوگان کو رواج دیا خلیفہ ہارون الرشید تھا اور اسی نے وحشی
حیوانوں اور جانوروں کے واسطے ایک چڑیا گھر بنوایا۔ قصر مذکور میں مامون نے

دو دروازے بنوائے ایک تو اسی میدان کے رخ تھا اور دوسرے دروازے کے راستہ نہر معلی آتی۔ ماموں نے اس کے متصل ایک محلہ کی بنیاد بھی رکھی جو اسی کے نام پر مامونیہ مشہور ہوا۔ اس محلہ میں عموماً اس کے ملازم اور دیگر ہوا خواہ رہتے تھے۔ یہ سب کچھ ماموں نے خلیفہ ہارون الرشید کے آخری ایام میں اور خراسان کی حکومت سے پہلے کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ہارون الرشید نے امین اور ماموں میں سلطنت تقسیم کی اور مؤخر الذکر کو خراسان کی حکومت ملی تو کچھ عرصہ تک قصر مامونی غیر آباد رہا۔ ہارون الرشید کی وفات پر امین بغداد میں اور ماموں خراسان میں تھا۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ امین کو متواتر شکست دینے کے بعد طاہر اور ہرثمہ نے مغربی اور مشرقی بغداد کا محاصرہ کر لیا امین پہلے تو قصر خلد اور پھر مدینۃ المنصور میں محصور رہا۔ اور اس جگہ قصر باب الذہب میں بیٹھ کر مقابلہ کرتا رہا۔ ایک سال تک محاصرہ قائم رہا۔ اس عرصہ میں اگرچہ قصر خلد کو کچھ ایسا نقصان نہ پہنچا مگر قصر باب الذہب تو بالکل ویران ہو گیا۔ امین زندہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا اس واقعہ کے پانچ برس بعد ماموں بغداد میں داخل ہوا۔ اور اسی قصر خلد میں اقامت اختیار کی۔ پانچ برس تک حسن بن سہل بغداد کا گورنر رہا۔ اور قصر حسنی (ماموں) میں رہتا تھا۔ ماموں ایک عرصہ تک سہل کے دونوں بیٹوں حسن اور فضل[1] کے ہاتھوں میں رہا۔ فضل خراسان میں

[1] فضل بن سہل نسباً و مذہباً مجوسی تھا۔ سنہ ۱۹۰ھ میں ماموں کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ جعفر برمکی نے ہارون الرشید کی خدمت میں اس تقریب سے پیش کیا کہ شہزادہ ماموں کی مصاحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہارون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا اور آداب و سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا۔ فضل نے بڑھ کر عرض کی "امیر المومنین غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہوا" ہارون پھڑک اٹھا اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی۔ فضل شہزادگی کے زمانہ میں ماموں کا ندیم خاص رہا اور چونکہ ابتدا میں اس کے پر زور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی ڈوبنے سے بچائی تھی ماموں پر نہایت محیط ہو گیا تھا اور دربار میں کسی شخص کو اس کی مخالفت کا یارا نہ تھا اس خود پرستی کے سوا فضل میں اور تمام خوبیاں تھیں۔ نہایت فیاض۔ مدبر۔ فرزانہ۔ عالم دولت تھا علم نجوم کا بڑا ماہر تھا۔ سنہ ۲۰۲ھ (۸۱۸ء) میں ماموں کے اشارہ سے قتل کیا گیا اس کے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۶)

مامون کا وزیر اعظم تھا اور اُسی جگہ قتل ہوا۔ لیکن مامون نے باوجود اس کے کہ فضل سے ناراض تھا اور غالباً اُس کے قتل کا باعث بھی یہی تھا حسن کو وزارت کا عہدہ دیدیا۔ حسن کو بھائی کے موت کا سخت صدمہ گذرا۔ وہ اکثر روتا رہتا۔ مامون بھی اس حال سے واقف رہتا۔ اور جانتا تھا کہ ذوالریاستین یعنی فضل کے قتل کا شبہ اُسی پر کرتے ہیں مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلوں کو گرفتار کر کے لائے اُسے دس ہزار اشرفیاں انعام میں ملینگی۔ عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا جب یہ لوگ مامون کے سامنے پیش ہوئے تو دریافت کرنے پر سب نے کہا کہ جو کچھ کیا مامون کے حکم سے کیا۔ اس بیان کی پر یا اصل جرم کی پاداش میں یہ اور چند دیگر مشتبہ اشخاص مامون کے حکم سے قتل کیے گئے۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوائے اور نامہ تعزیت میں بہت کچھ رنج وغم ظاہر کیا اور لکھا کہ تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیے گئے ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دیکر کہا کہ "آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں" آخر اُسنے بھی مامون کو فرزندی میں قبول کیا۔ اور مامون کی شادی حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے ہو گئی ❖

اس شادی کی تقریب جس شوکت وشان کے ساتھ ادا ہوئی وہ اس عہد کی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۱۵) صندوق میں ایک حریر کے ٹکڑے پر عبارت اُس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۴۸ برس زندہ رہیگا۔ پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جاویگا۔ چونکہ وہ حمام میں مارا گیا تھا۔ اس لیئے اُس کی یہ پیش گوئی پورے طور سے صحیح تسلیم کی گئی ❖

حسن بن سہل پہلے فارس۔ رہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن کا گورنر مقرر ہوا۔ فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اس کے قدرشناسی اور فیاضیوں کے فسانے اکثر مشہور ہیں۔ نہایت فصیح اور بلیغ اور نکتہ شناس تھا۔ اُس کے دلاویز فقرے اور پرزور بلند تحریریں۔ ادب کی تصنیفات میں اکثر مثالاً پیش کی گئی ہیں عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف ومحبت سے پیش آتا تھا اور دادخواہوں کے حال پر از بس توجہ رکھتا تھا حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اُٹھایا فضل کے قتل کا اس کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ رات دن رونے اور فریاد کرنے سے مختل الحواس ہو گیا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کر پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ بمقام سرخس وفات کی۔ المامون

مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے عربی مورخوں کا دعویٰ ہے
کہ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی اُس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ ہماری محدود واقفیت میں
اب تک کسی نے اُن کے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں کی۔ بوران نہایت
قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی۔ ماموں مع خاندان شاہی وارکان دولت و کل فوج و تمام افسران
ملکی و خدام حسن کا مہمان ہوا۔ قصر حسنی میں برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات کی
ایسی فیاضانہ حوصلے سے مہمانداری کی گئی کہ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی نے بھی چند روز دولہا
کے لئے امیرانہ زندگی بسر کر لی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران
سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں۔ جن پر کاغذ لپٹے ہوئے
تھے اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام۔ املاک۔ خلعت۔ اسپ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی
ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی۔ نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے
حصہ میں جو گولی آئے اُس میں جو کچھ لکھا ہو اُسی وقت وکیل المخزن سے دلایا جائے۔
تمام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار نثار کئے گئے۔ ماموں کے لئے
ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کی تاروں سے بنایا گیا تھا اور گوہر و یاقوت
سے مرصع تھا۔ ماموں جب اُس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اُس کے قدم پر نثار
کئے گئے جو زرین فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے ماموں نے ابونواس
کا یہ مشہور شعر پڑھا اور کہا کہ ابونواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ
کر لکھا ہے

کان صغری وکبری من فواقعہا — جام شراب کے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں
حصباء در علی الارض من الذہب — کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں

زفاف کی شب جب نوشہ اور دلہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی
دولوں پر نچھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ (۵ کروڑ درہم) (ایک کروڑ
بیس ہزار روپیہ) کیا گیا ہے۔ قصر مامونی جس میں یہ دھوم دھام کی شادی ہوئی خلیفہ
نے حسن کو دیدیا تھا مگر دور اندیش وزیر نے اسے کچھ وسعت دے کر اور مرمت وغیرہ

کے بعد اپنی بیٹی بوران کو دیدیا۔ ملکہ بوران نے تمام عمر اسی قصر میں بسر کی۔ ماموں اور خلافت کے سامرا میں انتقال کے بعد بھی وہ زندہ تھی چونکہ حسن نے اس قصر کا اکثر حصہ از سرِ نو تعمیر کروا کر اس کی صورت بدل دی تھی اس لئے اس کا نام قصر حسنی ہی مشہور ہوا اگرچہ اسے مورخین اُسے کبھی قصر جعفری اور کبھی مامونی بھی کہتے ہیں ✣

سنہ ۲۱۸ھ میں ماموں کا جانشین اُس کا بھائی معتصم ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بعض اقوال کے مطابق معتصم کچھ عرصہ اسی قصر جعفری یا مامونی یا حسنی میں بھی رہا۔ لیکن بعد میں مخرم میں باب خراسان کے جنوب میں ایک اور محل بنوایا۔ اس قصر میں ۲۲۱ھ/۸۱۶ء یعنی دار الخلافت کے سامرا میں منتقل ہونے تک رہا لیکن ہمارا خیال ہے کہ اُس کی رہائش شروع سے اسی قصر میں رہی۔ کیونکہ قصر حسنی میں بوران رہتی تھی جو ابھی تک زندہ تھی۔ اور معتصم سے اولو العزم شہنشاہ سے یہ امر بہت بعید ہے کہ اُس نے اپنے محسن بھائی کی زوجہ کو اُس کے اپنے قصر سے نکال دیا ہو ✣

ہم بیان کر آئے ہیں کہ کس طرح معتصم کو بغداد چھوڑنا پڑا اور کس طرح سامرا پچاس برس تک آٹھ خلفائے عباسیہ کا دار الخلافت رہا۔ اگرچہ ان میں سے ایک خلیفہ مستعین اس طرف بھاگ کر آیا مگر سامرا ابھی تک خلیفہ کے وجود سے خالی نہ تھا۔ باغی فوج نے معتز کو تخت پر بٹھا دیا اور بعد ازاں بغداد کا محاصرہ کیا۔ خلیفہ مستعین قصر رصافہ میں محصور تھا۔ اور محاصرین کا زور زیادہ تر شماسیہ پر تھا۔ ۲۵۲ھ یعنی اس محاصرے سے مشرقی بغداد کے تینوں محلوں کی تباہی کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ یہ بغداد کا دوسرا محاصرہ مستعین کے قتل پر ختم ہوا۔ معتز اور اُس کے دو جانشین مہدی اور المعتمد برائے نام سامرا میں حکومت کرتے تھے۔ درحقیقت حکومت "باڈی گارڈ" کے ہاتھ میں تھی جو چاہتے کرتے ✣

۲۵۶ھ میں مہتدی قتل ہوا اور المعتمد مقام جوسق کے قید خانہ سے نکل کر مسند نشین ہوا۔ موسیقی کا بہت شوق تھا خود بھی گاتا بجاتا تھا اور رات دن راگ رنگ اور عیش و عشرت میں رہتا تھا۔ جا بجا بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ ملک سے بہبود خارجی نے

خروج کیا اور بلاد اسلام کو لوٹ مار سے تباہ کر دیا۔ لکھوکھا مسلمان اور سادات قتل و غارت کئے۔ یہاں تک کہ ایک ایک خارجی کے پاس دس دس علوی عورتیں خدمت میں تھیں معتمد تو اور رنگ میں تھا اُس کا بھائی موفق بڑا قابل اور نیک تھا اُس نے بہبود پر فوج کشی کی اور خاطر خواہ سزا دیکر سب قیدیوں کو چھڑایا۔ اور بہبود کا سر کاٹ کر دجلہ کے پل پر لٹکایا۔ اس دن تمام بغداد میں عید کی طرح خوشی ہوئی۔ مگر افسوس ہے معتمد نے بھائی پر بھی اعتماد نہ کیا اگرچہ اُس نے نہ صرف عام بغاوتوں کو ہی فرو کیا بلکہ خود سر ترکوں کا بھی قرار واقعی بندوبست کیا۔ بعض خود غرض حاسدوں کے کہنے سننے پر موفق کو قتل کیا۔ اس واقعہ کے بعد دار الخلافت سامرا سے بغداد میں منتقل ہوا۔ اور اس جگہ معتمد بقیۃ العمر یعنی چھ ماہ رہا اور سنہ ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) میں انتقال کیا۔ مگر دفن سامرا میں ہوا۔ اس وقت سے بغداد پھر مستقل دار الخلافت ہو گیا ؀

یاقوت بیان کرتا ہے کہ جس وقت معتمد سامرا سے بغداد میں آیا تو ملکہ بوران ابھی تک زندہ تھی اور اُسی قصر حسنی میں رہتی تھی۔ معتمد نے اس سے درخواست کی کہ اگر قصر حسنی کو خالی کر دو تو اس کے بجائے دوسرا قصر دیتا ہوں۔ خلیفہ وقت کی درخواست بھی حکم تھا بوران نے کچھ عرصہ کی مہلت مانگی اور اس عرصہ میں اُس نے قصر مذکور کی مرمت بھی کی اور نہایت آراستہ کر کے خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ قدم رنجہ فرماویں۔ خلیفہ جس وقت اس قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سونے کی تاروں سے بنے ہوئے اور گوہر و یاقوت سے مرصع فرش بچھے ہوئے ہیں۔ اور آگے بڑھا تو چند کمروں میں طلائی و نقرئی برتن کثرت سے دیکھے۔ اس کے ماسوا بوران نے غلام۔ کنیزیں اور خواجہ سرا نذر میں پیش کئے۔ خلیفہ نے بوران کی فیاضی کی بہت کچھ۔ تعریف کی۔ لیکن اس کے صلے میں جو کچھ دیا اُس کا حال معلوم نہیں ؀

یاقوت نے مذکورہ بالا واقعات خطیب کی تاریخ بغداد سے نقل کئے ہیں اور عادت کے موافق کہیں اس کا حوالہ نہیں دیتا۔ مگر خطیب بجائے معتمد کے مقتضد لکھتا ہے مقتضد سنہ ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) سے سنہ ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) تک حکمران رہا۔ خطیب اس روایت پر خود شک کرتا ہے

اور لکھتا ہے کہ بوران معتضد کی خلافت سے کچھ سال پہلے فوت ہو چکی تھی یعنی بوران کا انتقال ۲۷۱ھ میں ہوا اور معتضد کوئی آٹھ سال بعد تخت نشین ہوا۔ ۲۰۹ھ ۸۲۴ء میں بوران کی شادی ہوئی اور ۲۷۱ھ میں انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی عمر اسی برس سے متجاوز کر گئی تھی۔ یعنی قریباً ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ اس لئے یاقوت کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ معتمد ایک دفعہ پہلے بھی ۲۷۱ھ میں بغداد میں آیا تھا۔ اور اس جگہ کچھ عرصہ رہ کر سامرا میں واپس گیا۔ ہماری رائے میں خطیب اور یاقوت کی یہ روایت کہ خلیفہ نے بوران سے قصر حسنی مانگا غلط ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ بغداد میں بوران کے وفات کے بعد آیا اور شاید اسی تقریب پر آیا ہو کیونکہ ۲۷۱ھ میں بوران کا انتقال ہوا اور متوفیوں کی جائداد کا انتظام کر کے سامرا میں واپس چلا گیا۔

جب تک دار الخلافت سامرا میں رہا بغداد میں سلسلہ تعمیرات بند رہا۔ معتضد کے عہد میں پھر جاری ہو گیا۔ معتضد نے قصر حسنی کو اور وسیع کیا۔ قصر تاج کی بنیاد رکھی اور قصر فردوس اور ثریا کی تعمیر کی۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ قصر حسنی کے سامنے "میدان" تھا جہاں خلیفہ اور شہزادے چوگان کھیلا کرتے تھے معتضد نے اس زمین کو بھی محل میں لے لیا۔ اور "میدان" کے واسطے اس کے باہر جانب مشرق ایک جگہ تجویز کی۔ اور قصر کے گرد ایک دیوار کھینچ دی۔

قصر حسنی کے قریب جس جگہ نہر معلیٰ دریائے دجلہ سے ملتی تھی معتضد نے قصر فردوس طیار کروایا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس قصر کے باغات جنت کا نمونہ تھے نہر موسیٰ کی ایک شاخ باب الفردوس میں داخل ہوتی اور باغ کی زمین کو سیراب کر کے ایک حوض میں گرتی جو اسی جگہ قصر کے سامنے تھا۔ قصر حسنی سے دو میل کے فاصلہ پر نہر موسیٰ کے کنارے قصر ثریا تھا۔ معتضد کا ہمعصر مورخ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے قصر ثریا پر چار (چار لاکھ دینار) (دو لاکھ پونڈ) صرف ہوا یہ قصر تو میل کے دور میں تھا۔ قصر فردوس اور قصر ثریا کے درمیان ایک راستہ زمین کے اندر ہی اندر تھا۔ ۴۶۶ھ ۱۰۷۴ء میں دجلہ میں طغیانی آئی۔ بند ٹوٹ گیا اور تمام مشرقی بغداد عالم آب ہو گیا اور یہ زمینی راستہ بھی خراب ہو گیا۔

قصر فردوس اور ثریا کی تعمیر کے علاوہ معتضد نے عالی شان قصر تاج کی بنیاد رکھی۔ لیکن اس کی تکمیل اُس کے جانشینوں نے کی اور اسی قصر میں رہائش رکھی معتضد نے ابھی اس کی بنیاد رکھی ہی تھی کہ سنہ ۲۸۶ھ ۸۹۹ء میں عراق کے شمالی حصہ میں قرامطہ کی مہم پیش آئی۔ کہتے ہیں کہ اس سے فارغ ہو کر اُس نے قصر تاج کی تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ خوف تھا کہ مبادا قرب وجوار کے مکانات سے آگ لگ جائے۔

سنہ ۲۸۹ھ ۹۰۲ء میں معتضد کا بیٹا علی المکتفی اس کا جانشین ہوا اور چھ سال کے عہد میں ان امور کی تکمیل کی جو باپ ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ اُس نے ایک عظیم الشان جامع القصر تعمیر کی جو بغداد کی تین بڑی جامع مسجدوں میں دوسرے درجہ پر تھی۔ ایک تو مسجد رصافہ اور تیسری سلجوقیوں کی جامع السلطان تھی۔ معتضد کے عہد میں اس جگہ جہاں جامع القصر تعمیر ہوئی قید خانہ تھا۔ ابتدا میں اس میں صرف چند تنگ و تاریک کمرے تھے اور ان میں وہ کاریگر رہتے جو قصر حسنی کو طیار کر رہے تھے۔ علی مکتفی نے تخت نشینی پر اس کے مسمار کرنے کا حکم دیا اور اس جگہ جامع القصر تعمیر کروائی۔ یہ مسجد صرف خاندان شاہی کے لئے تھی۔ لیکن جب لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو بقول خطیب عشا کی نماز تک اس جگہ لوگوں کا ہجوم رہتا جامع القصر خلفائے عباسیہ کے آخری عہد تک موجود تھی۔ مغلوں کے محاصرہ کے وقت اسے آگ لگ گئی۔ اور کچھ حصہ جل گیا۔ مگر ہلاکو خاں نے بعد میں مرمت کرا دی۔ اگرچہ وہ پہلی سی آب و تاب نہ رہی۔ اس مسجد کے آثار اب بھی سوق الغزال کے شکستہ مناروں میں ملتے ہیں۔

علی مکتفی نے قصر تاج کی بھی تکمیل کی۔ اس کے مصالحہ کے واسطے قصر الکامل (معلوم نہیں کس نے بنوایا تھا) اور کسریٰ کے قصر ابیض (واقع مداین) کا ایک حصہ گرایا گیا۔ حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ قصر تاج کو کچھ عرصہ گذرنے پر دار الشاطبیہ کہتے تھے۔

قصر تاج فی الواقع ایک تاج کی صورت میں تھا۔ دریائے دجلہ پر قصر حسنی کے بعد واقع تھا۔ بنیاد کی حفاظت ایک بند کے ذریعہ کی گئی تھی جو دریا میں دور تک چلا گیا تھا۔ بنیادیں ایسی مضبوط تھیں کہ دجلہ کی طرف سے بے فکری تھی۔ یہ قصر پانچ

عالی شان محرابوں پر کھڑا تھا اور محرابیں دس ستونوں پر قائم تھیں۔ ان میں سے ہر ایک آٹھ فٹ بلند تھا۔

علی مکتفی نے قصر تاج کے متصل اور بھی عمارتیں بنوائیں جن میں مختلف اوقات مجلس وزرا و امرا و شعرا وغیرہ گرم ہوتی۔ کئی ایک مینار بنوائے ان میں سے ایک قبہ الحمیر (گدھے کا قبہ) تھا۔ یہ ایک لاٹھ تھی اس کی سیڑھیاں ایسی کشادہ اور اس وضع کی تھیں کہ خلیفہ ایک گدھے پر سوار ہو کر بلا تکلف چوٹی تک جاتا۔ قبہ الحمیر بلند بھی اس قدر تھا کہ تمام بغداد کا دلکش نظارہ چوٹی پر سے نظر آتا۔ قبہ کی صورت نصف دائرہ کی تھی۔ بقول مسعودی مکتفی کا اصطبل بھی قابل دید جگہ تھی جس میں نو ہزار سواری کے حیوان مثلاً گھوڑا۔ خچر۔ اونٹ وغیرہ تھے۔

۲۹۵ھ ۹۰۸ء میں علی مکتفی کی جگہ اُس کا بھائی المقتدر تخت نشین ہوا۔ قصر تاج کے گرد اور عمارتیں بنوائیں۔ قصر ثریا اور قصر تاج کے درمیان ایک پارک طیار کروائی جس میں وحشی حیوانات جمع کئے۔ خطیب نے قیصر "پور-فی-روجنیٹس" کے سفیروں کا حال جب وہ خلیفہ مقتدر کے عہد میں بغداد میں آئے لکھا ہے اُس سے ان قصروں کا ایک اجمالی نقشہ معلوم ہو سکتا ہے۔ سفیروں کو مشرقی بغداد کے شمالی حصہ میں اتار گیا تھا خلیفہ کے حضور باریاب ہونے سے پہلے اُنہیں ایسے راستہ سے لائے کہ ایک نظر عباسیہ جاہ و تجمل کو دیکھ کر حیرت زدہ ایک دوسرے کا منہ تکتا تھا۔ سفیر باب شماسیہ شارع اعظم کے راستے باب مخرم میں سے ہوتے ہوئے باب عامہ کی طرف لائے گئے۔ اس تمام راستہ میں دو رویہ سپاہ سوار و پیادہ کھڑی تھی۔ باب عامہ سے گذر کر اول قصر خان الخیل میں آئے۔ اس قصر کے ستون سنگ مرمر کے تھے قصر کے داہنی طرف پانچ سو خچریں زریں اور نقرئی زینوں سے کسی ہوئی کھڑی تھیں بائیں جانب اور پانچ سو خچریں تھیں جن پر زربفت کی جھولیں تھیں ہر ایک خچر کی لگام ایک ایک غلام کے ہاتھ تھی جو شاندار وردی پہنے کھڑا تھا۔ اس کے بعد ایک چڑیا گھر تھا اس میں بے شمار کمرے اور ان میں مختلف قسم حیوان اور جانور تھے۔ بعض حیوان

تو انسان سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ انہیں دیکھ کر دوڑ کر ان کے ہاتھ سے
کھاتے۔ فیل خانہ میں چار ہاتھی تھے ان پر بھی زربفت کی جھلیں تھیں اور ہر ایک
کی پشت پر ملک سندھ کے آٹھ آٹھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ شیر خانہ میں ایک سو
شیر ببر تھا۔ ہر ایک شیر کے پاس ایک ایک محافظ تھا۔ شیروں کی گردن میں زنجیر تھے
اس کے بعد زرافہ۔ بندر۔ چیتا۔ مختلف قسم کے شتر۔ ہرن۔ شتر مرغ اور کئی قسم کے حیوان
اور پرندے دیکھنے میں آئے۔ اس کا بانی ہارون الرشید تھا۔ اس نے اور اسکے جانشینوں
نے ان حیوانوں اور پرندوں کو بغداد میں جمع کیا۔ عضد الدولہ کو تو اس سے خاص
دلچسپی تھی وہ اکثر اس جگہ آتا اور دیر تک ان کا تماشا دیکھتا رہتا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ
نے بوستاں میں اشارہ کیا ہے ؎

عضد را پسر نیک رنجور بود — شکیب از نہاد پدر دور بود
یکی پارسا گفتش از روی پند — کہ بگذار مرغان وحشی ز بند
قفسہائے مرغ سحر خواں شکست — کہ در بند ماند چو زنداں شکست
نگہداشت بر طاق بستاں سرای — یکی نامور بلبل خوش سرای
پسر صبحدم سوئے بستاں شتافت — جز آں مرغ بر طاق ایواں نیافت
بخندید کائے بلبل خوش نفس — تو از گفت خود ماندہ در قفس

شاید سب سے مشہور عمارت جو خلیفہ مقتدر نے تعمیر کروائی دار الشجرہ تھی۔ یہ نام
ایک مصنوعی درخت کی وجہ سے پڑا۔ دار الشجرہ کے صحن کے ایک وسیع حوض میں
سونے کا ایک درخت تھا جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گدے تھے اور ہر
گدے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے
جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے گئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں اور پتوں کا دھوکا
ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی
اور نقرئی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے ہوئے تھے کہ ہوا کے چلنے کے
وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے۔

اس درخت کا وزن (پانچ لاکھ درہم) (پچاس ہزار اونس) تھا۔ حوض ہر وقت صاف و شفاف پانی سے لبریز رہتا۔ اس کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار نہایت قیمتی دیبا و حریر کی وردیاں پہنے مرصع زریں تلواریں لگائے اور ہاتھوں میں نیزے لیئے اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ گویا دائیں جانب والے بائیں طرف والوں پہ حملہ کیا چاہتے ہیں +

مقتدر کے زمانہ میں قصر فردوس کے کمروں میں دس ہزار مرصع سپریں۔ اور ایک کمرہ میں جو چار سو اسی فٹ طول میں تھا دس ہزار منقش زرہ بکتر اور اسی قدر دیگر آلات حرب تھے +

قصر فردوس کے قریب ایک اور محل تھا جسے الفوس المحدث کہتے تھے یہ قصر باغان کے وسط میں تھا اس کے وسط میں ایک حوض قلعی کا بنایا ہوا تھا جس میں ایک قلعی کی نہر سے پانی آتا۔ کہتے ہیں حوض اور ندی صیقل شدہ چاندی سے بھی بڑھ کر آبدار تھی۔ یہ حوض ۴۸ فٹ لمبا اور ۳۲ فٹ چوڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف چار عالی شان خیمے تھے ان میں چار مرصع زرنگار تخت بچھے ہوئے تھے۔ اس حوض کے گرد باغ پھیلا ہوا تھا جس میں بے شمار روشیں تھیں۔ چار سو اعلیٰ قسم کے کھجور کے درخت ان میں سے ہر ایک کی بلندی صرف آٹھ فٹ تھی۔ جو ساگوان کی لکڑی میں جڑا سے تھا ان پر تانبے کے سنہری ملمع کیئے ہوئے چھلے چڑھے ہوئے تھے ان درختوں سے اعلیٰ قسم کی کھجوریں پیدا ہوتیں اور قریباً ہر ایک موسم میں پھل دیتے۔ باغ میں۔ خربزے۔ تربوز اور دیگر قسم کی پھل بھی پیدا ہوتے +

غالباً قصر تاج اور دجلہ کے قریب وہ خوبصورت مختصر سا باغ تھا جسے مقتدر کے بھائی اور جانشین القاہر نے لگوایا تھا۔ بقول مسعودی (جو قاہر کا ہمعصر تھا اور غالباً یہ باغ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا) بدقسمت قاہر جب تخت سے اتارا گیا تو اسی باغ میں اپنے بھتیجے خلیفہ راضی کے سامنے حاضر کیا گیا مسعودی بروج الذہب میں معزول شدہ قاہر اور خلیفہ راضی کی ملاقات کے صحن میں باغ کی نسبت لکھتا ہے کہ

خلیفہ قاہر نے قصر کے ایک صحن میں ایک جریب کے قریب قطعہ زمین پر باغ لگوایا تھا۔ اس میں رنگتروں کے درخت تھے جو بصرہ اور عمان سے منگوائے گئے تھے اور ہندوستان کے پیوندی رنگترے تھے۔ رنگترے سرخ زرد رنگت کے ستاروں کی طرح لٹکتے نظر آتے۔ شاخوں کے گرد مختلف قسم کی بیلیں تھیں اور مختلف قسم خوشبودار بوٹیاں اور پھول تھے۔ اسی صحن کے ایک حصہ میں ایک مختصر سا چڑیا گھر تھا جس میں طوطے۔ فاختہ اور مختلف اقسام کے پرند دور و دراز ملکوں سے اس جگہ لائے گئے تھے۔ خلیفہ قاہر اس جگہ اکثر آکر بیٹھتا اور نبیذ کا دور چلتا ✦

دار الشجرہ کا مختصر حال ہم لکھ آئے ہیں مقتدر کے بعد آخری خلفا کے عہد میں قید خانہ تھا اور قید خانہ بھی عباسیہ خاندان کے لوگوں کا۔ خلیفہ وقت اپنے رشتہ داروں کو اس جگہ نظربند رکھتا۔ اگرچہ اُن کے واسطے عیش و عشرت کے سب سامان مہیا تھے لیکن قصر کی چار دیواری سے باہر جانے کا حکم نہ تھا ✦

مذکورہ عمارتوں کے علاوہ اور بھی قصر تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں جب آل بویہ کا دور دورہ تھا اور خلفا برائے نام بادشاہ تھے اور امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا اس وقت اُن کا کام صرف یہی تھا کہ عیش و عشرت کے سامان مہیا کرتے۔ کشک سے بنوائے اور چین سے بسر کرتے۔ اس وقت ان قصروں کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عضد الدولہ کا خزانچی کہا کرتا تھا کہ مشرقی بغداد کا وہ صرف حصہ جہاں خلفا کے قصر ہیں شہر شیراز کے برابر ہے۔ شیراز اس وقت آل بویہ اور فارس کا پایۂ تخت تھا ✦

دولت دیالمہ کے زوال سے ایک سو پچاس برس بعد جب سلطان سنجر سلجوقی خلافت کا سرپرست تھا خلیفہ مسترشد نے قصر تاج کے ساتھ ایک اور وسیع کمرہ ایزاد کیا۔ اس جگہ امرا و وزرا خاص خاص خوشی کے دنوں میں مبارکباد کے لئے جمع ہوتے۔ اسے باب الحجرہ کہتے تھے اس جگہ بیٹھ کر خلیفہ مسترشد اور اُس کے جانشین دربار کرتے اور امرا وزرا اور سلاطین سلجوقیہ کو خلعت وغیرہ دیتے

خلفاء عباسیہ کی فہرست میں دو ایسے نام ہیں جن میں صرف "ق" اور "ف" کا فرق ہے۔ ان دونوں میں دو سو پچاس برس کا عرصہ ہے خلیفہ "مکتفی" کے عہد میں قصر تاج کی تعمیر ہوئی اور "مقتفی" کے زمانہ میں یہ قصر جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ سنہ ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) میں ایک روز تیرہ و تار گھٹائیں اٹھیں۔ قصر تاج پر بجلی گری نو دن تک اس سے آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے آخر یہ قصر اور اُس کے ساتھ قبۃ الحمیر جل کر خاک ہو گئے۔ خلیفہ مقتفی نے حکم دیا کہ قبۃ الحمیر کی از سر نو تعمیر ہو لیکن اس حکم کی پوری تعمیل ہونے سے پیشتر اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کے جانشین نے تعمیر بند کر دی سنہ ۵۷۴ھ تک یہ ایک جھلسی ہوئی شکستہ عمارت تھی۔ جب المستفی خلیفہ ہوا تو اسے بھی گروا دیا۔ قصر تاج کو بالکل زمین کے برابر کر دیا اور اسی جگہ ایک نیا قصر تاج بنوایا جو پہلے قصر کے بہت مشابہ تھا اور اُسی طرح دریا پر اپنا سایہ ڈال رہا تھا۔ مگر اس کا کچھ حصہ معتضد کے بند پر بھی تھا اور اس کی محرابوں میں دریا کا پانی لہریں لیتا تھا یہ خوبصورت عمارت دریا سے اٹھتی ہوئی نہایت دلکش منظر تھی۔ قصر تاج پانی کی سطح سے ایک سو پانچ فٹ بلند تھا اور پہلے قصر تاج کی طرح پانچ محرابوں پر کھڑا تھا جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں مرکز میں ایک ستون محراب اوسط کو سہارا دئے ہوئے تھا۔ انہی محرابوں پر کل عمارت ایستادہ تھی خلافت کے آخری زمانہ میں یہ نیا قصر تاج عباسیہ شان و شوکت کا نمونہ تھا۔ اس کے نیچے دجلہ پر کشتیاں تھیں جن پر بیٹھ کر خلفا رقہ کے باغات کی طرف جاتے جو اسی قصر کے عین بالمقابل مغربی کنارہ پر دور تک چلے گئے تھے۔ اسی قصر میں خلفاء امرا و وزرا سے بیعت لیتے۔ اس وقت خلفا ایک قبہ کے نیچے بیٹھتے اور قصر کے صحن میں اراکین سلطنت صف باندھے دست بستہ نظر آتے ٭

خلفاء عباسیہ کے بڑے بڑے قصروں کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان کے گرد ایک دیوار تھی جس میں بہت دروازے تھے گویا یہ قصر بجائے خود ایک شہر تھے جس کی حفاظت کے واسطے ایک دیوار کھینچی گئی تھی۔ اُسے ”حریم“ کہتے تھے۔ اور بقول حمداللہ مستوفی اسے ”حریمیں“ کہتے تھے۔ غالباً حمداللہ کی مراد اندرونی اور بیرونی حرم ہے۔

یہ تحقیق نہیں ہوا کہ ان قصروں کے گرد دیوار کس نے بنوائی تھی۔ معتضد نے سامرا کو چھوڑ کر بغداد میں مستقل رہائش اختیار کی اور قصر حسنی کو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور وسیع کیا۔ اور اسی قصر کے گرد ایک دیوار بنوائی جس دیوار کا یاقوت ذکر کرتا ہے شاید یہ دیوار اس کا ایک حصہ ہو گی۔ لیکن وہ دیوار تمام قصروں کے گرد نصف دائرہ کی صورت میں تھی اور باغات کے اوپر دجلہ کے کنارہ سے شروع ہو کر پھر قصر تاج کے نیچے کنارہ دریا پر ظاہر ہوتی اس دروازہ میں سات دروازے تھے۔

حریم کی مغربی حد دریا دجلہ تھی اور شمال و مشرق اور جنوب میں مشرقی بغداد کے تینوں محلے رصافہ۔ شماسیہ اور مخرم تھے۔ ان محلوں کے گرد ایک دیوار تھی۔ جس میں چار دروازے تھے۔ ایک شمالی رخ۔ دوسرا مشرقی جانب اور ایک جنوب کی سمت تھا۔ اس لئے یہ دروازے ایک سلسلہ میں قصر حریم کی دیوار کے کم و بیش متوازی تھے۔

بقول یاقوت حریم مشرقی بغداد کے ایک ثلث کے برابر تھی۔ شہر اور حریم کے درمیان ایک دیوار تھی جس میں سات دروازہ تھے ان میں سے تین شمالی رخ اور ان کے بعد شمال مشرقی کونے میں دو بڑے بڑے دروازے تھے۔ ان کے بعد سوائے باغ کے ایک چھوٹے سے دروازے کے ایک میل تک کوئی اور دروازہ نہ تھا ایک اور دروازہ قصر تاج کے بعد اور دجلہ کے قریب تھا۔ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا ؞

اس دیوار میں سب سے پہلے دروازہ کا نام باب الغربہ تھا۔ غربہ ایک قسم کا درخت ہے جو بابل میں پیدا ہوتا ہے اس جگہ بھی یہی درخت تھے۔ اس کے قریب دجلہ کے کنارہ پر مشرعہ الابرین تھا۔ اس کا ذکر مورخین اسی دیوار کے دوسرے دروازے باب سوق التمر کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں دروازوں میں کچھ بہت فاصلہ نہ تھا حریم کے ایک قصر دار القطوبیہ میں باب سوق التمر سے راستہ جاتا تھا۔ یاقوت کے زمانہ میں یہ محل اور دروازہ دونوں بند تھے دروازہ تو خلیفہ ناصر نے چنوا دیا تھا معلوم نہیں کہ قصر کس لئے غیر آباد ہو گیا ؞

باب الغربہ کے نزدیک حریم میں دو اور قصر تھے۔ انہیں دار الخاتون اور دار السیدہ کہتے تھے۔ یہ دونوں قصر خلیفہ مقتدی کی بیٹی کے تھے۔ خلیفہ مقتدی ۴۶۷ سے ۴۸۷ھ تک (۱۰۷۵-۹۴ء) حکومت کرتا رہا۔ یہ دونوں قصر "دار الریحانیین" کی تعمیر پر گرا دئے گئے تھے۔ باب سوق التمر کے قریب قصر التمر تھا۔ اس کے سامنے چبوترے تھے جہاں لوگ خشک کھجور فروخت کرتے۔ ان لوگوں کے مکانات شہر کے اس حصہ میں تھے جو حریم کے شمال میں تھا۔ اس جگہ سے ایک سڑک اس حصہ سے گذر کر شہر کے شمالی دروازہ میں داخل ہوتی۔ بڑی سڑک شارع سوق الثلاثہ تھی جو باب قصر السلطان کو آتی ؞

حریم میں اور غالباً باب الغربہ کے قریب جانب جنوب عظیم الشان مدرسہ مستنصریہ تھا زمانہ حال میں بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن اس کے قریب کے قصروں کا نشان نہیں ملتا۔ چونکہ مدرسہ کی تکمیل ۶۳۱ھ میں ہوئی تھی اس لئے یاقوت اس کی نسبت کچھ نہیں لکھتا وہ اس سے کچھ سال پیشتر بغداد کے حالات قلم بند کر چکا تھا۔ اس لئے تحقیق نہیں

یہ مدرسہ حریم کے کس حصہ میں واقع تھا۔ خلیفہ مستنصر بد قسمت مستعصم کا باپ تھا جس پر
خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ خلفائے عباسیہ کے نام پر یہ بڑا دھبا تھا کہ جہاں انہوں نے
عالیشان عمارتیں کروڑہا روپیہ صرف کر کے بنوائیں ایک مدرسہ نہ بنوایا۔ بغداد میں اس وقت
جس قدر مدرسہ تھے سب غیر ممالک کے باشندوں کی فیاضی کی یادگار تھے۔ خلیفہ
مستنصر نے اس داغ کو دھویا۔ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ جس عظمت و شان کا یہ مدرسہ
بنا اُس کی نظیر سے گذشتہ اور موجودہ دونوں زمانے خالی ہیں ۶۲۵ھ ۱۲۲۷ء میں دجلہ کے
کنارے اُس کی بنیاد کا مبارک پتھر رکھا گیا۔ اور چھ برس کی مدت میں سلسلہ عمارات
پورا طیار ہوا۔ عمارت کا ایک حصہ عین دجلہ میں تھا۔ ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء ماہ رجب جمعرات کے
دن اُس کی رسم افتتاح بڑی شوکت و شان سے ادا ہوئی جس میں بغداد کے تمام اعیان
و افسران فوج و علما و مدرسین و قضاۃ و اہل منصب شریک تھے۔ خلیفہ نے تمام اعیان
و امرا کو خلعتیں عنایت کیں اور موید الدین ابو طالب علقمی کی جس کے اہتمام میں عمارت
طیار ہوئی تھی جاگیر مضاعف کر دی۔ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) اونٹ پر لاد کر عمدہ عمدہ کتابیں
کتب خانہ شاہی سے اُس کے استعمال کے لئے آئیں ابن الوقت بیان کرتا ہے
کہ مدرسہ کے متعلق "لائبریری" میں مختلف علوم کی نادر کتابیں اس ترتیب سے رکھی ہوئی
تھیں کہ طلباء بآسانی جو کتاب چاہتے نکال سکتے حالانکہ ان کتب کا شمار نہ تھا کس قدر
ہیں۔ اور اگر کسی طالب علم کو کسی کتاب کے نقل کرنے کی ضرورت ہوتی تو اجازت
تھی بلکہ کاغذ۔ قلم۔ دوات مدرسہ کی طرف سے ملتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دارالاقامت
(بورڈنگ ہاؤس) میں طلبا کو ہر ایک چیز چارپائی۔ بستر۔ فرش۔ خوراک۔ چراغ۔ روغن
وغیرہ بھی ملتا۔ ۲۴۸ طلبا تو مدرسہ کھلنے کے ساتھ ہی بورڈنگ میں داخل ہوئے۔
ان کے دسترخوان پر معمولی کھانے کے علاوہ شیرینی اور میوے بھی چنے جاتے تھے۔
ان سب کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار الگ وظیفہ کے طور پر مقرر تھے۔ مدرسہ میں ایک
مزملہ بھی تھا (جس سے گرمیوں میں پانی ٹھنڈا کرتے ہیں) ایک حمام تھا۔ اور ایک
شفاخانہ تھا۔ اس میں ایک حکیم مقرر کیا گیا۔ اس کا فرض تھا کہ دن رات میں دو دفعہ

مستنصریہ میں حاضر رہے۔ اور دارالاقامت کی خاص دیکھ بھال کرے۔ جو طلباء بیمار ہوتے اُن کے واسطے نسخے تجویز کرتا۔ مدرسہ کے متعلق ایسے بہت سے کرے تھے جن میں خورد و نوش کا سامان بکثرت موجود تھا۔ علاوہ ازیں دوائیں بھی بافراط موجود تھیں۔ سینکڑوں دیہات اور مواضع مدرسہ کے سالانہ مصارف کے لئے وقف تھے جن کی مجموعی آمدنی (ستر مثقال سونا) (۳۳ سیر) یعنی ۶۲۵۰۴۴ روپیہ سالانہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہا اور شیخ الحدیث۔ شیخ النحو۔ شیخ الفرایض۔ شیخ الطب درس کے لئے مقرر ہوئے۔ حنفیوں کے مدرس اعظم شیخ عمر ملقب بہ رشید الدین فرغانی تھے جو فقہ۔ اصول۔ حکمت۔ کلام میں بڑے ماہر گنے جاتے تھے۔ پہلے سنجار کے مدرسے میں مدرس تھے پھر مستنصر باللہ نے بذریعہ فرمان بلالیا تھا۔ مدرسہ کے دروازہ پر ایک ایوان تھا جس میں ایک نہایت عجیب اور بیش قیمت گھڑی رکھی ہوئی تھی۔ اسے صندوق الساعت کہتے تھے۔ اس سے نہ صرف دن اور رات کے اوقات پر صدائیں آتیں بلکہ نماز پنجگانہ کا وقت بھی بتا دیتا اس گھڑی کو علی بن تغلب بن ابی الضیا بعلبکی ایک مشہور ہیئت داں و منجم نے طیار کیا تھا جو بعد میں "الساعاتی" یعنی گھڑی ساز مشہور ہوا۔

خلیفہ مستنصر باللہ کو تو اس مدرسہ سے خاص انس تھا۔ ہر روز بلاناغہ ایک دفعہ مدرسہ میں آتا۔ مدرسہ کے ساتھ اُس نے ایک باغ لگوایا اس میں ایک "منظرہ" تھا جہاں کالج نظر آتا تھا۔ اس جگہ خلیفہ دیر تک بیٹھا رہتا اور جو کچھ کالج میں ہوتا اُسے دکھائی دیتا۔ اُسے پروفیسروں کے لکچروں اور طلباء کے سوالوں اور اس پر فلسفیانہ بحثوں کا ہر ایک حرف سُنائی دیتا۔

خوش قسمتی سے مدرسہ مستنصریہ مغلوں کی دستبرد سے بچ رہا تھا۔ چنانچہ اس کی تعمیر سے ایک سو سال بعد جب ابن بطوطہ بغداد میں آیا تو کالج کی عمارت اُسی طرح موجود تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "سوق الثلاثہ کے وسط میں مدرسہ نظامیہ اور نظامیہ کے آخر میں مدرسہ مستنصریہ ہے۔" مذکورہ بالا حالات کی تائید اس کے بیان سے ہوتی ہے۔

مدرسین کی نسبت لکھتا ہے کہ مدرس ایک چھوٹے چوبین قبہ میں ایک چوکی پر سیاہ کپڑے پہنے ہوئے اور عمامہ باندھ کر بکمال عز و وقار بیٹھتا ہے اس کے دائیں اور بائیں دو اور شخص ہوتے ہیں جو مضمون کہ مدرس بیان کرتا ہے دونوں شخص اُسے مکرر بیان کرتے ہیں۔ اسی طریقہ و ترتیب سے ہر مجلس میں منجملہ مجالس اربعہ تدریس ہوتی ہے*

حمد اللہ مستوفی ابن بطوطہ کے بارہ برس بعد مستنصریہ کی نسبت لکھتا ہے کہ بغداد میں "بینظیر عمارت ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ حوادث زمانہ کا اثر اس پر بہت کم ہوا۔ کیونکہ اُس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر موجودہ کشتیوں کے پل سے شروع ہو کر اس کے کھنڈرات اور در و دیوار شکستہ دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ناصر الدین شاہ ایران نے اپنے سفرنامہ میں اُس کی گذشتہ شوکت یاد دلانے والی ٹوٹی ہوئی عمارت کا ذکر کیا ہے ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عرب را

خلیفہ مستنصر نے اس مدرسہ کے علاوہ اور بھی کام کئے منجملہ اس کے جامع القصر کی مرمت کی۔ اس جگہ نماز جمعہ کے بعد مستنصریہ کے طلبا جمع ہوتے اور علمی بحثیں ہوتیں۔ اس مسجد کے آثار فی زمانہ سوق الغزال میں مدرسہ مستنصریہ کے جانب مشرق کچھ فاصلہ پر پائے جاتے ہیں سنہ ۱۸۷۵ء میں یورپی سیاح بغداد میں آیا اُس کا بیان ہے کہ مستنصریہ بورڈنگ کا آسانی سے پتہ مل سکتا ہے اس جگہ اُس نے کتبوں سے کچھ عبارت نقل کی جس سے خلیفہ مستنصر اور مدرسہ کی تعمیر کی نسبت یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اس کی تکمیل خلیفہ نے سنہ ۶۳۳ھ میں کی" اس قسم کا ایک اور کتبہ مسجد میں ملا جس پر سنہ ۶۳۳ھ کندہ تھا۔ یہ تاریخ مسجد کی مرمت و تکمیل کی ہے کیونکہ مسجد مذکور کی تعمیر خلیفہ علی مکتفی نے شروع کی تھی*

دیوار حریم میں تیسرا دروازہ باب البدل رہا تھا۔ یہ نام سوق البدل کی وجہ سے ہوا جو اس کے قریب تھی۔ اور اس جگہ قصر بدر بھی تھا۔ بدر خلیفہ متوکل کا غلام تھا۔ آقا نے ایک دفعہ خوش ہو کر آزاد کر دیا۔ ذاتی قابلیت کی وجہ اور شایستہ خدمات کے باعث

خلیفہ معتضد نے وزرا میں جگہ دی۔ اسی کے زیر اہتمام مسجد مدینۃ المنصور کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ علی مکتفی کی نظروں سے گر گیا اور ۲۸۹ھ میں قتل کیا گیا۔

یاقوت لکھتا ہے کہ خلیفہ الطائع کے عہد میں ۳۶۷ھ میں بغداد میں آل بویہ کا غلبہ تھا اور آئے دن شورشیں برپا ہوتیں۔ خلیفہ نے باب بدر کو چنوا دیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد پھر کھلوا دیا۔ اس کے سامنے دارالفیل تھا اسے بھی گرا دیا اور اس جگہ قبرستان بنائے یہ واقعات چوتھی صدی کے اختتام کے ہیں مگر ساتویں صدی کے شروع یعنی یاقوت کے زمانہ میں قصر و باب بدر دونوں معدوم ہو چکے تھے۔ یاقوت نے باب بدر کی نسبت غلطی سے لکھا ہے کہ دیوار حریم کے باب المراتب اور شہر کے دروازہ باب الکلوذی کے قریب تھا۔ حالانکہ باب المراتب اس سے کم از کم ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ مصنف مراصد نے بھی غلط لکھا ہے کہ باب بدر کو خلیفہ الطائع نے بنوایا تھا۔ یاقوت کے زمانہ سے پچاس برس پیشتر باب بدر موجود تھا۔ ابن جبیر اس میں سے گذر کر جامع القصر میں گیا تھا۔ اور اسی مسجد میں اس نے بتاریخ ۱۵۔ ماہ صفر ۵۸۱ھ وعظ سنا تھا۔ ابن جبیر لکھتا ہے کہ باب بدر کے قریب خلیفہ کے محل کے اندر ایک میدان میں شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی کی مجلس وعظ منعقد ہوئی۔ مجلس کے ایک طرف ناصر خلیفہ اور ان کی والدہ اور بیبیاں بیٹے اور دیگر رشتہ دار جھروکوں میں بیٹھے ہوئے وعظ سن رہے تھے۔ اور دوسری طرف مخلوق کے واسطے ایک دروازہ کھول دیا تھا تمام میدان میں فرش بچھا ہوا تھا۔ اس کے بعد ابن جبیر امام کے لباس اور قاریوں کی قرأت اور امام کے وعظ کا حال لکھتا۔ اور بہت تعریف کرتا ہے۔

باب بدر سے سوق الریحانیین شروع ہو کر جامع القصر کے مربع کو جاتی تھی حریم کے اندر اسی نام کا ایک محل دار الریحانیین تھا۔ سوق الریحانیین خوشبودار پھول اور مختلف قسم کے عطر فروخت ہوتے۔ ایک زمانہ میں سوق الریحانیین بڑی بارونق جگہ تھی۔ ایک بازار میں ۴۴ دکانیں کھجوری صفیں بنانے والوں کی تھیں۔ ایک سرائے تھی جسے خیران خاصم کہتے تھے اس کے متصل ۲۲ اور دکانیں تھیں اور اس کے

قریب ۴۳ دکانیں صرف عطاروں کی تھیں۔ اور اس کے بعد ۱۶ دکانیں صرافوں کی تھیں اسے سوق الصراف کہتے تھے ٭

خلیفہ مستظہر نے ۵۰۲ھ (۱۱۰۹ء) اور ۵۰۶ھ (۱۱۱۲ء) کے درمیان سوق الریحانین کا اکثر حصہ معہ دار خاتون اور دار سیدہ کے مسمار کروا دیا۔ اور اس جگہ ایک نیا قصر طیار کروایا جسے دار الریحانین کہتے تھے۔ اس میں ایک میدان تین سو گز مربع تھا وسط میں ایک باغ تھا۔ اور قصر میں تیس سے زیادہ کشادہ کمرے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام درگاہ خاتون باب نوبیہ کے متصل تھا۔ اس قصر میں شہزادی فاطمہ رہا کرتی تھی جو ملک شاہ سلجوقی[1] کی پوتی اور خلیفہ محمد مقتفی کی بیوی تھی۔ خلیفہ کے ساتھ اس کا نکاح ۵۳۱ھ (۱۱۳۶ء) میں ہوا۔ ملکہ فاطمہ کی علمی قابلیت کی مورخین بہت تعریف کرتے ہیں اسی درگاہ خاتون میں اس کا انتقال ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) میں ہوا ٭

دار الریحانین کی تعمیر سے پچاس سال بعد مستظہر کا پوتا خلیفہ المستنجد باللہ نے ۵۵۷ھ (۱۱۶۲ء) میں اس قصر میں ایک منظر یا جھروکہ بنوایا اور غالباً اسی جھروکہ میں ابن جبیر نے خلیفہ ناصر کو ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں بیٹھے اور وعظ سنتے ہوئے دیکھا تھا۔ خلافت کے آخری ایام میں خلفا اکثر اوقات اسی قصر میں رہتے تھے۔ اس قصر کے میدان میں خلیفہ مستعصم نے دو کتب خانے بنوائے۔ مغلیہ محاصرہ میں یہ حصہ بھی سلامت رہا کیونکہ ۷۰۰ھ میں مصنف مراصد اُن کا ذکر کرتا ہے۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ "قصر کا اکثر حصہ ویران ہو چکا ہے اور بالکل ایک جنگل کی صورت ہے جہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا

---

[1] ۴۸۰ھ (۱۰۸۷ء) میں ملک شاہ سلجوقی نے اپنی بیٹی کا نکاح مقتدی سے کیا تھا۔ یہ شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ تمام بغداد کے لوگ حیران ہو گئے مگر دولہا دلہن میں کچھ ایسی ناموافقت ہوئی کہ دلہن اپنے باپ کے دار المملکت میں آن بیٹھی ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) میں ملک شاہ خود آیا اور خلیفہ کو بہت سختی سے پیغام بھیجا کہ بغداد سے نکلو اور جہاں چاہو چلے جاؤ وزیر کی معرفت بڑی مشکل سے دس دن کی مہلت ملی مگر اتفاق تقدیر سے اسی عرصہ میں ملک شاہ مر گیا اور یہ بات خلیفہ وقت کی کرامت میں شمار ہوئی۔ دوسرا رشتہ سلجوقیہ اور عباسیہ مقتفی کے زمانہ میں ہوا جو مقتدی کا پوتا تھا ٭

مگر خلیفہ کے باغ کے وہی پرانے درخت کہیں کہیں بیکسی کی حالت میں نظر آتے ہیں ۔

دیوار حریم میں باب بدر کے جانب مشرق دو اور دروازے تھے جسے باب النوبی اور باب العامہ کہتے تھے ۔ اول الذکر کا نام باب العتبہ بھی تھا ۔ یہی آستان بوسہ گاہ خلاق تھا ۔ اسی جگہ سفیران غیر ممالک دست بستہ کھڑے رہتے تھے ۔ اسی دروازہ پر ولیم وسلجوق کا سر جھکتا تھا باب العتبہ سنگ مرمر کا تھا ۔ اس آستانہ کے قریب وہ تواریخی صلیب[1] دفن تھی جو سلطان صلاح الدین[2] نے خلیفہ ناصر کو بطور تحفہ بھیجی تھی ۔ باریاب ہونے سے پہلے لوگ اسے پامال کرتے ہوئے باب العتبہ کی طرف ادب سے سر جھکائے ہوئے بڑھتے ۔

---

[1] اس صلیب کی نسبت کہتے ہیں کہ بہت لمبی چوڑی تھی اس کا کچھ حصہ پیتل کا تھا ۵۸۳ھ ۱۱۸۶ء میں سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کے ہاتھ سے بیت المقدس کو چھڑایا ۔ یہ صلیب اس جنگ میں ہاتھ آئی ۔ اول دمشق میں بطور نشان فتح لائی گئی ۔ ۵۸۵ھ میں بغداد میں آئی خلیفہ نے آستانہ میں گاڑ دی اس کا وہ حصہ جو پیتل کا تھا زمین سے باہر تھا ۔ لوگ اس پر تھوکتے

[2] ملک الناصر صلاح الدین یوسف ابن ایوب خاندان ایوبیہ کردیہ کا پہلا اور سب سے زیادہ مشہور فرمانروا ہوا ہے ۔ پہلے تو اس نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد ملک فاطمیہ اسمٰعیلیہ کی بدعتوں سے پاک کیا ۔ یہ شخص فی الحقیقت حامی دین اسلام تھا ۔ عیسائیوں نے شام پر عجب طوفان بے تمیزی برپا کیا ہوا تھا ۔ مذہبی جوش میں یورپ سے سیلاب عظیم کی طرح بیت المقدس پر امڈ آئے اور مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیئے ۔ صلاح الدین نے ان کی بیخ و بنیاد ملک شام سے اکھیڑ دی ۔ رچرڈ شیر دل شاہ انگلستان اور یورپ کے دیگر تاجداروں پر نمایاں فتوحات حاصل کیں موخر الذکر شہنشاہان اپنا سا منہ لے کر یورپ کو واپس ہوئے ۔ یہ جنگ صلیبی کہلاتی ہے ۔ یہ تیسرا صلیبی جنگ تھا یورپ کے مورخین اس جوانمرد سلطان کے نام سے خوب واقف ہیں ایشیائی مورخین کا قول ہے کہ بعد صحابہ کے ملک مصر کا کوئی بادشا ایسا دیندار اور منصف جیسا کہ صلاح الدین تھا کوئی نہیں ہوا ۔ اس بادشاہ کی مجلس میں ہزل اور مسخرہ کبھی نہیں ہوا ۔ اُس کی محفل میں صرف اہل علم و فضل نظر آتے علامہ ابن جبیر سلطان کی بہت تعریف کرتا ہے ۔ ۱۷ ۔ ماہ صفر ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں انتقال کیا ۔ اس کا زمانہ آخر ایام خلافت مستنصر باللہ میں تھا اور ناصر الدین کے ایام خلافت کا شروع تھا ۔

ایک زمانہ میں باب النوبہ حریم میں آمد و رفت کا خاص دروازہ تھا ۵۲۰ھ میں خلیفہ مسترشد کے عہد میں جبکہ خلیفہ محمود سلجوقی سے جنگ کر رہا تھا یہی ایک دروازہ تھا جو کھلا تھا۔ باقی تمام دروازے خلیفہ کے حکم سے یا تو چنوا دئے گئے تھے یا مقفل کر دئے گئے۔ مورخین باب العامہ کا اکثر ذکر کرتے ہیں اسے باب عموریہ بھی کہتے تھے اور یہ اس لئے کہ خلیفہ معتصم نے عموریہ (واقع ایشیا کوچک) میں قیصر پر عظیم الشان فتح حاصل کی تھی۔ اس جگہ سے بڑے بڑے آہنی دروازے لا کر اس جگہ نصب کئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باب العامہ قصر حسنی کا پہلا دروازہ تھا قصر میں نہریں اسی دروازہ سے داخل ہوتیں ٭

حریم کے اندر ایک اور دیوار بھی تھی جو صرف خلفاء کے قصروں کے گرد تھی بیرونی اور اندرونی دیواروں اور باب نوبہ اور عامہ کے درمیان چند مکانات تھے۔ بقول یاقوت اس دیوار میں تین دروازے تھے جن کے نام باب الدوامت۔ باب ملیساں۔ باب الحرم تھے ٭

دیوار حریم میں باب عامہ کے بعد ایک میل تک کوئی دروازہ نہ تھا یہ دیوار اس دروازہ سے پہلے مشرق اور پھر جنوب مغرب کی طرف ایک میل کا فاصلہ طے کر کے باب المراتب پر پہنچتی۔ یہ اس دیوار میں آخری دروازہ تھا۔ اگرچہ باب عامہ اور مراتب کے درمیان ایک چھوٹا سا دروازہ باب بستان بھی تھا۔ مگر درحقیقت یہ دروازہ آمد و رفت کے واسطے نہیں کھلا تھا۔ باب بستان کے نزدیک دیوار کے باہر محلہ مامونیہ شروع ہوتا۔ باب بستان میں ایک جھروکہ تھا جہاں سے قصر قربان نظر آتا تھا۔ اس قصر میں ذالحج کے مہینے عید کے روز قربانی ہوتی ٭

باب مراتب حریم کا آخری دروازہ قصر تاج کے قریب تھا۔ اور سب دروازوں سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تھا۔ ابتدا میں اسی دروازہ پر وزراء دربانی کیا کرتے۔ یہ دروازہ کنارہ دجلہ سے دو سو گز کے فاصلہ پر تھا ٭

یاقوت لکھتا ہے کہ اگرچہ حریم میں خلفا ہی کے قصر تھے مگر چند ایک چھوٹے چھوٹے محلے بھی تھے۔ جہاں خاندان عباسیہ کے لوگ اور دیگر امرا و وزرا رہا کرتے۔ ان کی تعداد ہزار ہا تھی ۔

واقعات مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یاقوت کے زمانہ میں قصر فردوس اور قصر حسنی موجود نہ تھے۔ اور غالباً پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے پیشتر شکستگی کی حالت میں تھے۔ قصر فردوس حریم کے باہر کچھ فاصلہ پر باب سوق الثلاثہ کے جنوب میں تھا۔ اس جگہ جہاں قصر حسنی واقع تھا دو اور قصر تعمیر ہوئے جو باب الغربہ اور باب التمر اور باب البدر کے قریب تھے۔ اسی جگہ مدرسہ مستنصریہ اور قصر ریحانین تعمیر ہوئے ۔

موجودہ زمانہ میں ہم صحت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ خلفا کے مختلف قصر کہاں کہاں واقع تھے۔ لیکن جو کچھ مورخین نے لکھا ہے اس سے اتنا پتہ تو ضرور ملتا ہے کہ وہ مینار جو اب سوق الغزال میں مدرسہ مستنصریہ کے کھنڈرات سے کچھ فاصلہ پر کھڑا ہے اور جس پر خلیفہ مستنصر کا نام کندہ ہے اس مسجد کا مینار ہے جسے جامع القصر کہتے تھے اور بغداد میں نہایت عالیشان عمارت تھی اس مسجد کا بانی خلیفہ علی مکتفی تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر نے صرف اس کی مرمت ہی کی ہوگی۔ خلافت کے آخری ایام میں حریم میں بقول یاقوت دو قصر تھے ایک تو نیا تاج اور دوسرا قصر ریحانین۔ یہ دونوں قصر دجلہ سے کچھ فاصلہ پر مدرسہ مستنصریہ کے بعد واقع تھے۔ جانب مشرق عظیم الشان جامع القصر حریم کے شمال مشرقی زاویہ میں تھی۔ موجودہ زمانہ میں صرف ایک مینار سوق الغزال تحیر کے عالم میں ان کھنڈرات کو دیکھ رہا ہے جو کسی زمانہ میں عالیشان عمارتیں تھیں اور جن میں وہ لوگ رہتے تھے جن کے آگے دنیا کے بادشاہوں کے سر جھکتے تھے ۔

موجودہ شہر بغداد دریائے دجلہ کے مشرقی کنارہ پر تین طرف سے ایک پرانی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں چار دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک پر خلیفہ ناصر کا کتبہ ہے۔ اسی خلیفہ کے عہد میں ابن جبیر بغداد میں آیا جس شہر پناہ اور دروازوں کا حال اُس نے لکھا ہے وہ یہی دیوار اور یہی دروازہ تھے جو اب بھی بغداد میں موجود ہیں۔ ابن جبیر سنہ ۵۸۱ھ ۱۱۸۵ع میں آیا تھا۔

حمداللہ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ دیوار خلیفہ مستظہر نے بنوائی تھی۔ ابن اثیر ۴۸۸ھ ۱۰۹۵ع کے واقعات میں اس قول کی تائید کرتا ہے۔ ۵۶۸ھ میں اس دیوار کا کچھ حصّہ از سر نو تعمیر ہوا۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ محلہ نہر معلی (جہاں نیا بغداد بنا) کے گرد بھی مضبوط اور بلند دیوار تھی اس کے باہر ایک عمیق خندق تھی جو دریاء دجلہ سے دونوں طرف سے ملی ہوئی تھی۔ اس کے ذریعہ دجلہ کا پانی تمام شہر کے گرد بہتا تھا اس زمانہ میں بغداد کے پرانے شمالی محلے شکستہ حال ہو رہے تھے لیکن محلہ امام ابوحنیفہ اور مسجد رصافہ ابھی تک آباد تھے۔ اس وقت بغداد کا صرف وہ حصہ آباد تھا جو حریم کے شمال اور جنوب مشرق میں تھا۔

۵۸۱ھ ۱۱۸۵ع میں ابن جبیر بغداد کا حال جیسا کہ دیکھا بیان کرتا ہے۔ اور شہر پناہ اور اس کے چار دروازوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ ابن جبیر اور

حمداللہ مستوفی اُن کے نام مفصلہ ذیل بتاتے ہیں *

دیوار کے شمالی حصہ میں "(۱) باب السلطان۔ اس وقت باب المعظم کہتے ہیں *

" مشرقی " (۲) باب ظفریہ۔ حمداللہ باب خراسان لکھتا ہے اس وقت اسے باب ابوسلطانی کہتے ہیں *

(۳) باب الحلبہ۔ موجودہ زمانہ میں بند ہے اور باب طلسم کہلاتا ہے۔ اسی پر خلیفہ ناصر کا کتبہ ہے *

" جنوبی " (۴) باب بصلہ۔ مغلیہ محاصرہ کے وقت ایرانی مورخ اسے باب کلواذی کہتے ہیں۔ بقول حمداللہ اس کا نام باب الخلج تھا۔ موجودہ زمانہ میں اسے باب الشرق کہتے ہیں *

۱۳۴۴ء میں حمداللہ جو کچھ بغداد کا حال لکھتا ہے وہ موجودہ بغداد کے بالکل مطابق ہے۔ دیوار شہر کی نسبت لکھتا ہے کہ پختہ اینٹوں کی تھی اور خندق بھی پختہ تھی اور دیوار کی صورت نصف دائرہ کی تھی اور اٹھارہ ہزار قدم کا دور تھا دجلہ کے کنارہ سے شروع ہوکر پھر دجلہ پر جنوبی محلوں کے نیچے ختم ہوتی۔ آل بویہ اور سلجوقیوں کے قصر شمال میں تھے۔ اور اس میں شماسیہ کا کچھ حصہ بھی شامل تھا۔ انھی قصروں کے سامنے عظیم الشان جامع السلطان تھی۔ یہاں سے ایک سڑک جنوب کی طرف جاتی اور شہر میں باب السلطان کے راستے داخل ہوتی *

ایرانی مورخ مغلیہ محاصرہ کے واقعات میں باب السلطان کا اکثر ذکر کرتے ہیں موجودہ زمانہ میں اسے باب المعظم کہتے ہیں اور یہ نام حضرت امام اعظمؒ کی وجہ سے ہے جن کا مزار اس کے شمال میں کچھ فاصلہ پر واقع ہے *

باب السلطان کے اندر سوق السلطان حریم کی طرف جاتی۔ اس کے بعد ایک بازار درب المنارہ نہر معلیٰ کے پہلو میں واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس جگہ ایک اور بازار درب الاجر بھی تھا اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک آباد محلہ کا مرکز تھا *

۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء میں ابن بطوطہ بغداد میں آیا۔ اس وقت بھی ان منڈیوں کے پرے بڑی سڑک کو شارع سوق الثلاثہ کہتے تھے جو شہر پناہ کے شمالی دروازہ سے شروع ہو کر حریم کی طرف آتی اور پھر سوق ریحانین سے گذر کر مربع جامع القصر سے ملتی ۔

حریم کے جانب مشرق اور جنوب قصبہ کلواذی کے طرف دجلہ سے پرے قریباً تمام محلے شہر پناہ کے اندر تھے۔ اگرچہ باب خراسان کے باہر شمال مشرق میں اور باب بصلیہ کے باہر جنوب میں اور بھی محلے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ خلیفہ مقتدی کے عہد میں سب سے پیچھے آباد ہوئے۔ اور اسی کے نام پر ایک محلہ مقتدیہ بھی تھا۔ خلیفہ مقتدی ملک شاہ سلجوقی کا ہمعصر تھا۔ ملک شاہ ہی نے جامع القصر تعمیر کی تھی اور اس کے وزیر نے اس سے بھی بڑھ کر کام کیا یعنی مدرسہ نظامیہ جو حریم کے جانب جنوب تھا بنوایا۔ مقتدی خلیفہ مستظہر کا باپ تھا اس نے دیوار شہر بنوائی۔ مقتدی ۴۶۷ھ - ۴۸۷ھ تک حکمران رہا اس کے اور اس کے جانشین خلیفہ مستظہر کے عہد میں مشرقی بغداد اور وسیع ہو گیا۔ خلیفہ قائم کے زمانہ میں ۴۶۶ھ/۱۰۷۴ء میں تمام بغداد پر دجلہ کا پانی پھر گیا۔ اور شہر کا کچھ حصہ ویران ہو گیا اس وقت ریگستانی طوفان ایسا اٹھا کہ بند ٹوٹ گیا۔ اور پانی اس قدر چڑھ آیا کہ بغداد کے مکانات غرق ہو گئے۔ رات کی تاریکی کو طوفان نے اور تاریک بنا دیا۔ باشندگان شہر غفلت میں تھے کہ یکایک دجلہ میں قیامت کا شور سنائی دیا۔ صبح ہوتے ہوتے بغداد کا ایک حصہ تو بالکل پانی کے نیچے تھا اور باقی حصہ کو بھی بہت کچھ نقصان پہنچا۔ اس طوفان سے طوفان نوح کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ ہزارہا بندگان خدا غرق ہو گئے مکانات کثرت سے گرے غرض یہ ایک ایسی مصیبت تھی جو اہل بغداد کو مدت تک فراموش نہ ہوئی۔ مقتدی اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا کہ حریم کے جنوب مشرق میں برباد شدہ شہر کو آباد کیا۔ اسی لئے یہ محلے دیوار شہر کے باہر تھے ۔

مربع جامع القصر سے ایک سڑک شمال کی طرف نہر معلی کے متوازی باب البرزی (جو دیوار مخرم میں نصب تھا) کے قریب گذرتی ہوئی باب خراسان کی طرف جاتی۔ اسے شارع عقدین کہتے تھے جو باب الفرج سے گذر کر ماموینہ میں آتی اور پھر بائیں جانب نہر معلی کے ساتھ ساتھ چلی جاتی۔ اس جگہ نہر معلی کے داہنی جانب درب النہر تھی۔ شارع مذکور نہر کے گرد کوئی سو گز کے فاصلہ پر محلہ قراح پر آتی جو قریباً نصف میل پر آباد تھا۔ اس محلہ کے شمال مغرب میں محلہ مقتدیہ تھا اور اس کے شمال میں عقد الزرادین تھا۔ اس جگہ لوہار رہتے جو زرہ بکتر اور دیگر آلات حرب بناتے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ لفظ "قراح" کو جو بغداد کے اکثر محلوں کے نام کے ساتھ آتا ہے بغدادی زبان میں باغ کہتے ہیں۔ ابتدا میں ان محلوں کے ساتھ باغ بھی تھے جن پر رفتہ رفتہ خزاں آ گئی تھی نام باقی رہ گیا۔ ۵۵۴ھ ۱۱۵۹ کی طغیانی سے محلہ مقتدیہ برباد ہو گیا۔ اس وقت یہ محل نہ آب تھا۔ جب پانی اتر گیا تو کیچڑ کے ٹیلے نظر آتے تھے جس سے ظاہر ہوتا کہ اس جگہ مکانات تھے جو مقتدیہ سے ماموینہ اور باب الفرج تک چلے گئے تھے۔

شارع عقدین کی عقد الزرادین سے گذر کر دو شاخیں ہو جاتیں۔ داہنی طرف یہ سڑک قراح القاضی کو اور بائیں جانب شمال کی طرف جاتی ہوئی اول محلہ مختارہ سے گذرتی اور پھر مخرم کے پرانے دروازہ باب ابرز میں داخل ہوتی۔ ساتویں صدی کے شروع یعنی یاقوت کے وقت یہ دروازہ موجود نہ تھا۔ اس کے پرے قبرستان وردیہ تھا۔ باب ابرز چوتھی صدی ہجری میں مشرقی بغداد کے تینوں محلوں کی جنوب مشرقی حد تھی یاقوت اس کا دوسرا نام باب بین بھی لکھتا ہے۔ یہ نام نہر بین کی وجہ سے ہوگا جس میں نہر معلی کا پانی نہر موسیٰ کے ذریعہ آتا۔

سلجوقی دور دورہ میں باب سے قریب ایک مدرسہ تھا جسے مدرسہ تاجیہ کہتے تھے۔ اسے تاج الملک مستوفی السلطان سنہ ۴۸۲ھ میں بنوایا۔ اسی زمانہ میں

قبرستان وردہیہ میں کئی ایک مشہور و معروف آدمی دفن ہوئے۔ اس قبرستان کے بائیں جانب شارع مذکور سیدھی باب ظفریہ سے گذرتی۔ یہ دروازہ محلہ ظفریہ پر تھا۔ معلوم نہیں کہ ظفر کون تھا اور کس زمانہ میں ہوا۔ جو کچھ حالات ابن جبیر اور یاقوت نے باب ظفریہ کے لکھے ہیں اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمداللہ مستوفی مغلیہ محاصرہ کے ایک سو سال بعد اسی کو باب خراسان لکھتا ہے اور جو موجودہ زمانہ میں اس کا نام باب ابو سلطانی ہے۔ اس سے ایک سڑک فارس اور خراسان کو جاتی ہے ؛

بیان ہو چکا ہے کہ عقد الزرادین سے گذر کر شارع عقد الزرادین دو شاخوں میں ہو جاتی۔ شارع مذکور کی دوسری شاخ جو داہنی طرف جاتی ایک سو گز کے فاصلہ پر پھر دو شاخیں ہو جاتیں۔ بائیں جانب یہ محلہ قراح القاضی میں جاتی اور داہنی طرف اول قراح ابو الشحم میں اور پھر محلہ القبیبات میں جاتی۔ معلوم نہیں یہ محلے کس نے بسائے۔ لیکن یاقوت لکھتا ہے کہ یہ سب قراح ایک دوسرے سے علیٰحدہ علیٰحدہ آباد تھے۔ اور اچھے بارونق محلے تھے۔ عمارتیں پختہ تھیں اور ہر ایک محلہ میں جامع مسجد اور بازار اور منڈیاں تھیں ؛

یہ محلے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے شہر پناہ کے اندر اور اس کے ساتھ ساتھ باب ظفریہ اور حلبیہ کے درمیان اور شارع عقدین کے مشرق میں واقع تھے ؛

محلہ مامونیہ کی نسبت ہم بیان کر آئے ہیں کہ خلیفہ مامون الرشید کے نام پر آباد ہوا۔ اور اس جگہ خلیفہ کے ملازم ہی رہا کرتے تھے۔ محلہ مامونیہ حریم اور باب حلبیہ کے درمیان تھا۔ مامونیہ درحقیقت ایک شہر تھا جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے محلے تھے ۵۵۴ھ ؁ (۱۱۵۹) کی طغیانی نے انہیں بہت نقصان پہنچایا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مامونیہ پھر از سرِ نو آباد ہو گیا۔ کیونکہ ہلاکو خاں حریم میں داخل ہونے سے پہلے اسی جگہ ٹھہرا ؛

باب حلبیہ شارع مامونیہ کے ایک سرے پر شہر پناہ میں تھا۔ ۵۸۱ھ ؁ میں

ابن جبیر اندلسی اسی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ دروازہ جانب جنوب باب ظفریہ کے بعد تھا۔ موجودہ زمانہ میں اس کا نام باب طلسم ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ

"یہ دروازہ امام ابوالعباس احمد الناصر لدین اللہ نے مرمت اور تعمیر کیا۔ اس کام کی تکمیل ۶۱۸ھ میں ہوئی"

کہتے ہیں کہ ابتدا میں اسے باب ابیض کہتے تھے۔ ۱۰۴۸ھ سلطان مراد چہارم فتح بغداد کے بعد اسی دروازہ سے داخل ہوا تھا۔ اُس دن سے یہ دروازہ بند ہے اور چنوا دیا گیا ہے۔

باب الحلبیہ کے نزدیک منظرۃ الحلبیہ تھا۔ شہر پناہ کی تعمیر سے پہلے باب حلبیہ کے باہر ایک میدان تھا جس میں چوگان کھیلتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ۴۷۹ھ ۱۰۸۶ میں جب ملک شاہ سلجوقی بغداد میں آیا تو صبح کے وقت اپنے قصر دار المملکت سے اس جگہ سوار ہو کر آیا اور چوگان کھیلتا رہا۔ اس کے بعد خلیفہ مقتدی کی ملاقات کو گیا۔

باب الحلبیہ کے نزدیک اور جنوب مشرق میں قطیعہ عجم تھا۔ اس جگہ ایک عظیم الشان برج تھا جسے برج عجم کہتے تھے۔ محاصرہ بغداد کے وقت اسی برج کے نزدیک مغلیہ اور عربی فوجیں لڑ رہی تھیں۔ برج کی تسخیر کے ساتھ بغداد بھی فتح ہو گیا۔ اگرچہ اب کوئی نہیں جانتا کہ برج عجم کیا تھا اور کہاں تھا اور کیا ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ شہر پناہ کے مشرقی زاویہ کا برج جسے تابیہ الزادیہ کہتے ہیں یہی برج عجم تھا۔ محاصرہ کے واقعات میں اس کی نسبت لکھا ہے کہ باب حلبیہ اور کلواذی کے درمیان تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قطیعۃ العجمی شہر پناہ کے اسی زاویہ میں واقع تھا۔ خلیفہ مقتدی نے اسے آباد کیا۔ ساتویں صدی میں قطیعہ عجمی ایک گاؤں کی طرح تھا جس کا شہر کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے قریب ماموینہ کی طرف ریان تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ بہت ہی آباد جگہ ہے۔

جانب جنوب دجلہ کے کنارے کے نزدیک باب بصلیہ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ محلہ بصلہ کو بھی خلیفہ مقتدی نے بسایا تھا۔ یاقوت اور دیگر ایرانی مورخ باب بصلہ کا کہیں ذکر نہیں کرتے۔ لیکن یاقوت کی تحریر سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ محلہ بصلہ باب کلواذی کے متصل تھا۔ چونکہ باب کلواذی قصبہ کلواذی کے رخ تھا اس لئے ظاہر ہے کہ باب کلواذی ہی کو اس زمانہ میں بصلیہ کہتے ہونگے ؎

مغلیہ فوج کا کمپ اسی دروازہ پر تھا۔ اور فتح بغداد کے بعد بدقسمت مستعصم گرفتار ہوا اسی جگہ ہلاکو خاں کے حضور کھڑا کیا گیا۔ اور اسی دروازہ کے قریب قتل ہوا ؎

اسی باب بصلیہ کو حمد اللہ آٹھویں صدی ہجری میں اور مغلیہ محاصرہ سے اسی برس بعد باب الخلوج لکھتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ صحیح لفظ کیا ہے کیونکہ نزہت القلوب کے مختلف نسخوں میں مختلف نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ باب الخلوج۔ باب الخلاج۔ باب الخلا۔ باب الخلیج لکھتا ہے۔ اگر باب الخلج صحیح ہو تو خلجی کے معنوں میں ہوگا جن کا خاندان ہندوستان پر بھی حکمراں رہا۔ اور یہ ایک ترکی قبیلہ ہے۔ لیکن بغداد کے متعلق خلجیوں کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ چونکہ کسی اور مورخ نے باب الخلاج کی نسبت کچھ نہیں لکھا اس لیئے اس کی لفظی صحت کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ موجودہ زمانہ میں اس کو باب الشرقی کہتے ہیں۔ لیکن ابن اثیر باب کلواذی ہی لکھتا ہے ۵۳۵ھ ۱۱۴۱ء کے پرآشوب زمانہ میں خلیفہ مقتفی نے اسے کچھ عرصہ کے لئے بند بند کر دیا۔ ۶۰۴ھ کی طغیانی میں دجلہ کا پانی اس طرف بہ نکلا لیکن خلیفہ ناصر نے خندق کا منہ جس سے دجلہ کا پانی آتا تھا بند باندھ کر بند کر دیا ؎

کلواذی ایک قصبہ تھا جو دجلہ کے مشرقی کنارہ پر بغداد سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اب اس جگہ قصبہ کرارہ واقع ہے۔ ۳۶۷ھ ۹۷۸ء میں ابن حوقل لکھتا ہے کہ قصبہ مذکور میں ایک جامع مسجد ہے اور اس لئے اسے ایک

علیحدہ قصبہ خیال کرنا چاہیئے۔ لیکن درحقیقت یہ شہر کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ مکانات برابر حریم سے قصبہ مذکور تک الرویا کے ساتھ ساتھ چلے گئے تھے۔ اس جگہ جہاں باب کلواذی بعد میں تعمیر ہوا خلیفہ امین کا ایک کشک تھا۔ جسے ۱۹۷ھ میں مامون کی فوج کا ایک دستہ محاصرہ ڈالے پڑا تھا۔ اس وقت اس جگہ صرف ایک قصر جعفر برمکی تھا جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔ اور اسی جگہ رقہ کے قریب امین نے کشک بنوایا تھا اسے قصر رقہ کلواذی کہتے تھے۔ مغربی کنارہ سے مشرقی کنارہ کی طرف اس کشک میں آنے کے لئے امین نے کشتیوں کا ایک پل باندھا تھا جسے جسر زندورد کہتے تھے ؎

۵۸۰ھ (۱۱۸۴) میں ابن جبیر شہر پناہ اور اس کے چاروں دروازں کے ناموں کے بعد لکھتا ہے کہ اس میں اور بھی بہت دروازے ہیں جو شہر کے بازاروں کے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک باب الفرج تھا جو محلہ مامونیہ کے جنوبی حصہ پر تھا۔ یاقوت اور ابن اثیر اس کا تذکرہ مدرسہ نظامیہ۔ قطیعۃ العجم۔ محلہ مسعودہ اور دیرزندورد کے ساتھ اکثر کرتے ہیں۔ باب الفرج کو تین دفعہ یعنی ۴۳۴ھ (۱۰۴۲) و ۴۶۷ھ (۱۰۷۵) و ۵۵۱ھ (۱۱۵۶) میں آگ لگی اور اس کا اثر مامونیہ پر بھی ہوا ؎

باب الفرج کے قریب ایک باغ یا محلہ قراح جہیر اور دیرزندورد تھا۔ زندورد ابتدا میں قصبہ کلواذی کی ایک نہر تھی۔ دیرزندورد کی نسبت ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کے باغات انگور اور رنگتروں کی وجہ سے بغداد میں مشہور تھے۔ محلہ میدان جس کی وجہ سے حریم کے ایک محل کا نام قصر میدان خالص تھا باب الفرج کے متصل واقع تھا۔ غالباً میدان کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو ہم لکھ آئے ہیں کہ خلیفہ مامون نے اس جگہ چوگان کے واسطے بنوایا تھا۔ اس کے نزدیک دو اور محلے تھے اور دونوں کا نام المسعودہ تھا۔ مسعودہ خلیفہ مامون کی ایک کنیز تھی ان میں سے ایک محلہ مسعودہ مامونیہ میں تھا۔ اور دوسرا نظامیہ کالج کی متعلقہ زمین میں کچھ شامل ہو گیا۔ اسے عقار کہتے تھے۔ اس کے متصل محلہ قریہ تھا۔ ایک محلہ

قریۂ مغربی بغداد میں بھی تھا۔

مدرسہ[1] نظامیہ بغداد کی مشہور عمارتوں میں سے ہیں۔ اور اس کا بانی نظام الملک تاریخ اسلامی میں ایک مشہور وزیر گذرا ہے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔

---

[1] پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی ہجری) کے وسط میں تین طالب علم مدرسہ نیشاپور میں پڑھتے تھے ان میں سے ایک عمر خیام اور دوسرا حسن باشندہ "رے" اور تیسرا نظام الملک طوسی تھا۔ ان تینوں طالب علموں کو ایک دوسرے سے بہت محبت تھی۔ اور تینوں محنتی۔ ذہین اور ہوشیار طالب علم تھے ایک دفعہ ان کے استاد امام موفق نے جو کچھ فراست سے ان کی نسبت معلوم کیا انہیں بھی بتایا کہ تینوں دین و دنیا میں بڑا کام کرینگے۔ حسن۔ نظام الملک اور عمر خیام نے آپس میں عہد کیا کہ ہم میں سے جو پہلے رتبہ دنیاوی میں فوقیت پاوے تو اُس دولت میں باقی دونوں کو شریک کرلے۔ کچھ عرصہ بعد نظام الملک سلجوقی الپ ارسلان کا وزیر ہوگیا۔ حکیم عمر خیام اُس کے پاس گیا۔ نظام الملک نے حسب وعدہ امداد میں کچھ دریغ نہ کیا۔ مگر عمر خیام کا دل درحقیقت دنیاوی جاہ و حشمت سے بیزار تھا۔ گوشہ نشین ہو کر نشر فضایل میں مشغول ہوگیا۔ عمر خیام فلاسفر۔ ہندسہ و ہیئت داں اور نازک خیال شاعر مشہور ہے اُس کی رباعیات کا جواب نہیں۔ خاقانی تحفۃ العراقین میں اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔ حسن منتظر رہا کہ نظام الملک حسب وعدہ بلا دیگا۔ مگر خواجہ نظام الملک نے کچھ بھی خبر نہ لی۔ بات یہ ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں حسن نہایت چالاک تھا اور اس کے علاوہ خواجہ اور اُس کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اگرچہ انہوں نے ایک سنّی اُستاد سے تعلیم پائی تھی مگر درحقیقت حسن شیعہ تھا اور متعصب شیعہ تھا اس کا باپ علی بھی شیعہ تھا۔ مگر چونکہ ابو مسلم رازی حاکم رے سنّی تھا۔ اس لئے اپنی نسبت بدظنی کو دور کرنے کے لئے حسن کو نیشاپور کے مدرسہ میں بھیجا۔ یا خواجہ نظام الملک سنّی شافعی تھا جب تک الپ ارسلان زندہ رہا تب تک حسن مذکور سے نہ ملا۔ جب ملک شاہ ابن الپ ارسلان بادشاہ ہوا تو حسن اور نظام الملک کی ملاقات نیشاپور میں ہوئی۔ خواجہ نے اس موقع پر بھی بے التفاتی کی۔ حسن نے خواجہ کو طالب علمی کے زمانہ کا وعدہ یاد دلایا اور کہا کہ تو خود بمضمون عہد اللہ کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ خواجہ چپکا ہو رہا اور آخر میں حسن کے مدعا دلی کو پورا کیا۔ سلطان سے ملاقات کروادی۔ حسن نے چند دنوں میں سلطان کے دل میں جگہ پیدا کرلی اور نظام الملک کی بیخ کنی کے درپے ہوا۔ مگر ہوشیار وزیر نے اس کے سب منصوبے خاک میں ملادئے اور ذلت کے ساتھ دربار سے نکلوادیا۔ اس واقع کے بعد حسن نے جو کچھ کیا وہ بغداد سے متعلق نہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ اس اکیلے نے وہ کام کیا جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ اس نے فاطمیہ اسمٰعیلیہ کی ایک شاخ حشاشین قائم کی بھنگ اسی شخص نے دریافت کی (دیکھو صفحہ ۱۴۶)

عمر خیام اور حسن بن صباح کا ہم مکتب تھا۔ ۴۵۷ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور دو برس بعد اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ مدرسہ شافعی فقہ کی تعلیم کے لیئے کھولا گیا تھا۔ اس کے مشہور معلمین میں سے امام غزالیؒ اور بہاؤالدینؒ مصنف سوانح عمری سلطان صلاح الدین تھے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مریدوں کو یہی گھاس (حشیش) پلا کر بہشت و دوزخ کے جلوے دکھاتا۔ چند دنوں میں مصر میں سلطنت قائم کر لی جو ۵۶۷ھ تک رہی۔ اور سلطان صلاح الدین کے ہاتھ سے تباہ ہوئی۔ اس فرقہ میں فدائی عجیب قماش کے آدمی تھے۔ ان کے ذہن پر یہ بات منقش کر دی تھی کہ شیخ الجبل یعنی حسن ابن صباح تمام دنیا کا مالک ہے اور خلیفۃ اللہ ہے اس کے حکم کی تعمیل خدا و رسول کی اطاعت ہے۔ ان لوگوں کے ذریعہ سے حسن کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس گروہ کے لوگوں نے کئی پہاڑ اور قلعے کچھ جنگ اور اکثر فریب و دغا سے فتح کیئے۔ بعض ان میں سے مختلف ممالک میں بھیس بدلے ہوئے پھرتے اور جس نامور کو اپنا مخالف پاتے قتل کرتے۔ شیخ الجبل کے جاسوس ہر ایک شہر بلکہ ہر ایک گھر میں موجود رہتے تھے کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ اُس کا نام شیخ الجبل کی فہرست پر مقتولین میں لکھا گیا ہو اور پھر وہ بچ رہا ہو۔ خواجہ نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کا تو حسن دشمن تھا۔ خواجہ تو قتل ہو گئے اور سلطان کو زہر دیا گیا۔ ۵۲۹ھ میں خلیفہ مسترشد باللہ عین بازار میں چلتا ہوا مارا گیا۔ اس کا بیٹا الراشد جو اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ دوپہر کے وقت اپنے خیمہ میں سویا ہوا تھا۔ چار فدویوں نے خیمہ میں گھس کر ۵۳۲ھ میں اس کا بھی کام تمام کیا۔

عرب کے سوا اسلامی ممالک میں جتنے خاندان فرمانروا ہوئے ان سب میں پُرعظمت اور قوی تر آل سلجوق تھے۔ الپ ارسلان و ملک شاہ جن کی شہرت نے یورپ و ایشیا دونوں پر برابر قبضہ کیا اسی خاندان کی یادگار تھے۔ ملک شاہ کی سلطنت کاشغر سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ اُس وقت گویا وہ تمام ممالک اسلامی کا مالک تھا۔ نظام الملک طوسی انہیں کے دربار میں وزیر اعظم تھا۔ وہ نہ صرف وزیر تھا بلکہ سپید و سیاہ کا مالک تھا اس نے تمام عملداری میں مکتب اور مدرسے قائم کیئے۔ چھ لاکھ دینار کی رقم خاص اس فیاضانہ کام کے لیئے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ خاص اپنی جاگیرات میں سے بھی دسواں حصہ مدرسوں کے لیئے وقف کر دیا تھا۔ مدرسہ نظامیہ نیشاپور اُس کی علمی فیاضی کا پہلا دیباچہ تھا۔ امام غزالیؒ کے اُستاد علامہ ابوالمعالی امام الحرمین اُس کے مدرس اعظم تھے اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ سے فخر روزگار اسی مدرسہ کے ایک مستعد طالب علم تھے۔ لیکن جو شہرت نظامیہ بغداد کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔ ۴۵۷ھ میں اُس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ میں پڑی (دیکھو صفحہ ۱۴۷)

متعلمین میں سے شیخ سعدیؒ بھی ہیں بوستاں میں لکھتے ہیں ؎

مرا در نظامیہ ادرار بود   شب و روز تلقین و تکرار بود
مر استاد را گفتم اے پر خرد   فلان یار بر من حسد مے برد
چو من داد معنی دہم در حدیث   برآید ہم اندرون خبیث
شنید این سخن پیشوائی ادب   بہ تندی برآشفت و گفت ای عجب
حسودی پسندت نیاید ز دوست   ندانم کہ گفتت کہ غیبت نکوست
گر او راہ دوزخ گرفت از خسی   ازین راہ دیگر تو در وے رسی

مذکورہ بالا اشعار میں جو کچھ اس مدرسہ کی نسبت شیخ نے لکھا ہے اُس سے بڑھ کر کسی کالج کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ درحقیقت شیخ علیہ الرحمۃ سا طالب علم جس مدرسہ میں ہوگا وہ بے شک بلحاظ تعلیم بے نظیر ہوگا۔ بوستاں کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامیہ میں وظائف ملا کرتے تھے چنانچہ شیخ صاحب بھی ایک وظیفہ خوار طالب علم تھے اور حدیث کا بہت چرچا تھا۔ اور مدرسین تو

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) شان و شوکت سے کھولا گیا رسم افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا اور دار الخلافہ کی کل عظمت اور قوت نظامیہ کے ہال میں مجتمع تھی علامہ ابو اسحٰق مدرس اعظم منتخب ہوئے۔ لیکن جب وقت شیخ کالج کا چارج لینے کے لئے جا رہے تھے۔ ایک کم سن لڑکے نے کہا "اے شیخ کیا تم اُس مدرسہ کی طرف جا رہے ہو جس کی عمارت مشتبہ روپیہ سے تعمیر ہوئی ہے"۔ شیخ چپکے سے شہر کے باہر نکل آئے اور ایک غار میں جا چھپے۔ نظام الملک کو بوجہ حسن اعتقاد کے ان کی تلاش تھی۔ آخر بیس دن کے بعد بڑے اصرار سے اس منصب کے قبول کرنے پر راضی کئے گئے لیکن مدرسہ نظامیہ میں کبھی قدم نہیں رکھا۔ قریب ہی ایک مسجد تھی۔ اس میں بیٹھ کر درس دیا کرتے۔ شیخ سعدیؒ اسی مدرسے کے طالب علم تھے۔ امام محمد غزالیؒ امام طبریؒ مورخ۔ ابن الخطیب تبریزی شارح حماسہ ابو الحسن شاگرد امام عبد القادر جیلانیؒ وغیرہ مدرس اعظم اور امام احمد غزالیؒ۔ ابو المعالی قطب الدین شافعی کیا ہراسی وغیرہ وقتاً فوقتاً اس میں نائب مدرس رہ چکے ہیں۔ ہر زمانے میں علما کے لئے نظامیہ کی پروفیسری سے بڑھ کر کوئی بات اعزاز کی نہیں ہو سکتی تھی دو سو برس کی مدت میں کوئی ایسا شخص اس منصب پر نہیں مقرر ہوا جو اپنے زمانہ میں یکتائے فن و یگانہ دہر نہ سمجھا جاتا ہو۔ نظام الملک نے عام مدرسوں کے علاوہ نیشاپور۔ ہرات۔ موصل۔ اصفہان میں بڑے بڑے کالج قائم کئے وہ بھی نظامیہ کہلاتے تھے لیکن نظامیہ بغداد گویا یونیورسٹی تھی اور یہ تمام کالج اسکی شاخیں تھیں۔

تقریر کیا ہی کرتے مگر طالب علم بھی بحث و مباحثہ میں شامل ہوتے طالب علموں کو نیکی کا سبق دیا جاتا ✤

اس مدرسہ کے متصل ایک اور مدرسہ بھی تھا جسے بہائیہ کہتے تھے۔ ابو منصور ہروی ۵۶۷ھ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ میں بھی تقریر کرتے۔ ۵۰۸ھ (۱۱۱۴ء) یعنی یاقوت کے زمانہ میں بھی یہ عمارتیں موجود تھیں۔ نظامیہ کی نسبت بعض مورخین نے جو حالات لکھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ باب الفرج اور دجلہ کے کنارہ کے درمیان باب بصلیہ کے قریب اُس سڑک پر واقع تھا جو باب بصلیہ سے باب المراتب کو جاتی تھی ✤

ملحقہ بغداد میں نظامیہ کے ہوتے تیس بڑے بڑے کالج موجود تھے۔ جس کے بلند ایوانات اور وسعت عمارت کی نسبت علامہ ابن جبیر کا بیان ہے کہ ہر ایک بجائے خود ایک مستقل شہر معلوم ہوتا ہے ان میں سے ذیل کے مدرسے بہت مشہور تھے ✤

مدرسہ تاجیہ	تاج الملک مستوفی السلطان بانی تھا۔ ۴۸۲ھ میں تعمیر ہوا۔ امام ابو بکر شاشی مدرس اعظم مقرر ہوئے ✤
مدرسہ مستوفیہ	شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور بانی تھا جو سلطان ملک شاہ سلجوقی کا مستوفی تھا۔ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔ یہ مدرسہ باب الطاق کے پاس تھا ✤
مدرسہ کمالیہ	اس کا بانی کمال الدین ابو الفتوح صاحب مخزن تھا۔ یہ مدرسہ ۵۳۵ھ میں تیار ہوا ✤
مدرسہ ابو المظفر	ابو المظفر عون الدین نے تعمیر کیا ۵۴۴ھ میں خلیفہ المقتفی بامر اللہ کے دربار میں منصب وزارت پر ممتاز تھا ✤
مدرسہ ثقۃ الدولہ	علی بن محمد المعروف ثقۃ الدولہ خلیفہ المقتفی کا مقرب تھا۔ ۵۴۹ھ میں وفات کی۔ یہ مدرسہ شافعیوں کے لئے خاص تھا۔ دجلہ کے کنارہ پر اُس کی عمارت تھی ✤
مدرسہ بہائیہ	نظامیہ کے متصل تھا ✤
مدرسہ فخریہ	فخر الدولہ کا باپ وزیر تھا۔ ۵۸۰ھ میں وفات پائی ✤

مذکورہ بالا مدرسوں کے علاوہ بغداد میں مشہد ابی حنیفہ۔ وقفیہ۔ زیرکیہ۔ معینیہ۔ عنانتیہ۔ مدرسہ قادیمہ عباسیہ شہرت عام رکھتے تھے ✤

۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں ابن جبیر اندلسی نے بھی مسجد مدرسہ نظامیہ میں اول جمعہ کی نماز پڑھی۔ ابن جبیر بغداد کے تیس مدرسوں میں سے نظامیہ کی خوبی عمارت وغیرہ کی بہت تعریف کرتا ہے۔ ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ء) میں یہ مدرسہ خوب رونق پر تھا۔ ابن جبیر لکھتا ہے کہ اس مدرسہ کے متعلق جو اوقاف اور جاگیریں ہیں اُسسے مدرسین کی تنخواہیں۔ طلبا کے وظیفے اور عمارت کی مرمت وغیرہ بخوبی ہوسکتی ہے سوق نظامیہ اس محلہ کا خاص بازار مشرعہ کے قریب تھا۔ اس ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ دجلہ کے بہت قریب تھا۔

۶۲۷ھ (۱۲۲۷ء) میں جب ابن بطوطہ بغداد میں آیا تو اس وقت بھی نظامیہ کالج موجود تھا۔ اور اچھی حالت میں تھا۔ سیاح مذکور لکھتا ہے کہ مشرقی بغداد میں سوق الثلاثا کے وسط میں ہے جس کے آخر میں مدرسہ مستنصریہ ہے۔ اس کی عمارت کی نسبت لکھتا ہے کہ حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے۔ ابن بطوطہ سے بارہ برس بعد حمداللہ نظامیہ کا مختصر حال بیان کرتا ہے۔ اسے دوام المدارس لکھتا ہے۔ اس سے کم ازکم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے وسط تک یہ مدرسہ موجود تھا۔ موجودہ اور گذشتہ صدی میں (جیساکہ ایک یورپی سیاح بیان کرتا ہے) اس کے آثار مٹ چکے تھے۔

تتمہ

بغداد

تمدّن عرب یعنی ترقّی و تنزّل کے اسباب

یہ زمانہ عالم خواب ہے پُر تشنہ مثل سراب ہے
جو مکاں ہے نقش بر آب ہے جو مکیں ہے مثل حباب ہے

عرب کے ریگستانوں میں جہاں گھاس اور پانی کا نشان نہیں ملتا اور آفتاب کی تیز شعاعوں کے نیچے کوئی سایہ دار جگہ نظر نہیں آتی اُن مسافروں کی عجب کیفیت ہوتی ہے جو منزل مارتے چلے آتے ہوں اور تھک کر چور ہو گئے ہوں لیکن تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ پیاس کی شدت سے زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے لیکن پانی پاس نہیں کہ ایک دو گھونٹ پی حلق تر کرے۔ ایسی حالت میں غریب مسافر کے دل پر عجب کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ جہاں تک اُس کی نظر کام کرتی ہے اُسے غیر محدود ریگستان میں صرف سرخ ریت کے تودے ہی دکھائی دیتے ہیں جن میں جھلسا دینے والی گرم ہوا نے حرکت پیدا کر دی ہے۔ زمین و آسمان کے درمیان کرۂ نار ہے۔ اس وقت مسافر بیچارہ یاس و حسرت کی مجسم تصویر ہوتا ہے۔ اُسے ہر طرف موت کی شکل نظر آتی ہے۔ لیکن اُسے کس قدر مسرت انگیز حیرت ہوتی ہے جب وہ تھوڑے فاصلہ پر ایک صاف شفاف پانی کا دریا لہریں لیتا ہوا دیکھتا ہے نہ صرف پانی۔ بلکہ اُس کے کنارے پر باغات کا سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے۔ اور عالیشان محلات کے گنبد اور مینار اُبھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غرض ایسے دلفریب

نظارے پیش نظر ہیں۔ کہ مسافر خود بخود کھینچا چلا جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ دوڑ دھوپ کے بعد اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کوسوں دور نکل آیا ہے۔ لیکن ابھی تک دریا اور کنارے پر دل لبھانے والے منظر اُتنے ہی فاصلہ پر نظر آتے ہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ وہ اب بہت نزدیک ہے۔ وہ درختوں کا سایہ دریا کے پانی میں لہریں لیتا ہُوا دیکھتا ہے۔ طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ اور پختہ پھلوں نے ٹہنیوں کو جھکا دیا ہے۔ وہ پھر ایک دفعہ سر پر پاؤں رکھ کر دوڑتا ہے۔ اُس کی آنکھیں اُس طرف لگی ہیں۔ اُس کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی خیال ہے۔ کہ اب دریا کے کنارے پر پہنچا۔ اور "خوب سیر ہو کر خوشگوار صاف شفاف پانی پی کر آتشِ تشنگی کو بجھاؤنگا۔ اور پھر ان سایہ دار درختوں کے نیچے بیٹھ کر شیریں پھل کھاؤنگا۔ اور پھر ان عالیشان محلوں کی سیر کرونگا۔ میں چند روز یہیں بسر کرونگا۔ مگر۔۔۔"

یکایک متحیر مسافر پھر ٹھہر جاتا ہے۔ وہ پیچھے پھر کر دیکھتا ہے۔ تو اُسے وہی ہولناک نظارہ نظر آتا ہے۔ اُس کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ وہی سرخ ریت کے ذرّے آگ بگولا ہو رہے ہیں۔ وہی آفتاب نہایت ہی غضب آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک غریب بیکس مسافر کے خون کے پیاسے ہیں۔ مگر وہ دلکش نظارہ۔۔۔ ایلو! ۔۔۔ گلزار کے ساتھ اور ہی گُل کھلا ہُوا ہے۔ دریا اُسی طرح بہہ رہا ہے۔ مگر لبِ دریا ایک عالیشان قصر سنگ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے اُس کی محرابوں کے نیچے دریا کا پانی بہتا ہوا اُس کی دیواروں کو ہر وقت دھوتا ہے کہ کہیں گرد و غبار سے میلے نہ ہو جائیں۔

مسافر مثال آئینہ حیرت زدہ ہو کر اُسی طلسم ہوش ربا کو دیکھ رہا ہے مگر دیکھتے دیکھتے یہ منظر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا جاتا ہے جسے وہ اب تک ایک قصر خیال کر رہا تھا وہ درحقیقت ایک کشادہ محرابدار دروازہ ہے۔۔۔ مگر یہ بھی تو کچے رنگ کی طرح اڑا جاتا ہے۔۔۔ دراصل یہ تو انگورستان ہے۔ خوشے لٹک رہے ہیں اور ان میں رس دخترِ رز کی طرح جام بلوریں میں جھلک مار رہا ہے۔

بیلیں پیچ وخم کھاتی ہوئی اٹھ رہی ہیں۔ مگر یہ بھی تو ہوا میں معدوم ہوتی جاتی ہیں۔
اب مسافر کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو "سراب" ہے اس قسم کے نظارے عرب کے ریگستانوں
میں عام ہیں۔ کئی دفعہ مصوروں اور فوٹو گرافروں نے ان کے عکس لینے کی کوشش
کی مگر کس قدر متحیر ہوئے جب یہ طلسمی نظارے ایک ایک لمحہ بعد بدلتے تھے۔

ہم نے جزیرہ نما عرب کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ اور مختلف زبانوں میں اس کے
متعلق تواریخ اور جغرافیہ کی کتابیں دیکھیں۔ ہم نے خانہ بدوش بدوی قافلوں کو
قدیم الایام سے عرب کے ریگستانوں میں چراگاہوں کی تلاش میں پھرتے ہوئے پایا۔
ہم نے اُن کی طرز معاشرت سے اُن کے تمدن کا اندازہ کیا تو ان میں ترقی کا مادہ
تو موجود تھا مگر ابھی تک وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے تھے۔

ہم نے عرب کے مختلف قبایل کا حال دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اُن میں سے
بعض قبیلوں نے اس قدر ترقی کی ہے کہ خانہ بدوشی سے شہری زندگی اختیار کی ہے
وہ تجارت بھی کرتے ہیں۔ مگر جب ہم نے اُس عظیم الشان قیصر و کسرےٰ کی سلطنت
پر نظر کی جو اس وقت شام اور ایران میں عرب کو گھیرے ہوئے تھے تو معلوم ہوا کہ
عرب نے ابھی تک کچھ ترقی نہیں کی۔ ابھی تک تمدن کے ابتدائی مرحلوں کو بھی طے
نہیں کیا بلکہ یہ کہنا موزون ہوگا کہ ابھی قدم ہی رکھا ہے اور ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا
کہ چونکہ قدرتاً اُن کا تعلق غیر عرب سے قطع ہو چکا ہے اس لئے بہت مشکل ہے کہ وہ
ترقی کے اُس زینہ تک پہنچیں جن پر غیر اقوام قائم ہیں۔

مگر عین پریشانی کی حالت میں عرب کے ریگستانوں کی خاک چھانتے ہوئے ہم
حجاز سے عراق میں وارد ہوئے۔ ہمارے تعاقب میں سموم اور صرصر کی زہریلی اور
تند ہوائیں تھیں۔ جو ریگستانوں میں آتشبار آفتاب کے نیچے بلا خیز طوفان برپا کر رہی
تھیں۔ ہم تھک کر چور ہو رہے تھے اور اب آرام کے خواہاں تھے لیکن ابھی تک
ہمیں کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی کہ تھوڑی دیر ذرا سستا لیں۔ مگر ہمیں کس قدر حیرت
ہوئی جب ہم نے اپنے نظروں کے سامنے قریب ہی ایک دریا لہریں لیتا ہوا

ایک نہایت ہی خوشنما وسیع شہر کے درمیان بہتا ہوا دیکھا۔ دریا کے پانیوں پر اُس کے پتھریلے قصروں نے دونوں کناروں پر سایہ ڈالا ہوا ہے اور اُس کے دل لبھانے والی عمارتیں صنعت و حرفت کا اعلےٰ نمونہ ہیں اُس کے مساجد کے گنبد ہوا میں نہایت متانت اور وقار سے سر کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اُس کے منار بادلوں کے جگر کو چھاتے ہیں اُس کے باغات کا سلسلہ دریا کے دونوں کناروں کے ساتھ دور تک چلا گیا ہے جن میں ہر ایک قسم کے درخت ایک عالم سرور میں کھڑے ہیں۔ اور اُن چھوٹی چھوٹی ندیوں پر سایہ ڈس رہے ہیں جو اس جگہ دریا ئے کور کی مختلف نہروں سے کاٹ کر لائی گئی ہیں ؏

ایسی حالت میں ہماری مسرت اور حیرت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے ہمہ تن شوق بن کر ہم نے قدم اٹھایا اور پھر ایک حالت اضطراب میں اس کی طرف دوڑے۔ لیکن ہم نے دریا اور دریا کے کناروں پر عالیشان قصروں اور باغات کو اتنی ہی دور دیکھا۔ ہمارا اشتیاق بڑھتا گیا اور ہم نے کوشش کی کہ کسی طرح وہاں پہنچ جائیں لیکن باوجود اس دوڑ دھوپ کے فاصلہ ایک انچ بھی کم نہ ہوا۔ ہم نے دل و دماغ کو آنکھوں میں جمع کر دیا کہ اسی عالیشان شہر کی کم از کم بلند نہایت خوشنما عمارتوں کا نقشہ ذہن نشین ہو جائے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ عمارتیں ایک ایک لمحہ کے بعد ہوا میں معدوم ہو گئیں اور اگرچہ ہمیں نہایت خوشی ہوتی کہ ان کی جگہ اُس سے بھی زیادہ خوشنما قصر آناً فاناً موجود ہو گئے ہیں مگر کس قدر رنج ہوتا کہ دوسرے لمحہ میں یہ بھی ناپید ا ہو جاتے آخر ہمیں معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ سراب ہے ؏

تاریخ بغداد تمدن عرب کی تاریخ ہے۔ مکمل تاریخ بغداد یا تمدن عرب لکھنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے ہم نے صرف ایک ہی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اس پر بھی نہایت افسوس ہے کہ اس کی تکمیل سے بھی قاصر رہے ہیں۔ ہم نے اس اسلامی دار الخلافت کی ثروت رعیت کی حالت اور خلفا کے بزم و رزم اور اُن کے دربار اور جلوس کی کیفیت اور اُن کی فیاضانہ ضیافت اور سخاوت کا تو کہیں تذکرہ

نہیں کیا کیونکہ ان عنوان پر اگر کچھ لکھتے تو دفتر لکھتے اور پھر بھی یہ دلچسپ داستان ختم نہ ہوتی۔ ہم نے صرف عمارات بغداد اور وہ بھی چند قصروں کا نامکمل نقشہ کھینچا ہے جس کی وجہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ اگرچہ ہم نے بہت کوشش کی کہ ہر ایک عمارت کو اُسی صورت میں دکھائیں جس حالت میں وہ تعمیر ہوئی تھی مگر نہ کر سکے *

ہم نے ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ ابن خلکان۔ مقریزی۔ طبری۔ بلاذری۔ ابوالفدا۔ مسعودی۔ یعقوبی۔ اصطخری۔ سیوطی۔ ابن جبیر اور ابن بطوطہ اور خطیب وغیرہ سے ملاقات کی۔ جس خلق و محبت و مروت سے یہ ہم سے ملے اُس کے ہم مشکور ہیں۔ اُن کے علم و فضل کا اندازہ اُن کی گفتگو سے ہو سکتا ہے جو ہم سے بے تکلف پہروں کرتے رہے۔ ان کی بدولت ہمیں خلافت عباسیہ کے حالات معلوم ہوئے۔ اُن میں سے ہر ایک بزرگ نے کوئی نہ کوئی نئی بات بتائی اور آپس میں اختلاف بھی کیا اگرچہ یہ ہمارے امکان سے باہر تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے مبالغہ آمیز یا سماعی روایت کی بھی تردید کر سکیں اور اس لئے بعض اوقات مشکلات کا سامنا بھی تھا مگر انہی بزرگوں میں سے ایک نہ ایک نے ہمیں سیدھا رستہ بتا دیا جسے ہم نے اختیار کیا۔ ہر ایک کا طرز بیان دوسرے سے علیحدہ ہے اس میں کچھ شک نہیں مذہبی رنگ ہر ایک پر چڑھا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ واقعات کو سادگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور جو کچھ مخالف و موافق روائتیں سنیں سب کم و کاست بیان کرتے ہیں اُن کی تحقیق تقاضا نہیں کرتی کہ ان واقعات پر بحث کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ بعض حضرات ان میں سے ایسے تھے کہ جو واقعات پر نہایت جرآت اور دلیری سے بحث کرتے تھے مگر افسوس کہ عمر میں اپنے بزرگوں سے چھوٹے تھے۔ جو کچھ ان مورخین نے ہمیں بتایا اگر ایک جگہ جمع کر کے موجودہ معیار تحقیق کے رو سے لکھا جاوے تو مفصل تاریخ بغداد طیار ہو سکتی ہے۔ مگر ہمیں نہ تو اتنی فرصت تھی نہ ہمت اس لئے اختصار سے کام لیا۔ اور جس نتیجہ پر آخر پہنچے اُسے ذیل میں لکھتے ہیں *

گذشتہ فصلوں میں ہم نے اشارتاً لکھا ہے کہ ایشیائی سلطنتوں کی مختلف پایہ تخت بنیاد حکومت کے ساتھ قائم ہوئے اور ہوتے رہے گویا یہ ایک لازمی نتیجہ تھا کہ نیا خاندان اور نیا دارالخلافت ایک ساتھ قائم ہوں۔ چنانچہ ہم نے اسلام کی ابتدائی حالت بیان کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ کس طرح مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں عرب کی پولٹیکل طاقت منتقل ہوئی اور مدینہ منورہ بحالت دارالخلافت کس طرح مفتوحہ ممالک پر حکومت کرتا تھا۔ اور کس طرح خلفائے راشدین کے بعد مدینہ سے دمشق میں دارالسلطنت منتقل ہوا۔ اور کس طرح بنی اُمیہ کے بعد بنی عباسیہ نے دجلہ کے کناروں پر بغداد کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ فی الواقع ہر ایک نئے حکمراں خاندان نے نیا دارالسلطنت قائم کیا لیکن اس سے یہ نتیجہ کبھی اخذ کرنا نہیں چاہیئے کہ بوجہ ذاتی عداوت اور دشمنی کے نیا خاندان یا فاتح مفتوح کے گھر رہنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے یہ نتیجہ صرف غلط ہی نہیں بلکہ عربی تمدن کے سمجھنے کے لئے صریح مغالطہ پیدا کرتا ہے۔ عرب کے مختلف خاندانوں میں خواہ خصومت کی کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو مگر یہ وجہ نئے دارالسلطنت کی بنیاد کا باعث تو ہر گز نہیں ہو سکتی*

اس میں کچھ شک نہیں کہ خلفائے راشدین نے مدینہ منورہ کو پیغمبرؐ کی اقامت کی وجہ سے دارالخلافت قرار دیا اور اُس زمانہ کے حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ عرب میں اس وقت اس سے زیادہ موزون کوئی جگہ دارالخلافت کے قابل نہ تھی چنانچہ حضرت علیؓ کوفہ کو پایہ خلافت قرار دے کر پچھتائے اور انہیں اُس اعلیٰ انتخاب کی وجہ معلوم ہو گئی جو اُن کے مقدم خلفا نے کیا تھا۔ بنی اُمیہ نے دمشق کو کیوں دارالسلطنت قرار دیا اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن کا اثر اس جگہ بہ نسبت کسی اور جگہ کے زیادہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں خلفاء بنی اُمیہ کے بزرگ شام میں عامل تھے۔ اور اس لئے اُنہیں قدرتاً ایک ایسی جگہ

بنیاد سلطنت قائم کرنے میں سہولت تھی جہاں لوگ بغیر کسی جدوجہد کے ان کی خلافت تسلیم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آغاز حکومت شام سے ہونا چاہئے تھا اور دمشق کا دارالسلطنت قرار دیا اور مدینہ کو چھوڑ دیا۔ اس کا جواب چند لفظوں میں بھی ہے کہ عرب نے تمدن میں اور ترقی کی۔ جزیرہ نما عرب کا وہ حصہ جسے حجاز کہتے ہیں اور جہاں مدینہ منورہ واقع ہے خشک زمین ہے۔ لیکن وہ ملک جہاں ”وہ وہرا اور شہیا موج مارتے تھے“ سرسبز اور زرخیز تھا۔ مدینہ منورہ میں مختلف اقوام کا میل جول قدرتاً نہیں ہو سکتا تھا لیکن دمشق میں قدرتاً ہو سکتا تھا۔ تاریخی شہادت موجود ہے کہ بنی امیہ کا اقتدار عرب میں دیگر قبائل سے زیادہ تھا۔ اور ان کی خلافت کی بنیاد خالص عربی طاقت پر تھی اس لئے مدینہ منورہ کو پایہ تخت برقرار رکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن عرب نے جو کچھ تمدن میں ترقی کی تھی اس امر کے مانع ضرور تھی اور جب ہم بنی امیہ مقابلہ بنی عباسیہ اور فاطمی و علوی خاندانوں سے کرتے ہیں اور ان وجوہات پر غور کرتے ہیں جو ان کے اقتدار کا باعث ہوئے تو اس امر کی اور بھی تائید ہوتی ہے کہ بنی امیہ کے لئے مدینہ منورہ کو دارالسلطنت برقرار رکھنا بہت آسان تھا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ صرف مدینہ منورہ کو انتخاب کی نظر سے گرا دیا بلکہ تمام عرب میں کوئی جگہ موزون نہ ملی ✤

تمدن اسی امر کا مقتضی تھا کہ بنی امیہ دمشق کو مدینہ پر ترجیح دیتے۔ اس وقت تک عرب نے تمدن میں نمایاں ترقی کی تھی اسلام نے تمام عرب کی طاقت کو متفق کر دیا تھا اور مدینہ منورہ اس متفقہ طاقت کا مرکز تھا۔ لیکن دمشق نے عرب کو ایک زرخیز اور نہایت ہی سرسبز و شاداب ملک میں جمع کیا انہیں دیگر اقوام سے ملایا اور آپس کے میل جول نے کچھ اور ہی گل کھلایا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے ✤

شہری زندگی کے مدارج بھی مختلف ہیں دو کا تو ہم بیان کر آئے ہیں۔ ان میں سے مدینہ اور دمشق کی مثالوں سے واضح ہو گیا ہوگا کہ دونوں میں کس قدر فرق تھا موخر الذکر کو بلحاظ تمدن مدینہ پر فوقیت تھی۔ لیکن حکومت نے اب ایک اور

پہلو بدلا اور بنی عباسیہ کی نوبت آئی۔ اور دجلہ کے کناروں پر بغداد دارالحکومت قرار پایا ؞

ابو جعفر منصور نے بغداد کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھی۔ حصہ اول میں ہم نے خلیفہ منصور کی بالغ نظری کی تعریف اور وہ اس تعریف کا مستحق ہے کہ اُسے بعض باتوں میں ہارون اور ماموں پر ترجیح دی جاوے۔ دارالحکومت کا انتخاب جو کچھ اُس نے کیا وہ نہایت ہی موزون ثابت ہوا۔ اگرچہ دمشق میں "مروانی حکومت کا زہر آلود اثر تھا" مگر منصور کو کچھ اور ہی مدنظر تھا۔ منصور جیسے ابوالعزم خلیفہ کے پاس معمولی "زہر آلود اثر" کا تریاق موجود تھا۔ اس لئے دمشق کو چھوڑنا کسی اور وجہ سے تھا۔ اگر بنی اُمیہ نے آغاز حکومت شام سے کیا تو بنی عباسیہ کو خُراسان سے کرنا چاہئے تھا۔ مگر فی الحقیقت یہ وجوہات ہی نہ تھی جن پر پایہ خلافت قائم ہوئے۔ درحقیقت وہی "تمدن" اپنا کام کر رہا تھا۔ اور عرب نے نہایت دلیری کے ساتھ اس کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے لئے قدم بڑھایا۔ اب اگر مدینہ۔ دمشق اور بغداد کا مقابلہ کیا جاوے تو فرق بین ظاہر ہوگا۔ اور ہم بیان کر آئے ہیں کہ بغداد کو کس طرح بلحاظ تمدن مدینہ و دمشق پر فوقیت ہے۔ تمدن کی ترقی کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ دارالسلطنت سمندر کے کنارہ پر واقع ہو یا ایسے دریا کے کناروں پر ہو جس کا تعلق کسی سمندر سے جہازرانی کے ذریعہ آسانی سے ہو سکے۔ فی زمانہ جن دارالسلطنتوں کی بنیاد ایسے دریاؤں یا سمندروں کے کنارہ پر ہے اُن کی تجارت اور بحری طاقت اور دیگر امور نے بخوبی ثابت کردیا ہے کہ سمندر یا دریا کے کنارے دارالسلطنت کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ اور اس کا علم منصور کو بخوبی تھا۔ اور دجلہ کے کناروں پر اُس نے وہ خاص مقام جہاں بغداد تعمیر ہوا اسی واسطے منتخب کیا ؞

یہ ظاہر ہوگیا ہوگا کہ بلحاظ دارالخلافت عرب نے تمدن میں کس درجہ ترقی کی۔ اور ثابت ہے کہ عرب فی الحقیقت تمدن کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئے تھے ؞

ہم خلیفہ منصور کے دل و دماغ کی جس قدر تعریف کریں تھوڑی ہے لیکن اس کے ساتھ ہم اہل عرب کی حیرت انگیز ترقی کا اظہار کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ ابھی پورا ڈیڑھ سو برس بھی نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں نے اُس اعلیٰ علمی ترقی کا ثبوت دیا جو اس سے پیشتر کسی قوم میں نہیں ملتا اور فی زمانہ بھی اس کی مثال ہمارے پاس کہیں موجود نہیں۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ بغداد کی تعمیر میں علم تعمیرات کو کس قدر دخل تھا کس طرح بغداد تین دائروں میں جن کا مرکز باب الذہب تھا تعمیر ہوا صرف اس میں یہی خوبی نہ تھی کہ باب الذہب میں بیٹھ کر خلیفہ تمام بغداد کو آئینہ کی طرح دیکھ سکتا تھا بلکہ جس طرح اس شہر کی تقسیم مختلف پیشہ وروں کے محلوں کے لحاظ سے کی گئی تھی وہ بھی عربی تمدن کی بے نظیر مثال ہے۔ غرض بغداد شہری زندگی کا سب سے اعلیٰ نمونہ تھا۔ مدینہ اور دمشق خلافت سے پیشتر بھی عرب اور شام کے مشہور شہر تھے۔ لیکن بغداد کی تعمیر عربی تمدن نے کی۔ عراق سے بہتر پایہ تخت کے واسطے کوئی اور ملک نہ ہو سکتا تھا اور پھر دجلہ کے کنارے اور اس جگہ بھی وہ مقام جہاں دارالسلام بغداد تعمیر ہوا نہایت ہی موزون جگہ تھی۔ بغداد کی سڑکوں اور نہروں کا بیان کرتے ہوئے ہم نے اس امر کا ذکر بھی کیا ہے کہ ان میں بھی ایک خاص بات تھی جس کی مثال ہمیں موجودہ زمانہ کے شہروں میں بھی نہیں ملتی۔ اصطخری چوتھی صدی ہجری (یعنی بغداد کے آخری زمانہ) میں ان نہروں کی نسبت چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے کہ "دارالخلافت کے محلات اور باغات بغداد سے نہر بین کی طرف ایک قطار میں دو فرسخ تک برابر چلے گئے ہیں حتیٰ کہ نہر بین پر جا کر وہاں سے دریاء دجلہ کے کنارے پھر یہ عمارتیں اوپر کو ہوتی ہوئی شماسیہ کی طرف جو قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر دارالخلافت سے جا ملتی ہیں اور شماسیہ مغرب کی طرف مقام حربیہ کے محاذ میں واقع ہے۔ پھر یہ بستی مغرب کی طرف اترتی ہوئی کرخ کے پرلے سرے تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ اور بغداد و کوفہ یعنی دجلہ و فرات کے درمیان بڑی گنجان آبادی ہے۔ جس میں تمیز نہیں ہوتی اور دریائے فرات سے پھوٹ کر بہت سی نہریں اس کی طرف

آتی اور سیراب کرتی ہیں" دیگر مورخین اور سیاح جو کچھ بغداد کی نہروں کی نسبت بیان کرتے ہیں اُس کا ذکر ہم گذشتہ فصلوں میں کر چکے ہیں اس سے نہ صرف بغداد کی وسعت کا اندازہ ہوسکتا ہے بلکہ شہری زندگی کی نسبت یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تمدن عرب نے اسے کس درجہ پر پہنچا دیا تھا +

کسی ملک کے عمارات اُس ملک کے باشندوں کی سیرت کی صورت ہے کسی قوم کی دماغی ترقی۔ دلی کیفیت اور خصلت کا صحیح صحیح نقشہ اُس کی عمارات ہیں۔ اُس کے گھروں کی در و دیوار پر اُن کے تمدن و معاشرت کی تاریخ لکھی ہے۔ اُس کے مکان معمار طبیعت نے تعمیر کئے ہیں اور ضرورت نے اینٹ پتھر اور مختلف قسم کا مصالحہ بہم پہنچایا ہے +

مختلف اقوام عالم کی طبایع میں خاص اختلاف ہے۔ ملکی آب و ہوا۔ ضروریات زندگی۔ اور مذہب کی تاثیر سے جو کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے وہ اُن کی عمارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے مندر۔ یورپ میں عیسائیوں کے گرجے۔ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی مسجدیں اُسی امتیاز کو ظاہر کرتی ہیں جو اُن کے مذاہب میں ہے۔ صاحب نظر اس اختلاف کو بخوبی محسوس کرسکتا ہے اور خاص خاص مفید نتایج اخذ کرسکتا ہے +

عمارات بغداد میں ہم نے صرف خلفا کے چند قصر اور مساجد کا ذکر کیا ہے۔ اور قابل ذکر یہی دو عمارتیں ہیں۔ اہل عرب نے اپنی صنعت کا اظہار مسجدوں کی تعمیر پر ہی کیا ہے۔ جو کچھ اثر مذہب نے اُن کی طبایع پر کیا وہ ہمیشہ اُن کے تمدن پر غالب رہا۔ اور اس کے ساتھ وہ بھی سب قوموں پر غالب رہے۔ لیکن جوں جوں یہ مذہبی رنگ اُڑتا گیا وہ تمدن میں حیرت انگیز ترقی کرتے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اُن کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ درحقیقت تمدن جس کا اظہار فخر کے ساتھ کیا جاتا ہے اسلام کے سخت مخالف ہے۔ چاندی سونے اور جواہرات کا زیورات کی طرح استعمال۔ ریشمی کپڑوں اور رنگت نما لباس۔ مصوری۔ بت تراشی کی سخت ممانعت ہے

اور یہی اسباب ہیں جن پر ہر ایک قوم کا تمدن ناز کرتا ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جو اُن کے زوال کا باعث ہیں۔ عرب نے جس قدر تمدن میں ترقی کی اسی قدر اُن میں زوال آتا گیا۔ وہ سادہ تمدن جس کو قائم رکھنے کے لیئے اسلام نے اصول اور قواعد باندھ رکھے تھے کچھ عرصہ تک اُن کا دستور العمل رہا۔ مگر جس وقت اُس سے تجاوز کیا وہ حقیقی ترقی کے زینہ سے نیچے آ رہے اگرچہ وہ خود اور تمام دنیا خیال کرتی تھی کہ وہ عروج کر رہے ہیں ۔

خلفائے راشدین کا خلفائے عباسیہ سے مقابلہ کرو۔ مدینہ اور بغداد کی شہرت پر غور کرو تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ خلفا کے قصر کا تو کیا ذکر ہے۔ صرف مساجد کی تعمیر میں مختلف زمانوں میں جو کچھ تغیر واقع ہوا اُس سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ عرب سادگی کو چھوڑ کر نمایشی تمدن کو ترقی دے رہا تھا۔ صدر اسلام میں مساجد[1] صرف اسی غرض سے تعمیر ہوئی کہ لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں۔ اور اس لیئے ہر ایک شہر میں ضرورت سے زیادہ مسجدیں کبھی تعمیر نہیں ہوتیں۔ ان[2] کے محراب و ممبر نقش و نگار سے آراستہ نہ تھے۔ چونکہ اسلام نے ہر ایک امر میں اتفاق کو مدنظر رکھا ہے اس لیئے نماز باجماعت کی تاکید ہے اور اسی لیئے مساجد تعمیر ہوئیں ورنہ بعض حالتوں میں تو اس کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔ تمام زمین پر ہر ایک مسلمان جس جگہ چاہے نماز پڑھ سکتا ہے اپنا آپ امام ہے اور آپ مقتدی ہے۔ عبادت[3] کے لیئے کسی مندر اور گرجا کی ضرورت نہیں۔ احکم الحاکمین کے حضور فرش خاک پر سجدہ کرنا حقیقی خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے۔ قالین یا ریشمی مصلّی دل کو نرم نہیں کر سکتے پتھر کا فرش سنگدلوں کو موم نہیں کر سکتا ۔

۱و۲و۳ صدر اسلام میں مساجد نہایت ہی سادہ عمارتیں تھیں۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلی مسجد پیغمبر نے تعمیر کروائی۔ جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہوئی۔ مربع کی صورت میں خشت خام سے تعمیر ہوئی۔ ایک حصہ پر لکڑی کے شہتیر ڈال کر جنہیں کھجور کے پلستر شدہ تنوں نے سہارا دیا ہوا تھا۔ چھت ڈال لی۔ اس کی بھی غرض صرف دھوپ بارش وغیرہ سے بچنے کی تھی۔ اور اس کا اگلا حصہ کھلا صحن تھا۔ اس مسجد کی حیرت انگیز سادگی ایک عرصے تک نمونہ تھی۔ خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں بھی (حاشیہ بر صفحہ دیگر)

ہمارے سامنے تاریخ عالم موجود ہے اگر ہم اُن اسباب پر غور کریں جو مختلف اقوام کی ترقی کا باعث ہوئے اور اُن بواعث پر فکر کریں جو اُن کے تنزل کی وجہ ہیں تو ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائینگے کہ کسی قوم کی حالت میں تغیر واقع نہیں ہوتا جبتک کہ جادہ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتی اور جب وہ تمدن میں ترقی کرتی ہے تو اُس کا

(بقیہ حاشیہ) جس قدر مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ وہ بھی اسی سادگی سے تیار ہوئیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مسجد تعمیر کروانے کا حکم دیا۔ اور معمار سے کہا۔ کہ لوگوں کو مینہ سے محفوظ کردے۔ اور سرخی اور زردی۔ سے باز آ۔ کیونکہ لوگ اس میں پڑ جائینگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں گچ کا ایک نیبو بنا ہوا لٹکتا دیکھا۔ آپ نے حکم دیا اِسے کاٹ ڈالو۔ وہ کاٹ دیا گیا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم اپنے قرآنوں کو نقش و نگار سے آراستہ کرو۔ اور اپنی مسجدوں کو زینت دوگے۔ تو تم خراب ہو جاؤ گے۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم صبح کے وقت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زاویہ میں پہنچے۔ تو صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں ایک مسجد آئی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ اس مسجد میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے جو ہمارے ساتھ تھے کہا۔ کہ نہیں آگے دوسری مسجد میں چل کر پڑھینگے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ دوسری مسجد کونسی ہے کہا ابھی تیار ہوئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ رسولِ خدا نے فرمایا ہے۔ عنقریب جب میری اُمت پر ایک زمانہ آئیگا۔ کہ مسجدوں پر فخر کرینگے۔ اور اُن کو آباد نہ کرینگے۔ مگر کم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔ کہ میں نے مساجد کے بلند کرنے کا حکم نہیں دیا۔

علاوہ ازیں بے شمار حدیثیں اور روائتیں اور تاریخی واقعات شاہد ہیں۔ کہ پیغمبرؐ اور صحابہ کرامؓ نے عالی شان بلند اور زینت والی مسجدوں کی تعمیر منع فرمائی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ ضرورت سے زیادہ مسجدوں کا بنانا بھی منع کیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ کو واقعی حیرت ہوئی ہوگی۔ کہ ایک مسجد کی موجودگی میں اس قدر قریب دوسری مسجد کی کیا ضرورت تھی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ مسجدیں صرف اسی واسطے ہیں۔ کہ مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ" کے پابند ہوں۔ لیکن اگر ضرورت سے زیادہ مساجد ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ کسی ایک گاؤں یا شہر کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر نماز نہیں پڑھینگے بلکہ اُس جگہ کی سب مسجدوں کو آباد کرینگے اور جس قدر مسجدیں زیادہ ہونگی اُسی قدر نمازیوں کی کمی ہوگی۔ مسلمانوں نے زیادہ تر ثواب حاصل کرنے کے لئے مسجدیں تعمیر کروائیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کی نیک نیتی کا اجر تو ضرور دیگا مگر ہم یہی کہینگے کہ فی زمانہ اب مسجدوں کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے (حاشیہ بر صفحہ دیگر)

تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ کوئی مذہب ہمیں اس تنزل سے بچنے کے وسایل نہیں بتاتا۔ کوئی دین دوامی ترقی کے اسباب نہیں سکھاتا مگر صرف اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اُن برائیوں سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے جو ادبار۔ ذلت اور مسکنت کا باعث ہیں اور ساتھ ہی اُن اوصاف حسنہ کی تعلیم کرتا ہے جو ترقی کا زینہ ہیں۔ کسی مذہبی کتاب

(بقیہ حاشیہ) جو مسجدیں موجود ہیں اُنہیں آباد کیا جائے اور سب سے بہتر یہی بات ہے کہ جمعہ نماز تمام شہر میں ایک ہی ہونی چاہیئے۔ تاریخ بغداد میں جہاں ہم نے مختلف مساجد کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ خلفائے عباسیہ کے عہد میں جامع مساجد کی تعداد تین سے کبھی زیادہ نہیں ہوئی اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے تیسری مسجد آخری زمانہ عباسیہ میں تعمیر ہوئی۔ چونکہ دریا نے بغداد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اس لئے دو مسجدوں کی ضرورت تھی۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں ہمیں یہ دیکھ کر نہایت رنج ہوا کہ مسجدوں کی اس قدر کثرت ہے کہ اکثر غیر آباد ہیں اور ان میں صرف کتوں کی آمد رفت ہے۔

فی زمانہ تو نمازیوں کی اس قدر کثرت بھی نہیں اور اگر ہو بھی تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں اسے ظاہر ہونے نہیں دیتی۔ بہر حال اگر کثرت ہو تو مسجد کو وسعت دینی چاہیئے دوسری مسجد کی تعمیر نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ مضر بھی ہے۔ ہماری رائے میں جس قدر ضرورت سے زیادہ مساجد موجود ہیں یا تعمیر ہونگی سب معناً "مسجد ضرار" ہیں۔ مساجد کی کثرت۔ زیب و زینت اسلامی شوکت کا اظہار نہیں کرتی۔ بلکہ مسلمانوں کی کثرت ایک مسجد میں جو سادگی میں مسجد نبوی کا نمونہ ہو اسلام کی اصلی اور سچی عظمت ہے۔

ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبادت کے لئے کسی مندر یا گرجا کی ضرورت نہیں یعنی یہ ضرور نہیں کہ عبادت صرف مسجد میں ہی ہو سکتی ہے۔ شیخ احمد بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ "سب سے پیشتر روئے زمین پر کونسی مسجد بنائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا "مسجد الحرام" پھر میں نے عرض کیا کہ "اس کے بعد کونسی مسجد" آپ نے فرمایا "اس کے بعد مسجد اقصیٰ" عرض کیا کہ "ان دونوں کی تیاری کے مابین کس قدر فاصلہ ہے" فرمایا کہ "چالیس برس" پھر فرمایا کہ "جہاں تم کو نماز کا وقت آجائے وہیں نماز پڑھ لو کہ وہی مسجد ہے" یہ صحیح حدیث ہے کیونکہ قرآن شریف کی آیات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ ۴ ع ۱) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و فعلاً اس کی تصدیق کی ہے اور علاوہ ازیں قرآن شریف کی بعض آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے واسطے اور بھی سہولتیں ہیں مثلاً "فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" یعنی اگر تم کو ڈر ہو تو نماز پیادہ یا بحالت سواری پڑھ لو پھر جس وقت چین پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جیسا تم کو سکھایا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

میں تنزل و ترقی کے اسباب اس طرح صاف صاف الفاظ میں بیان نہیں کئے گئے جس طرح قرآن شریف (پ۱ ع ۷) میں بنی اسرائیل کی نسبت مذکور ہے کہ "وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ" "اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے کے اوپر قناعت نہ کرینگے پس تم اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے وہ چیز نکالے جو زمین اگاتی ہے ساگ اور ککڑی اور لہسن اور مسور اور پیاز کی قسم سے حضرت موسیٰ نے کہا کیا تم بہتر چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلتے ہو۔ شہر میں اترو کہ تم نے جو مانگا ہے وہ ملیگا۔ اور تمہارے اوپر ذلت اور فقیری چسپاں کردی گئی۔ اور انہوں نے خدا کے غصہ کے ساتھ رجوع کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ خدا تعالیٰ کی نشانیوں سے انکار کرتے تھے اور انبیا کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس لئے کرتے تھے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے")۔

بنی اسرائیل خصارت (شہری زندگی) سے واقف تھے اور حضرت موسیٰ انہیں مصر سے ہی نکال کر لائے تھے۔ وہ جنگلوں میں بداوت (یعنی خانہ بدوشی) کا زمانہ بسر کر چکے تھے اور اس وقت اُن کی خواہش یہی تھی یا قدرتاً ترقی تمدن کے ساتھ وہ اس امر کے خواہاں تھے کہ شہری زندگی کے اعلےٰ مدارج پر ترقی کریں وہ فی الحقیقت ارض مقدس پر قابض ہونا چاہتے تھے اور بوجہ اپنی نادانی کے ناکامیاب رہے تھے۔ اس واقعہ کو چالیس برس کے قریب گذر چکے تھے کہ حضرت موسیٰ پر اُن کی خواہش کا اظہار ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن کا تمدن تقاضا کرتا ہے کہ شہریت میں اور ترقی کریں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ساگ اور ککڑی اور پیاز اور لہسن

وغیرہ میں کچھ خورش تو ہے نہیں صرف زبان کا مزا ہے اور موجودہ حالت میں جو کچھ
اُن کو ملتا تھا اگرچہ ایسا لذیذ نہ ہوگا مگر بلحاظ خورش کے بہتر تھا۔ ان کے دل میں
ترقی تمدن کے ساتھ اس قسم کی خواہشوں کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ حضرت موسیٰؑ
نے بھی معقول جواب دیا کہ اگر اس قسم کی اشیا کی طلب کرتے ہو تو شہری زندگی
اختیار کرو۔ اور کسی سیر حاصل زمین پر آباد ہو جاؤ پھر جو کچھ تم مانگتے ہو تمہیں مل رہیگا۔
اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے تمدن میں کس قدر ترقی کی
تھی " طعام واحد " سے ایک قسم کا کھانا مراد نہیں ہے بلکہ ایک طریقہ کا کھانا مراد ہے
اُس کی مثال ایسی ہے کہ فلاں شخص کے دسترخوان پر ایک ہی کھانا رہتا ہے اس سے
یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک دستور پر چلا جاتا ہے اس میں تغیر نہیں ہوتا (تفسیر کبیر)
بنی اسرائیل چونکہ تمدن میں ترقی کر رہے تھے اس لئے یہ خواہشیں تو ضرور منہ میں پانی
بھر لاتی ہونگی اور اس کا اظہار کئے بغیر وہ رہ بھی نہ سکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے بہت
سمجھایا کہ جس چیز کو تم پسند کرتے ہو وہ تمہاری تنزل کا باعث ہوگی کیونکہ تم
ادنیٰ چیز کو چاہتے ہو اور وہ بھی صرف زبان کے مزے کے لئے مگر بنی اسرائیل
نے نہ سمجھا۔ آخر نتیجہ یہی ہوا کہ وہ شہری زندگی میں ترقی کرتے گئے۔ اور فی الحقیقت
وہ تنزل کر رہے تھے۔ اور آخر جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ تمدن کی ترقی حقیقی
تنزل کا باعث ہے وہ ذلیل و رسوا ہوئے اور جیسا کہ ترقی تمدن کے ساتھ
خود غرضی اور فسق و فجور اور نتیجہ کفر اور دہریت کی اشاعت ہوتی ہے بنی اسرائیل
بھی ایسے ہی ہو گئے اور بحالت گمراہی اُن انبیاء کو جو اُن کی اصلاح کے لئے
مامور ہوتے اور اُنہیں اُن ناشائستہ حرکات سے باز رہنے کے لئے پند و نصائح
کا وعظ کرتے قتل کرتے۔ اور صریحاً آیات اللہ کا انکار کرتے اور اُس کی وجہ یہی تھی کہ معصیت
میں کمال تھا۔ اور معصیت اعلےٰ تمدن کا لازمی نتیجہ ہے اور فی الحقیقت اگر وہ حد
اعتدال سے تجاوز کرتے اور تمدن کے ساتھ اعتدال کو قائم رکھتے تو یہ ناشائستہ
حرکات ان سے سرزد نہ ہوتی اور اس قبیح فعل کے وہ مرتکب نہ ہوتے ؎

مثیل موسیٰ کے لئے ضرور تھا کہ اپنی امت کو بنی اسرائیل کی مثال بیان کر کے اُن خرابیوں کو بیان فرماتا جو ذلّت و مسکنت کا موجب ہیں اور جو فی الحقیقت غضب خدا کا نتیجہ ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں جو اعتدال سے تجاوز کرنا ہی غضب خدا کی طرف رجوع کرنا ہے۔ قرآن شریف میں جہاں اس اعتدال کی خوبی بیان کی گئی ہے ساتھ ہی اس سے تجاوز کرنے کی برائیوں کا اظہار بھی کیا گیا" یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۲ ع ۴) (اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال ہے ستھرا اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا عدو علانیہ ہے وہ تو تم کو برے کام اور بے حیائی کا حکم کریگا اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو معلوم نہیں)" وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (پ ۲ ع ۱۴) (اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو بعد اس کے کہ پہنچ چکی اُس کو تو اللہ کی مار سخت ہے۔ اچھا ہے منکروں کو دنیا کی زندگی پر وہ ہنستے ہیں ایمان والوں سے)" اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ" (پ ۳ ع ۸) اولی الابصار کے واسطے اس میں عبرت ہے۔ لوگوں کو رجھایا خواہشات عورتوں اور بیٹوں جمع ساختہ خزانوں اور زر و سیم اور پلے ہوئے گھوڑوں اور مویشیوں اور زراعت کی محبت نے۔ بہرہ زندگانی دنیا تو یہی ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس ہے ٹھکانہ۔ تو کہہ (اے محمدؐ) کہ میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں)

قرآن شریف میں مذکورہ بالا آیات کے علاوہ بے شمار آئتیں گذشتہ زمانہ کے

اقوام کی تمدنی ترقی اور نمود و شان و شوکت اور اُن کے تنزل اور بربادی کے
قصص میں بیان کی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے کھانے اور پینے کی ممانعت تو نہیں کی مگر اجازت صرف رزق حلال اور طیب
کی ہے۔ اور بتلا دیا گیا ہے کہ خواہشات نفسانی کے پیچھے مت جاؤ وہ تو تمہیں برے
کام کرنے ہی کو کہینگی اور تم ایسے افعال کے مرتکب ہوگے کہ جو قبیح ہیں اور جن سے
انسان بے حیا بن جاتا ہے۔ اور تمہاری خواہشیں تو یہی ہیں کہ خوبصورت
عورتوں کا ہجوم ہو۔ اولاد ہو۔ اور وہ بھی بیٹے ہوں بیٹیاں نہ ہوں۔ روپیہ پیسہ
خوب جمع ہو۔ اور چاندی سونے کے ڈھیر لگے ہوں خوب فربہ گھوڑے اور
مویشی صرف ظاہری نمود کے لئے ہوں اور زراعت ہو۔ یہی تمدن کے اسباب
ہیں اور یہی زوال کے باعث ہیں۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو زمین خریدنے اور
کاشتکاری سے منع کرتے تھے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ جنگ کے موقع پر اُنہیں ان
چیزوں سے جدا ہونا شاق گذرے افسوس ہے کہ باوجود ایسی اعلیٰ تعلیم کے
مسلمان حد اعتدال سے تجاوز کر گئے عیش و عشرت کی طرف مائل ہوگئے اور اُس
سادہ تمدن کو بھول گئے جو اُنہیں سکھایا گیا تھا اور جس کی وجہ سے اُنہیں اس قدر
غلبہ حاصل ہوا تھا۔ وہ ظاہری آرایش و نمایش و بے سود نمود کی طرف راغب ہوگئے
اور قدرتاً اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوا یعنی ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہوگئے۔
مگر زیادہ تر افسوس اس بات کا ہے باوجود اس تباہی کے وہ ابھی تک اُسی
خواب خرگوش میں ہیں حالانکہ قرآن شریف میں وہ طریقہ بھی بتایا گیا ہے جو اس
ذلت و مسکنت سے نکلنے کا ہے۔ وہ صرف یہی ہے کہ توبہ کرو اور سچے دل سے
توبہ کرو یعنی ان حرکات ناشائستہ سے باز آؤ اور یہ قبیح افعال ترک کرو اور یہ
بھی اسی الہامی کتاب میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ صرف
اس طرح کہ سونے چاندی کو بطور زیورات استعمال کرنا چھوڑ دو۔ اور بے فائدہ
روپیہ پیسہ جمع نہ کرو کسی مفید کام میں لگاؤ۔ اور اس سے زیادہ مفید کام کیا ہوسکتا ہے

کہ جو روپیہ تمہاری اپنی ضروریات سے تمہارے پاس زیادہ ہے وہ قومی کام میں صرف کرو۔ ایسا لباس ترک کرو جو صرف ظاہری آرائش ہے۔ اسراف سے باز آؤ۔ اور اگر ایثار نہیں کر سکتے تو خیرات میں حصہ لینا چاہیئے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو زکواۃ تو فرض ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ میرے نزدیک وہی زیادہ معزز ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ و رسول کے نزدیک بھی پرہیزگار ہی معزز ہے۔ اور پرہیزگار ہی راہ ہدایت پر ہے اور اُسی کا ایمان کامل ہو سکتا ہے۔ پرہیزگار ہی سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ "جو کچھ" اللہ تعالیٰ نے اُسے دے رکھا ہے اس میں سے وہ قوم کے فائدہ کے لئے صرف کرتے ہیں " وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ " پر عمل کرتے ہیں۔ صرف روپیہ پیسہ ہی کو صدقہ کے لئے خاص نہیں کرتے۔ بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالےٰ نے اُنہیں عنایت کی ہے دوسروں کی فائدہ بہبودی کے لئے صرف کرتے ہیں۔ وہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ ہر ایک قسم کی اخلاقی امداد دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر صاحب اثر ہیں تو اپنے اثر کی وجہ سے لوگوں کو برے کاموں سے روکتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس ؂

اسباب تنزل جو ہم نے بیان کئے ہیں بغداد میں بہت سے موجود تھے۔ اور نتیجہ وہی ہوا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں اس طرح فرماتا ہے کہ " كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ " (پ ۱۱ ع ۲) یعنی اس کا وہی انجام ہوا جو مسرفین کا ہوا کرتا ہے اور حالانکہ اُن سے پیشتر اللہ تعالےٰ نے مسرف اور جادہ اعتدال سے تجاوز کرنے والی قوموں کو اسی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ حد سے بڑھ گئے تھے اور باوجود اس کے کہ اہل اللہ ان ظالموں کو ان قوموں کی تباہی

کا حال سُنا سُنا کر ڈراتے رہے اور ان کھلی آیات کا حوالہ دے دے کر سمجھاتے رہے کہ اسراف سے باز آؤ اور اعتدال کو قائم رکھو۔ دیکھو تو رومیوں کا کیا حال ہوا اور ایرانیوں پر کیا تباہی آئی اور کیوں آئی؟ اسی وجہ سے کہ حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے پھر اللہ تعالےٰ نے تمہیں اُن پر مسلط کر کے خلیفہ بنایا تاکہ تم دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دو گذشتہ قوموں کی تباہی سے عبرت حاصل کرو۔ مگر آہ ــــ

مسجد نبوی میں ابتدا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن نماز میں اس طرح آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے صف باندھے ہوئے دست بستہ اللہ تعالےٰ کے حضور ادب سے کھڑے تھے کہ یکایک آپ نے رخ مسجد الحرام یعنی بیت اللہ کی طرف پھیر دیا عشرہ مبشرہ نے تو فوراً آپ کی متابعت کی مگر بعض ایسے شخص بھی تھے کہ جنہیں اس حرکت پر تعجب ہوا۔ اور بعض آخر میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کچھ منافق بھی تھے اُن کا تو برا حال ہوا۔ اور حق یہ ہے کہ اُن کی طبیعت کا اظہار فوراً ہو گیا اور مسلمان اُن کے شر سے بچ رہے مگر یہ تو فوائد ضمناً حاصل ہوئے فی الحقیقت جو کچھ فائدہ مدنظر تھا اسے اللہ تعالےٰ اس طرح ذکر فرماتا ہے کہ:۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَ
لَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنتَ
بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝
الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا
مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَ
مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ
مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْ
هُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

(پ۲ شروع) یعنی بے خرد تو یہ کہینگے کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم بیت المقدس کی طرف سے
منہ پھیر کر مسجد الحرام کو قبلہ بنائیں۔ اور فی الحقیقت اُن کا ایسا خیال اس وجہ سے
ہے کہ اُنہوں نے بیت المقدس ہی کو اپنا معبود تصور کر رکھا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت
مشرق و مغرب تو صرف سمتیں ہیں اور تمام جہات و اطراف خدا کے ملک اور اُس
کی مخلوق ہیں۔ پس جس طرف کو خدا تعالے منہ کرنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اس واسطے
کہ قبلہ خود بخود قبلہ نہیں بن گیا بلکہ خدا تعالے نے اس کو قبلہ مقرر فرمایا ہے پس
اگر کعبہ کو اس نے قبلہ مقرر کر دیا تو اعتراض مت کرو اس واسطے کہ وہ جس طرح
چاہتا ہے اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہے اور اُس کا علم وسیع ہے۔ اور بندوں
کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے۔ اور یہ کوئی وجہ نہیں کہ چونکہ حضرت امّ عیسیٰ علیہ السلام
"مکاناً شرقیا" میں رہتی تھی۔ اس لئے۔ مشرق قبلہ ہو گیا اور اس طرح یہودیوں کا

حال ہے کہ یہ بیہودہ خیال پکا رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ الصخرہ سے آسمان کی طرف
چڑھا اور اس لئے مغرب قبلہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس بات کا حکم ہی کب دیا
تھا کہ بیت المقدس کے مغرب یا مشرق کو اپنا قبلہ بناؤ۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے صریح
حکم دیدیا کہ مسجد الحرام کو اپنا قبلہ بناؤ اور اس سے مقصود یہ نہیں کہ مسجد الحرام میں
کوئی خاص بات ہے یا جس طرح یہود و نصاریٰ نے بیت المقدس کو سمجھ رکھا ہے
وہ بھی ایسی ہی عمارت ہے نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ کون شخص رسول کی پیروی کرتا
ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص رسول
کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا اجر ضرور دیگا۔ اور خدا کا وعدہ سچا تھا اور
سچا ثابت ہوا اور مسلمانوں کو جو آپ کی پیروی کرتے تھے اور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ
نے اجر دیا اور دیتا ہے اور جو احمق آپ سے روگرداں ہوئے۔ دنیا و دین نے
اُن سے منہ پھیر لیا اور "خسر الدنیا والآخرہ"۔ رسول خدا کا مسجد الحرام کی طرف متوجہ
ہونا بہت ہی پر اسرار تھا۔ "وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" نے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے
مسلمانوں کو ایک "قوم" بنا دیا۔ اُن کی تمام طاقتوں کا مرکز "کعبہ" قرار پایا۔ جس جگہ
وہ ہوں کعبہ میں اُن کا دل ہے خدا تعالیٰ نے اپنی معہودہ نعمت کو ہدایت یافتہ
مسلمانوں پر کامل کر دیا۔ "نماز" نہ صرف انہیں "فحشا والمنکر والبغی" سے منع کرتی
ہے بلکہ دن میں پانچ وقت مقررہ پر اصلی طاقت کے مرکز کی یاد دلاتی ہے۔ "حج"
اُنھیں اُس مقام پر لے جاتا ہے جہاں اُن کا دل ہے "ومن دخلہ کان آمنا"۔

بغداد جس کا حال بہت کچھ بیان کر دیا ہے اور فی الحقیقت بہت تھوڑا لکھا ہے
اولی الابصار کے لئے عبرت ہے مستعصم یعنی آخری تاجدار عباسیہ کے عہد میں
ایک پتھر حجر اسود کے رنگ کا دار الخلافت کے آستانہ پر رکھا رہتا تھا جس کو
لوگ چومتے تھے اور نشستگاہ کے جھروکہ میں سے ایک اطلس سیاہ کی آستین لٹکتی
تھی جسے لوگ غلاف کعبہ کی طرح آنکھوں سے لگاتے تھے غرض بغداد میں کعبۃ اللہ کا

نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا تھا۔ خدا معلوم خود خلیفہ وقت جھروکہ میں بیٹھ کر اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا۔ اُس میں کچھ شک نہیں کہ جب لوگوں کو آستانہ خلافت پر بوسہ دیتے اور آستین کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے دیکھتا ہوگا تو ضرور "سبحان ما اعظم شانی" کا دعویٰ کرتا ہوگا۔ اس بدبخت شخص کا جو کچھ انجام ہوا اُس کا اعادہ کرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔ افسوس اس وقت عرب نے اپنی پولیٹیکل طاقت کے مرکز ہی کو فراموش نہ کر دیا تھا بلکہ سرچشمہ اسلام کو بھی بھلا دیا تھا۔ اور ایسی قوم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ کعبہ ہی اُن کی "پولیٹیکل" اور "ریلیجس" طاقت کا مرکز تھا۔ لیکن اُنہیں بھول گیا کہ ہم کیا تھے۔ کیا ہو گئے۔ تاریخ بغداد میں ہم نے مفصل تحریر کیا کہ بنی اُمیہ کی طاقت کا انحصار خالص عرب تھا اور یہ کہ عباسیہ کا دارومدار فارس پر تھا۔ دونوں خاندانوں کی تباہی کا موجب اُن کے اپنے بد اعمال اور قبیح افعال ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ بنی اُمیہ کی تباہی پر عرب کی پولیٹیکل طاقت کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور یہ سرا عباسیہ کی نادانی کی وجہ سے ہوا۔ وہ شوق سے فارس کو کیا بلکہ تمام دنیا کو اسلام اور اُس کی برکتوں سے مستفید کرتے۔ مگر عرب کو کبھی کمزور نہ کرنا چاہیئے تھا اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا جبکہ وہ اپنی تمام طاقتوں کے مرکز کو دائرہ خیال میں رکھتے اور جہاں کہیں وہ ہوتے اُن کا دل کعبہ میں ہوتا۔ فی زمانہ جو شخص "قوم قوم" کہتے ہیں اُنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تک اُن کی طاقت کا ایک مرکز نہ ہوگا وہ ہمیشہ منتشر رہینگے اور کبھی اُنہیں جمعیت حاصل نہ ہوگی۔ اور یہ اُسی صورت میں ہوگا جب وہ خود نماز کو قائم کرینگے اور دوسروں کو ہدایت کرینگے۔ اور حج کے واسطے ہمیشہ مستعد رہینگے ؁

عمارات بغداد کا ذکر کرتے ہوئے ہم نے ظاہر کر دیا ہے کہ تمدن کا ان پر کیا کچھ اثر ہوا۔ شروع میں صرف مسجدیں ایسی عمارتیں تھیں جن پر صنعت کا اظہار ہوتا۔ یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے علم و ہنر کو کسی اور طرح ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کر سکتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے نہ کیا۔ جبکہ وہ مسجدوں کی تعمیر میں اعلیٰ درجہ کے صناع ثابت ہوئے

تو کسی اور عمارت میں بھی بدرجہ اولیٰ ہو سکتے تھے۔ مگر وہ ایسا کرنے سے باز رہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ابھی محسوس کر رہے تھے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو کیا انجام ہوگا۔ یہ زمانہ بھی گذر گیا اور اس دل و دماغ کے لوگ بھی چل بسے۔ اب بلند عالیشان سنگ خارا و مرمر کے قصر اور عام مکان تعمیر ہونے لگے۔ ہمارا مدعا نہیں کہ عربی وضع عمارت کی نسبت کچھ لکھیں۔ صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہر ایک قوم کی عمارتیں اُن کی سیرت کی صورت ہیں اسی طرح عربی خصایل کا نقشہ عربی عمارات ہیں۔ ہر ایک براعظم میں عربی عمارت مقبول ہوئی ہے۔ اور نہایت ہی شریف عمارت ہے۔ اس کی محرابوں۔ ستونوں۔ میناروں اور گنبدوں کو دیکھو کس شان۔ وقار۔ متانت اور عزّت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھتے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں یورپین مصنّفین نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور نہ صرف مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتے ہیں بلکہ تسلیم کرتے ہیں کہ آج جو یورپ میں عمارتیں نظر آتی ہیں اور جن پر یورپ فخر کرتا ہے وہ سب عربی عمارتوں کے نمونہ پر تعمیر ہوئی ہیں لیکن کوئی ہمارے دل سے پوچھے کہ اس فخر اور نمود نے یوروپ ہم پر کیا اثر کیا۔ کاش ہم ان سب باتوں سے ناواقف ہوتے اور کبھی اُس سادہ تمدّن سے تجاوز نہ کرتے جس کی تعلیم ہمیں اسلام دیتا ہے۔

مورخین عربی تمدّن کا ذکر کرتے ہوئے اُن اشیاء کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جو روزمرّہ استعمال میں آتی تھی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ چاندی سونے کا استعمال بطور زیورات کس طرح کیا جاتا تھا۔ ہم پڑھتے ہیں کہ "در دنحاس مکفت بالذہب والفضۃ" "ونحاس اصفر مکفت بالذہب" "فولاد مکفت بالذہب" "وخشب مطعم بالعاج والابنوس" "وصنع تابوتا من ابنوس مطعم بالصدف"۔

غرض تمدّن نے بغداد کو وہ سب کچھ سکھایا جس کا اسلام سخت مخالف تھا۔ اگر نص قرآن شراب کو برا کہتی ہے تو نبیذ (تاڑی) کی حلت کا فتویٰ نا سمجھ علما نے دے دیا۔ خود ہارون اور مامون جیسے اولوالعزم شہنشاہوں کی محفل عیش و عشرت

میں اس کا دور چلتا۔ باوجود صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے اہل بغداد نے جیسا کہ ہم نے
ذکر کیا ہے دل بہلانے کے سب سامان مہیا کر لیئے۔ درحقیقت وہ ارکان اسلام
کے رواجاً پابند تھے۔ اور اس پابندی میں بھی ایک آزادی حاصل کر رکھی تھی۔ اگر
زیارت قبور کو جا رہے ہیں تو زرق برق کے لباس پہنے ہوئے۔ نقرئی وطلائی زیورات
سے آراستہ خچروں پر (ملہ بجائے عربی گھوڑوں کے) سوار اس طرح ہنسی خوشی جا رہے
ہیں گویا کسی تھیٹر میں ناچ وغیرہ کا تماشا دیکھنے چلے ہیں۔ تفریحاً بازاروں میں گشت
کرتے ہیں تو یہی حال ہے اور بازار دکانیں عجب مضحکہ خیز منظر ہیں کہیں بھان متی
کا تماشا ہو رہا ہے تو کہیں درویش ناچ رہے ہیں۔ دوکانیں ہیں تو شیشہ وفانوس
غرض ہر ایک قسم کے عیش وعشرت کے سامان سے آراستہ ہیں اور لوگوں کا ہجوم
ہے۔ امرا وزرا کا یہ حال ہے کہ نفاق وحسد وبغض وکینہ کی زندہ مثالیں ہیں خلیفہ
وقت آستانہ خلافت سے باہر قدم رکھنا کسر شان سمجھتے ہیں کہ اس سے رعب میں
فرق آتا ہے۔ سلہ ملک میں دورہ کرنا کجا۔ عنان سلطنت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے
جو ان کے منہ چڑھے ہیں۔ خلفا دن رات عیش وعشرت میں مستغرق رہتے۔ ہر ایک
ملک کی خوش شکل کنیزیں حرم میں جمع تھیں جن کا شمار خود عیاش خلفا کو بھی معلوم نہ تھا
اُن کے پاس خزانے جمع تھے اور چاندی سونے اور جواہرات کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔
(جو ہلاکو خان وغیرہ کے ہاتھ آیا) موٹے پلے ہوئے گھوڑے اور مویشیان کے اصطبل میں
تھے جو کسی کام نہ آئے اور سپاہ کا یہ حال تھا جسے ایک شاعر ذیل کے اشعار میں ظاہر کرتا ہے

بلغ امیر المومنین رسالۃ   من ناصح لک لا یرید خداعا

ایک ایسے خیرخواہ کی جانب سے جو تم کو فریب دینا نہیں چاہتا ہے امیر المومنین کو یہ
پیغام پہنچا دو ۔

ملہ حضرت عمرؓ ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ سوائے عربی گھوڑوں کے کسی اور ملک کے گھوڑوں پر سوار نہ ہوں ۔
سلہ خلفاء عباسیہ کے پہلے خلفاء کے مقبرے بغداد میں نہیں ہیں بلکہ بغداد سے دور مختلف مقامات پر ہیں
آخری خلفا بغداد سے باہر نہیں نکلے اور نہایت ذلت کے ساتھ مارے گئے یا مرے ۔

بضع الفتاۃ بالف الف کامل — وتبیت سادات الجنود جیاعا

کہ ایک حسین عورت پورے دس لاکھ درہم کا سرمایہ حاصل کر لیتی ہے اور فوج کے سردار دن بھر فاقہ کر کے رات کو بھوکے سو رہتے ہیں +

لولا بی حفص اقول مقالتی — وابث ما اثبتنکما لارتاعا

اگر میں یہ بات ابی حفص (عمرؓ) سے کہتا اور جو تم سے عرض کرتا ہوں اس بات کو ان کے سامنے بیان کرتا تو وہ خوف سے کانپ اٹھتے ۔“

ان کے اسلحہ خانوں میں ہزارہا قسم کی فولادی تلواریں - نیزے وغیرہ تھے جن کو زنگ کھا رہا تھا - ہزارہا قسم کے محاصرہ کے آلات مثلاً منجنیق وغیرہ بیکار پڑے تھے انہیں قرآن شریف کی آیات واحادیث دربارہ جہاد فراموش ہو گئی تھیں اور یہ مشہور و معروف حدیث بھول گئی کہ ”لا یدع احد منکم الجہاد فانہ لا یدعہ قوم الا ضربہم اللہ بالذل“ یعنی اے اہل اسلام تم لوگوں میں سے کوئی شخص جہاد ترک نہ کرے کیونکہ کوئی قوم ایسی نہیں جو جہاد کو چھوڑ دیتی ہو اور اللہ پاک اسے ذلیل و خوار نہ کر دیتا ہو“ پیغمبر کی یہ حدیث کہ ”مرد مومن کے تمام کھیل صرف تین باتوں میں منحصر ہیں - اپنے گھوڑے کو چال ڈھال سکھائے - اپنی کمان کو خوب زہ کر کے تیراندازی کرے اور اپنی بیوی سے ہنسے بولے - اس میں شک نہیں کہ یہ امر حق ہے - بے شک اللہ پاک فی سبیل اللہ ایسے کام کرنے والے اور خدا کی راہ میں تیراندازی کرنے والے کو جنت میں داخل فرمائیگا“ انہیں نسیاً منسیاً ہو گئی تھی بجائے شہسواری کے انہیں شطرنج[۲] کھیلنے کا شوق تھا - اور ہارون کو تو اس میں کمال تھا مامون رشید کسی قدر غبی تھا - اکثر کہا کرتا تھا کہ اس سے عقل بہت تیز ہوتی ہے

[۱] یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے اور آپ نے خلافت کے پہلے دن خطبہ میں فرمایا تھا +

[۲] شطرنج کو اس وقت شاہ مات کہتے تھے جو بظاہر فارسی لفظ ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس قسم کا تماشا ایرانی جودت طبع کا نتیجہ ہے - عرب سے یورپ و انگلنڈ میں گیا - انگریزی میں اسے ”چکمیٹ“ اور فرنچ اور جرمن میں اس کے قریب قریب الفاظ ہیں +

مگر باوجود اس کے اچھی نہ کھیلتا تھا اگرچہ بہت شوق تھا۔ کبھی کبھی اس طرح لاف زنی بھی کیا کرتا کہ عرصہ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کپڑے کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ فی الواقع ایک مومن اور صرف مومن سے یہ توقع ہے کہ اپنی زوجہ سے ہنسے بولے۔ اُس زمانہ میں تو شہوت پرست خلفا کے حرم میں ہزارہا کنیزیں موجود تھیں جن پڑھ[۱]

[۱] بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز حضرت عمرؓ کی نواسی کے بیٹے تھے اور اُن میں وہ سب اوصاف حسنہ موجود تھے جو خلیفہ دویم کی ذات مجمع صفات میں تھے انہیں عمر ثانی کہنا بہت موزوں ہے ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ عیش پسند اور شرابی تھا گانے بجانے کا بھی بہت شوق رکھتا تھا سلطنت کے کاروبار طاق رکھ کر "جہانگیر" کی طرح ایک لونڈی کی صحبت میں رہنے لگا اور بیگم کے ہاتھ ایک شراب کے پیالہ کے عوض سلطنت فروخت کردی۔ لونڈی کا نام حبابہ تھا۔ اُس نے خلیفہ کے دل و دماغ اور تمام سلطنت پر یکساں قبضہ حاصل کرلیا۔ جسے چاہتی برطرف کرتی اور جسے چاہتی ملازم رکھتی تھی۔ خلیفہ کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ آخر ایک دن اس کے بھائی "مسلمہ" نے بہت لعنت ملامت کی اور کہا "تم عمر بن عبدالعزیز جیسے عادل حکمران کے بعد خلیفہ ہوئے اور اب حالت یہ ہے کہ ایک لونڈی کے عشق میں مبتلا ہو کر سلطنت کے کاروبار کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ لوگ در دولت پر حاضر ہو کر باریاب ہونے کی استدعا کرتے ہیں اور تمہیں اس کا علم نہیں ہوتا فریادی چیختے چلاتے ہیں اور تم ہو کہ غفلت کی گہری نیند میں سو رہے ہو۔" بھائی کی ملامت آمیز گفتگو سے متاثر ہو کر یزید بن عبدالملک نے کہا "تم سچ کہتے ہو" اور اس نے ارادہ کیا کہ اب سے شراب نہ پیونگا اور عیش و عشرت سے توبہ کی۔ چنانچہ وہ کچھ دنوں تک وہ حبابہ سے علیحدہ رہا۔ مگر حبابہ خلیفہ کی طبیعت کی کمزوریوں سے خوب واقف تھی۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ خلیفہ سے دوچار ہو۔ چنانچہ جمعہ کے دن خلیفہ ایوان خلافت سے باہر جانے کو تیار ہوا۔ لونڈی کے ذریعہ حبابہ کو بھی اطلاع ہوگئی۔ حبابہ عود ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے محل سے نکل کر خلیفہ کے سامنے کھڑی ہوئی اور یہ شعر دلکش آواز میں گانے لگی ؎

الا لا تلمہ الیوم ان یتبلدا　　　فقد غلب المحزون ان یتجلدا

خبردار آج سے اس کے تجاہل پر ملامت نہ کیجو کیونکہ غمگین پر اس کا بتکلف صبر کرنا غالب آ رہا ہے خلیفہ نے اس شعر کو سن کر اور حبابہ کی دلفریب صورت دیکھ کر اپنا منہ ڈھانپ لیا اور کہا "ٹھہر تو جا۔ کیا کرتی ہے؟" مگر حبابہ نے اس خفگی کی پروا نہ کی اور ایسے دلفریب ادا کے ساتھ دوسرا شعر گایا ؎

فما العیش الا ما تلذ وتشتہی　　　وان لام فیہ ذو الشنان وفندا

زندگی تو وہی ہے جو تجھ سے لذید محسوس ہے اور جس کی تو خواہش کرے اگرچہ کینہ ور اس پر ملامت کرے اور بیوقوف بنا دے۔

زاہد فریب حسن اور رسیلی سروں۔ حسب حال اشعار کا اثر یہ ہوا کہ پاؤں توبہ کے لڑکھڑانے لگے (بر صفحہ دیگر)

سو جان سے فدا تھے اُن کی تعریف میں شعر کہتے۔ اور اُن کے دلکش نغموں پر فریفتہ ہوتے
معلوم نہیں کہ خاص منکوحہ بیوی کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ مامون۔ معتصم۔ واثق۔ متوکل۔
مستنصر۔ مستعین۔ معتز۔ مہتدی۔ معتمد۔ مکتفی۔ مقتدر۔ قاہر۔ متقی۔ مطیع۔ طائع۔
قائم۔ مقتدی۔ راشد اور دیگر خلفا تمام کنیزک زادہ تھے اور یہ بھی ترکی۔ رومی۔
ارمنی اور مختلف شہروں کی کنیزیں تھیں ؛

صدر اسلام میں خلفاء اور عوام الناس میں بظاہر کچھ تمیز نہ تھی "سید القوم خادم"
کا اطلاق ان پر صحیح تھا۔ اسلام نے ایک ایسی جمہوری سلطنت کی بنیاد رکھی اور کچھ
عرصہ تک قائم رکھی کہ اُس سے بہتر متصور نہیں ہوسکتی۔ لیکن دمشق نے اُسے شخصی

(بقیہ حاشیہ) خلیفہ دیوانہ وار حبابہ کو لپٹ گیا اور کہا "واللہ تو نے سچ کہا ہے جس نے مجھے تجھ سے الفت قائم رکھنے پر ملامت کی خدا اس کا برا کرے۔ ارے غلام مسلمہ کو میرا حکم سنا دے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے" اس کے بعد وہ محفل عیش و عشرت تھی وہی حبابہ اور وہی اُس کی خوش الحانی اور وہی خلیفہ تھا اور دور بادہ ارغوانی۔ ایک مرتبہ وہ ملک شام کے ایک سردار کے گھر میں وارد تھا اور حسب معمول حبابہ ہمراہ تھی۔ دل میں خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ "کوئی شخص پورے ایک دن صبح سے لیکر شام تک داد عیش نہیں دیسکتا۔ اس عرصہ میں اسے کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ جس سے تمام مزہ کرکرا ہو جاتا ہے میں بھی اس قول کا امتحان کرونگا" یہ سوچ کر اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا "کل صبح سے مجھے کسی بات کی اطلاع نہ دینا اور نہ کوئی خط میرے پاس لانا خواہ وہ کتنا ہی ضروری ہو" یہ حکم دے کر حبابہ کے ساتھ خلوت میں جا بیٹھا اور مصروف عیش و تنعم رہا۔ خادموں نے دستر خوان چن دیا تھا جس پر طرح طرح کے لذیذ کھانے اور انواع و اقسام کے میوے موجود تھے۔ حبابہ نے ایک انار اُٹھا کر کھانا شروع کیا۔ جس وقت کہ وہ انار کے دانوں کا پھنکا لگا رہی تھی اتفاق سے ایک سالم دانہ حلق میں جا پھنسا اور اچھو ہوتے ہی مرگئی خلیفہ تو مجنونوں کی طرح تین دن تک اُس کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ اُسے دفن نہیں کرنے دیتا تھا۔ آخر لاش بگڑ گئی اور اُس میں سے بدبو آنے لگی خلیفہ بار بار اُس کی میت کو سونگتا تھا اور چومتا تھا۔ مگر اُس کے پاس سے نہیں ہٹتا تھا۔ اُس کے عزیزوں نے یہ حالت دیکھ کر لعنت ملامت کی اور اُسے اس حرکت سے باز آجانے پر مجبور کیا۔ بہت ہی رد و کد کے بعد دفن کرنے کی اجازت دی اور اُس کے مرنے کے بعد خود بھی پندرہ دن زندہ رہ کر حبابہ کے پہلو میں دفن ہوا ؛

بنا دیا اور بغداد نے مطلق العنان شخصی حکومت کی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلام نے جو اصول سلطنت قائم کئے اور جو خلفائے راشدین کا دستور العمل تھا اُس کے بالکل برخلاف خلفائے عباسیہ نے روش اختیار کی۔ وہ رفتہ رفتہ قومیت کو بھی ترک کرتے گئے۔ معتصم[1] نے ترکی وضع اختیار کی دس ہزار ترکی غلام مختلف حکومتوں اور خدمتوں پر مامور تھے۔ خلعت شاہانہ اور سونے کی پیٹیاں باندھے ہوئے بازاروں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور لوگوں کو آزار دیتے تھے۔ اہل بغداد اس قدر تنگ آئے کہ آخر خلیفہ کو بغداد چھوڑنا پڑا۔ اور اسی وجہ سے شہر سر من رائے (سامرہ) آباد ہوا۔ معتصم نے اپنی وضع ترکی بنالی اور ترکی زبان میں گفتگو کرتا تھا اور لوگوں کو بھی ترکی بولنے پر مجبور کرتا تھا۔

بنی اُمیہ کو عرب کے ساتھ دلی ہمدردی تھی۔ عباسیہ کو اس کے برخلاف کچھ

---

[1] معتصم کے نام کے ساتھ عدد آٹھ (۸) کا خاص تعلق ہے۔ خلفائے عباسیہ میں سے آٹھواں (۸) خلیفہ ہے۔ ہارون الرشید کا آٹھواں (۸) بیٹا ہے۔ اس کا طالع عقرب آٹھواں (۸) برج ہے۔ خلافت عباسیہ کی عمر (۸) سال تھی جب تخت نشین ہوا۔ آٹھ (۸) سال آٹھ (۸) ماہ آٹھ (۸) دن حکومت کی۔ آٹھ (۸) پسر اور آٹھ (۸) دختر تھی۔ یہی عدد آٹھ (۸) کے مضمون پر دعبل نے اس کی ہجو لکھی۔

ملوك بنى العباس فى الكتب سبعةٌ	ولم ياتنا فى ثامن منهم الكتبُ
كذلك اهل الكهف فى الكهف سبعةٌ	غداةً ثووا فيها و ثامنهم كلبُ
وانى لازهى كلبهم عنك رغبةً	لانك ذو ذنبٌ وليس لهٗ ذنبُ
لقد ضاع امر الناس حيث يسوسهم	وصيفٌ واشناس وقد عظم الخطب
وانى لارجوان ترى من مغيبها	مطالع شمس قد يغصّ بها الشربُ
وهمّك تركى عليه مهابةٌ	فانت لهٗ امٌ وانت لهٗ ابُ

مذکورہ بالا اشعار میں قوم کے شاعر نے جس زور کا اظہار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب کا کیا حال تھا۔

تعلق نہ تھا۔ ایرانیوں۔ ترکوں۔ مغلوں اور دیگر اقوام کی طاقت کا باعث ہوئے اور عربوں کا زور توڑتے گئے۔ معتصم کی خلافت پر عربی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ تخت نشینی پر خلیفہ نے ممالک محروصہ میں تمام عاملوں کے نام فرمان لکھا کہ جس قدر عرب دفاتر میں باقی رہ گئے ہیں سب کو علیحدہ کر دیا جائے۔ ان کے بجائے عجمی ترکی غلام برسر حکومت ہوئے۔ جس وقت معتصم کا انتقال ہوا اور اس کا جانشین واثق باللہ ہوا ابن خزاء کا مشہور شاعر دعبل اس وقت مقام صیمرہ میں تھا۔ اس غریب شاعر سے اور کیا ہو سکتا تھا اپنی قوم کی تباہی پر اکثر خون کے آنسو رو چکا تھا۔ خلفا اس کے خون کے پیاسے تھے۔ اور یہ بیچارہ اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچاتا پھرتا تھا۔ اس وقت جب ایک خلیفہ کے مرنے اور دوسرے کے تخت نشینی کی خبر ملی

الحمد للہ لا صبر ولا جلدُ ولا عزاءَ اذا اهل البلا رقدوا

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے صبر و شکیب کا موقع نہیں اور ماتم پرسی کی اس وقت کوئی حاجت نہیں ہوتی جبکہ اہل بلا سو رہیں (مرجائیں)

خلیفہ مات لم یحزن لہ احدٌ واخرٌ قام لم یفرح بہ احدٌ

(ترجمہ) ایک خلیفہ مر گیا تو کسی نے اُس کا غم نہ کیا اور دوسرا اس کی جگہ قائم ہُوا تو کسی کو اُس کی خوشی نہ ہوئی ؞

خلفائے عباسیہ کی رگوں میں زیادہ تر عجمی خون تھا اس لئے انہیں قدرتاً عجم سے ہمدردی ہونی چاہیئے تھی اور تعجب کی بات نہیں اگر انہیں عرب سے نفرت ہو۔ ہماری رائے میں تو عربی حکومت کا خاتمہ اُمیہ کے ساتھ ہوگیا تھا اگر یہ رائے صحیح نہ ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ عباسیہ نے رفتہ رفتہ اس طاقت کو ہمیشہ کے واسطے مردہ کر دیا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ایرانیوں کو وہ طاقت نصیب نہ ہوئی جو ترکوں کو حاصل ہوئی اس کا باعث بھی وہی تمدن تھا۔ ایرانی متمدن قوم تھی۔ اور اُن کا نزول ایک عرصہ سے ہوچکا تھا۔ اسلامی حکومت میں

عباسیہ کی بدولت جب اُن کو دخل نصیب ہوا تو پہلے ہی عیش پسند طبائع تھیں اس وقت تمام اسباب عیش و عشرت مہیا تھے خود ڈوبے اور دوسروں کو ڈبو دیا۔ ترک ابھی تک اس تمدن سے واقف نہ تھے اُنہوں نے حکومت کو عربوں سے حاصل کیا لیکن اُن کے تمدن سے حصہ نہ لیا۔ اسی واسطے وہ ترقی کرتے گئے۔

ہم نے بغداد کی پانچ سو سالہ تاریخ لکھی ہے۔ موجودہ زمانہ میں یہ بغداد روئے دنیا پر موجود نہیں۔ یہ خواب تھا جو ہم نے کسی زمانہ میں دیکھا یہ ایک فسانہ ہے جو ہم نے سُنا اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا عروج صداقت اسلام کی دلیل ہے اور ہمارا تنزل ہمارے فخر کا باعث ہے اور ہماری ذلت اور مسکنت اولاالابصار کے لئے عبرت ہے۔ دنیاوی حکومت کا قریب قریب خاتمہ ہو چکا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کی حکومت تمام دنیا پر ہے۔ آخیر میں ہم تقی الدین بن ابی الیسر کے قصیدہ پر اُس نے بغداد کی تباہی پر لکھا ہم اس دردانگیز عبرت خیز داستان کو ختم کرتے ہیں ؎

لسائل الدمع عن بغداد اخبار	فما وقوفك ولا حباب قد سار
یا زائرین الی الزوراء لا تفدوا	فما بذاك الحمی والدار دیار
تاج الخلافة والربع الذی شرفت	به المعالم قد عفاه اقفار
اضحی لعطف البلی فی ربعه اثر	وللدموع علی الاثار اثار
یا نار قلبی من نار الحرب وغی	شبت علیه ووافی الربع اعصار
علا الصلیب علی اعلی منابرها	وقام بالامر من یحویه زنار
وکم حریم سبتة الترك عاصیة	وکان من دون ذلك الستر استار
وکم بدور علی البدریة انخسفت	ولم یعد لبدور منه ابدار
وکم ذخائر اضحت وهی شائعة	من النهاب وقد حازته کفار

وکم حدود اقیمت من سیوفهم علی الرقاب وحطت فیه اوزار

نادیت والسبی منهوك بجرهم

الی السفاح من الاعداد دعار

(ترجمہ) بغداد کی خبریں سن کر آنسوں بہانے والے سے کہدو۔ کہ تو کیوں کھڑا ہے احباب تو سارے چلے گئے۔

ایک دوسرے سے ملنے والوں سے کہدو کہ یہ نہ کہیں کہ ہم تم پر فدا ہیں۔ اس تباہ شدہ گھر کے مقابلہ میں جنگل کی کیا حقیقت ہے۔ تاج خلافت اور بڑے گھروں کی نشانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اور آنسوں سے گھروں کے آثار پر آثار باقی رہ گئے ہیں۔ اے میرے دل کی آگ جو لڑائی سے مشتعل ہوئی ہے۔ تباہی کی آگ نے اور بھی بھڑکا دیا ہے بغداد کے منبروں پر صلیب بلند ہو گئی ہے اور اس پر وہ لوگ قابض ہو گئے ہیں جو خود زنار کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حریم کے مکانات کہ جن کو ترکوں نے بزور قید کر لیا ہے حالانکہ اُن کے واسطے پہلے تو پردوں پر پردے پڑے تھے۔ بہت سے جاندار کو یکے بعد دیگرے گھن لگ گیا۔ ان میں سے ایک بھی لوٹ کر نہیں آیا۔ اور بہت سے خزانے لوٹ سے بکھر گئے اور ان پر قبضہ کر لیا۔ میں نے آواز دی تو معلوم ہوا کہ بہت سے قیدیوں کو جلاد اور ذلیل کرنے والوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ آہ!

اطلاع عام

یہ کتب خانہ بفضلہ تعالے عرصہ دراز سے جاری ہے اس میں ہر ایک علم و فن کی کتابوں کا ذخیرہ ہر وقت فروخت کیلئے موجود رہتا ہے۔ درخواست آنے پر فوراً تعمیل کیجاتی ہے کتابیں نرخ بازار پر یا اس سے ارزاں بذریعہ ویلیو پے ایبل یا نقد قیمت آنے پر بھیجی جاسکتی ہیں ❖

تاجران باوقار و ناظرین با تمکین کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس اپنے قدیمی نیاز مندان مہتمان کتبخانہ کا اپنی اپنی درخواستیں بھیجکر حوصلہ بڑھائیں ❖

مہتمان کتبخانہ کی خوش معاملگی کی بابت خورد و کلاں ثناخواں ہے۔ عیاں راچہ بیاں ایک دفعہ معاملہ کرنے سے آپ پر واضح اور روشن ہو جائیگا اور ہماری راستبازی کی تصدیق ❖

قرآن مجید و حمائلیں۔ کتب ادعیہ اوراد۔ کتب فقہ و حدیث تفاسیر عربی، فارسی۔ اردو۔ کتب طب کتب درسی۔ نحو منطق اصول۔ نجوم۔ جفر۔ کتب قانون سادہ و مشرح وغیرہ وغیرہ ملسکتی ہیں

المشتہر

شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین تاجران کتب بازار کشمیری۔ لاہور